ڈاکٹر احمد علی برقی اعظمی

روحِ سخن

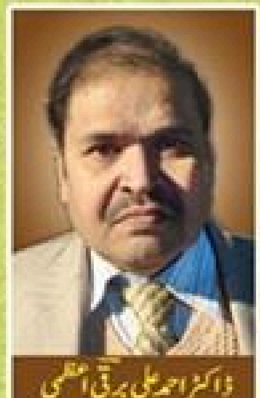


(شعری مجموعہ)

روحِ سخن

(شعری مجموعہ)

ڈاکٹر احمد علی برقی اعظمی



ڈاکٹر احمد علی برقی اعظمی نے ۲۵ دسمبر ۱۹۵۴ء کو اتر پردیش کے شہر اعظم گڑھ کے محلہ باز بہادر میں ایک علمی و ادبی گھرانے میں آنکھیں کھولیں۔ آپ کے والد ماجد جناب رحمت الٰہی برق اعظمی دبستان داغ دہلوی سے تعلق رکھتے تھے اور خود بھی ایک باکمال استاد شاعر تھے۔ والد صاحب چونکہ اعظم گڑھ میں ہی سرکاری ملازمت میں نائب رجسٹرار قانون گو کے عہدے پر فائز تھے، لہٰذا برقی اعظمی کی ابتدائی تعلیم ان ہی کی نگرانی میں ہوئی اور انٹر سے لے کر اردو میں ایم۔اے کرنے تک انہوں نے شبلی نیشنل کالج، اعظم گڑھ سے استفادہ کیا۔ ۱۹۷۷ء میں برقی اعظمی دہلی آگئے اور ۱۹۸۳ء میں آل انڈیا ریڈیو کے شعبۂ فارسی سے منسلک ہو گئے۔ جواہر لعل نہرو یونیورسٹی سے فارسی میں ایم۔اے کرنے کے بعد آپ نے ۱۹۹۶ء میں اسی تعلیم گاہ سے فارسی میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ سردست برقی صاحب آل انڈیا ریڈیو میں شعبۂ فارسی کے انچارج کے عہدے پر فائز ہیں۔

برقی اعظمی کو ۱۵ برس کی عمر سے شعر گوئی کا ذوق و شوق رہا ہے۔ ان کی خاص دلچسپی جدید سائنس میں انٹرنیٹ اور خاص طور پر اردو کی ویب سائٹس سے جنون کی حد تک ہے۔ اردو اور فارسی میں یکساں مہارت کے ساتھ غزل کہتے ہیں۔ فی البدیہہ اور موضوعاتی شاعری میں بھی آپ کو ملکہ حاصل ہے۔ ''روحِ سخن'' احمد علی برقی اعظمی کا پہلا شعری مجموعہ ہے۔

— انیس امروہوی

TAKHLEEQKAR PUBLISHERS
54-C/5, J-Extension, Laxmi Nagar, Delhi - 110092
Ph: 011-22442572, 9811612373 Email: qissey@rediffmail.com
www.takhleeqkarpublishers.yolasite.com

ڈاکٹر احمد علی برقیؔ اعظمی

رُوحِ سُخن

(مجموعۂ کلام)

رُوحِ سُخن

(مجموعۂ کلام)

ڈاکٹر احمد علی برقیؔ اعظمی

زیرِ اہتمام:

تخلیق کار پبلشرز

54-C/5، جے۔ ایکسٹینشن، لکشمی نگر، دہلی۔ ۱۱۰۰۹۲

نام کتاب : **رُوحِ سُخن** (مجموعۂ کلام)
ناشر و شاعر : ڈاکٹر احمد علی برقیؔ اعظمی
پتہ : A - 122, 3rd Floor, Street No. - 4, Johri Farm
Jamia Nagar, New Delhi - 110025
Email : aabarqi@gmail.com
تعداد : ۵۰۰

زیر اہتمام : انیس امروہوی
○ **تخلیق کار پبلشرز**
54-C/5۔ گلی نمبر۔۵، جے۔ایکسٹینشن، لکشمی نگر، دہلی۔۱۱۰۰۹۲

سر وَرق : مسعود التمش
کمپوزنگ : نفیس الرحمٰن
مطبع : کلاسک آرٹ پرنٹرس، چاندنی محل، دریا گنج، نئی دہلی۔۱۱۰۰۰۲

ملنے کے پتے:

- مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی۔۱۱۰۰۰۶
- غالب اکیڈمی، بستی حضرت نظام الدین اولیا، نئی دہلی۔۱۱۰۰۱۳
- بک امپوریم، اُردو بازار، سبزی باغ، پٹنہ۔ ۸۰۰۰۰۴ (بہار)
- کتب خانہ انجمن ترقی اردو، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی۔۱۱۰۰۰۶
- ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، گلی وکیل، کوچہ پنڈت، لال کنواں، دہلی۔۱۱۰۰۰۶
- کتاب دار، جلال منزل، ٹیمکر اسٹریٹ، نزد جے۔ جے۔ اسپتال، ممبئی۔۴۰۰۰۰۸

T.P.: 0265 ISBN: 978-93-80182-80-3
ROOH - E - SUKHAN *(Poetry)* 2013
By DR. AHMAD ALI BARQI AZMI Rs. 215.00
TAKHLEEQKAR PUBLISHERS
54-C, F./F.,Street No. 5, J - Extension, Laxmi Nagar, DELHI-110092
Ph.:011-22442572, 9811612373 E-mail:qissey@rediffmail.com

یہ کتاب قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے مالی تعاون سے
شائع کی گئی ہے۔

ROOH E SUKHAN // 1

انتساب

بیادِ والدِ محترم رحمت الٰہی برقؔ اعظمی مرحوم

میرے والد کا نہیں کوئی جواب
جو تھے اقصائے جہاں میں انتخاب

پھر بھی اُن کو جانتا کوئی نہیں
ذہن میں ہے جس سے پیہم اضطراب

اُن کا مجموعہ ہے ''تنویرِ سُخن''
جس میں حُسنِ فکر و فن ہے لاجواب

اُن کا ہے مرہونِ منت میرا فن
آج میں جو کچھ ہوں وہ ہے اُن کا خواب

اُن کے تھے استاد نوحؔ ناروی
داغ سے جن کا سخن تھا فیضیاب

اُن کے خرمن سے ہے برقیؔ خوشہ چیں
ہے سخن جس کا اُنہیں کو انتساب

○○

فہرست

احمد علی برقی اعظمی کی غزلیہ شاعری

(ایک جائزہ)

بخشا خدا نے برقؔ مجھے ایسا مرتبہ
سایہ بھی جب پڑا تو مرا روشنی کے ساتھ

جب جناب رحمت الٰہی برقؔ اعظمی صاحب نے یہ شعر کہا تھا تو ان کے خواب و خیال میں بھی نہ ہوگا کہ اس شعر کی تعبیر ان کے صاحبزادے احمد علی برقؔ اعظمی بحیثیت ایک شاعر کی شکل میں دُنیائے اُردو کے اُفق پر ظاہر ہو کر ان کی یاد تازہ کر جائے گی۔ رحمت الٰہی برقؔ صاحب اپنے وقت کے ایک صاحب طرز اُستاد شاعر تھے۔ان کے مجموعہ کلام ''تنویرِ سخن'' کا سرسری مطالعہ بھی ان کی شاعرانہ مقام اور بلند پایہ صلاحیتوں کے اثبات وتصدیق کے لئے کافی ہے۔ اُردو کا ایک بہت بڑا المیہ یہ رہا ہے کہ ہر زمانہ میں اس میں خدا جانے کتنے بلند پایہ، صاحب علم اور منفرد رنگ کے شاعر اور ادیب پیدا ہوئے اور عمر بھر شعر و ادب کی بھرپور اور بے لوث خدمت انجام دے کر اِس حالت میں راہئ ملک عدم ہو گئے کہ اہل اُردو نے نہ تو ان کی زندگی میں ان کی اور ان کے فن کی مناسب قدر کی اور نہ ہی ان کے بعد انھیں یاد رکھنے کی طرح یاد رکھا چنانچہ آج بیشتر اُردو دُنیا اُن کے نام اور کام دونوں سے مطلق ناواقف ہے۔ جناب رحمت الٰہی برقؔ مرحوم بھی ایسے ہی شاعروں میں سے تھے۔ زیرِ نظر کتاب ''روحِ سخن'' اُن کے

صاحبزادے احمد علی برقیؔ اعظمی کی شعر گوئی کا عکاس ایسا مجموعہ ہے جو اُن کے فن وفکر کی روشنی سے دُنیائے اُردو کو منوّر کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اگر رحمت الٰہی صاحب آج زندہ ہوتے تو اس کتاب کو دیکھ کر یقیناً بہت خوش ہوتے کیونکہ یہ مجموعہ نہ صرف ان کے شعری ورثے کی صحت اور زندگی کا ایک جیتا جاگتا ثبوت ہے بلکہ احمد علی برقیؔ صاحب کے ہاتھوں خود بھی ایک نئے اندازِ فکر و بیان کی ابتدا کی ایک نیک فال کی حیثیت رکھتا ہے۔

برقیؔ صاحب کی شاعری ایک سیدھے سادے، شریف النفس انسان کی سیدھی سادی شاعری ہے جس کو ہر صاحب دل سمجھ سکتا ہے اور محسوس بھی کر سکتا ہے۔ اس شاعری میں غزل کا کوئی مخصوص رنگ تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس میں نہ تو مرزا غالبؔ کی پیچیدہ خیالی اور فلسفہ ہے اور نہ میر تقی میرؔ کا سا حزن و ملال، نہ ناسخؔ کی استادی ہے اور نہ داغؔ کی سادہ بیانی اور معنی آفرینی، نہ جگرؔ مرادآبادی کی سرشاری ہے اور نہ فانیؔ بدایونی کی قنوطیت اور گریہ و زاری۔ یہ شاعری انسانی جذبات و خیالات کا ایک عام سا اظہار ہے جس کو غزل کے سکہ بند اصولوں اور پیمانوں پر پرکھنا تحصیل لاحاصل کے مترادف ہوگا۔ اس میں ہر شخص کو اپنا دُکھ درد، اپنی اُمید اور حوصلہ، اپنی ناکامی اور نامرادی، دُنیا کے ہاتھوں خود پر گزرے ہوئے حالات و حادثات اور ایک عام انسان کی عام زندگی کے معمولات نظر آئیں گے اور یہی اس شاعری کی انفرادیت اور خصوصیت ہے۔ اگر شاعر کے ساتھ قدم بقدم چل کر وہ ذہنی سفر کیا جائے جو اس شاعری کا منبع ہے تو اس سے لطف اندوز اور مستفید ہونا بہت آسان اور خوشگوار ہے۔

''روحِ سخن'' پر ایک سرسری نگاہ ڈالئے تو جو چیز اس میں فوراً نمایاں نظر آتی ہے وہ اس کی سادہ بیانی اور بوجھل الفاظ و تراکیب کا بڑی حد تک فقدان ہے۔ جو لوگ برقیؔ صاحب سے واقف ہیں، اُن کو کتاب میں موصوف کی شخصیت اور اخلاق وکردار کا عکس نظر آئے گا اور ان کے کلام کی سادگی اور پرکاری میں خود برقیؔ صاحب کارفرما دکھائی دیں گے۔ کتاب کا مطالعہ قاری کے لئے مختلف سطحوں پر خوشگوار اور خوش

آئند ہے۔ اگر اس مجموعہ کا مطالعہ تفصیل اور دقتِ فکر و نظر سے کیا جائے تو صاحب کتاب کی غزلیہ شاعری کے چند ایسے مزید پہلو سامنے آتے ہیں جو اہلِ دل کو غور وخوض، تنقید و تنقیح اور تجزیہ و تحلیل کی دعوت دیتے ہیں جس کے نتیجہ میں برقیؔ صاحب کی غزل کے کچھ منفرد اور دلکش نقوش اجاگر ہوتے ہیں جو کتاب کی قدر و قیمت میں اضافہ کرتے ہیں۔ یہ اجمال کچھ تفصیل چاہتا ہے۔

غزل کے لغوی معنی ''اپنے محبوب سے باتیں کرنا'' ہیں۔ اس حوالے سے عشق کی وفا شعاری، حسن کی بے وفائی اور غفلت شعاری، عاشق و معشوق کے کچھ اصلی اور کچھ فرضی قصے، معاملات و واردات اور اسی قبیل کے دوسرے مضامین غزل کے عام اور معروف موضوعات میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کے ساتھ ساتھ لیلیٰ اور مجنوں، شیریں اور فرہاد، سسّی اور پنوں کے اصلی اور فرضی قصے، گل و بلبل، گلشن وگل چیں، قفس اور صیاد کی کہانی، بہار وخزاں کا فسانہ، دُنیا کی بے ثباتی اور انسانی زندگی کے صبر آزما حقائق اپنی تمام تفصیلات اور تلازموں کے ساتھ صدیوں سے غزل کی روایات کا ایک نہایت دلچسپ اور بیش بہا حصہ بنے ہوئے ہیں۔ غزل کا تصور کیجئے تو ایسے سب خیالات، تصورات، تجربات، مشاہدات اور محسوسات ہماری نگاہ عشق پرست کے سامنے آجاتے ہیں جن کا تعلق عشق اور معاملاتِ عشق سے کسی بھی صورت میں ہوسکتا ہے۔ پھر یہی عشق کبھی اپنے مجازی روپ میں ہماری تنہائیوں کا ساتھی ہے اور کبھی عشقِ حقیقی کے روپ میں ہمارے دکھ، درد کا مرہم بن جاتا ہے۔ اُردو کے پہلے معروف شاعر ولیؔ دکنی سے لے کر آج تک اُردو کی تاریخ میں ایک بھی شاعر ایسا نہیں گزرا ہے جس نے غزل کے ان معروف و مقبول موضوعات کو نظم کرنے میں تکلف سے کام لیا ہو بلکہ کچھ اساتذہ تو عاشقانہ معاملات پر اس قدر زور دیتے ہیں کہ ایسے مضامین اور طرزِ فکر ہی ان کی شناخت بن گئے ہیں۔ یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ شعرا نے اِن عاشقانہ مضامین کو صرف براہ راست ہی اپنی غزل میں ایک دلچسپ اور جذباتی موضوع کی طرح استعمال نہیں کیا ہے بلکہ شیریں وفرہاد،

گل وبلبل، بہار وخزاں، ہجر و وِصال، صحرا نوردی اور سیر گلشن غرضیکہ ہر نفس شعر کو تشبیہ، استعارہ، اشارہ اور کنایہ کی طرح بھی باندھا ہے گویا کسی نہ کسی صورت سے یہ موضوعات ان کی غزلیہ شاعری کا چھوٹا یا بڑا جز وضرور رہے ہیں۔اب یہ صورت حال اتنی عام ہے کہ غزل اور عاشقانہ مضامین لازم وملزوم ہوکر رہ گئے ہیں گویا ایک کا تصور دوسرے کے بغیر ناممکن ہے۔

درج بالا حوالے سے اگر برقیؔ صاحب کی غزل کا مطالعہ کیا جائے تو ایک عجیب اور نہایت دلچسپ حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے۔جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے اُردو غزل کے محبوب موضوعات حسن وعشق کی کارفرمائی، گل وبلبل کے افسانے، شیریں و فرہاد کے قصے، دُنیا کی بے ثباتی اور کم سوادی، آشیانہ اورقفس ، بہاروخزاں، تصوف ومعرفت وغیرہ ہیں۔ عام خیال یہ ہے کہ غزل کی شعریت، تغزل، اثر پذیری، معنی آفرینی، ایجاز واعجاز، داخلیت و خارجیت غرضیکہ ہر وہ خصوصیت یا انفرادیت جو اس کو بقول پروفیسر رشید احمد صدیقی صاحب ''اُردو شاعری کی آبرو'' کا مقام عطا کرتی ہے، اِنھیں بنیادی موضوعات سے نمو پاتی ہے اور انھیں سے سیراب ہوتی ہے۔ اگر غزل سے یہ نکال دئے جائیں تو وہ خشک ، بے رنگ اور بے آب وگیاہ ہوکر رہ جائے گی۔ اُردو شاعری کے کئی صدی پر محیط دَور میں ایک بھی شاعر ایسا نہیں گزرا ہے جس نے اپنے کلام میں ان معاملات عشق سے کسی سطح پر احتراز برتا ہو۔غزل کے دوسرے مضامین بھی اکثر و بیشتر یا تو براہ راست یا پھر اشارہ ، کنایہ اور تشبیہات و استعارات کی صورت میں انھیں سوتوں سے پھوٹتے ہیں اور غزل کو اس کی صدرنگی سے مالا مال کرتے ہیں۔اس حقیقت کے پیش نظر اگر برقیؔ صاحب کی غزل کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حیرت انگیز بات منکشف ہوتی ہے کہ انھوں نے غزل کے ان پرانے، آزمودہ اور روایتی موضوعات سے تقریباً مطلق پرہیز کیا ہے۔ ایک غزل کے بعد دوسری غزل پڑھتے جایئے تو اِن موضوعات پر ایک آدھ شعر''بقدر بادام'' نظر آجاتا ہے اور وہ بھی تلاش کرنا پڑتا ہے ۔ دوسرے مضامین والے اشعار کی فراوانی میں ایسے روایتی اشعار

گم ہوکر رہ گئے ہیں۔مثال کے طور پر گل، گلشن، قفس، بہاروخزاں کو ذہن میں رکھ کر ''روحِ سخن'' کا مطالعہ کیجئے تو گنتی کے چند اشعار دکھائی دیتے ہیں جن کے عمومی رنگ کی عکاسی نیچے دی ہوئی مثالوں سے بخوبی ہوتی ہے......

سبھی نالاں ہیں جورِ باغباں سے
چمن کی درہم و برہم فضا ہے

گل و بلبل دَریدہ پیرہن ہیں
نہیں یہ ظلم ہے تو اور کیا ہے

مرا دل خزاں کا شکار تھا مجھے انتظار بہار تھا
مگر آئی فصل بہار جب مرے بال و پر وہ کتر گئے

بہار میں بھی عیاں ہیں خزاں کے اب آثار
جسے بھی دیکھئے لگتا ہے سوگوار مجھے

غنچے چمن میں آج ہیں یہ سر بریدہ کیوں
گل پیرہن ہیں باغ میں دامن دَریدہ کیوں

یہ کون باغباں ہے یہ کیسا نظام ہے
بارالم سے برگ و شجر ہیں خمیدہ کیوں

گلوں کی چاک دامانی کا منظر دیکھ کر اکثر
لبوں پر اہل گلشن کی شکایت آہی جاتی ہے

برقیؔ صاحب کی غزل کے مطالعہ کے بعد ذہن میں دوسوال اُبھرتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ انھوں نے اپنی غزلیہ شاعری میں غزل کے روایتی مضامین یعنی عشقیہ

معاملات و واردات سے اتنا مکمل احتراز کیوں برتا ہے؟ دوسرے یہ کہ ان مضامین کی کمی کو انہوں نے کس طرح پورا کرنے کی کوشش کی ہے؟ پہلے سوال کا جواب تو شاید برقیؔ صاحب خود بھی نہ دے سکیں حالانکہ روایتی مضامین کے نہ باندھنے سے خود اُن کی شاعری کو کسی فائدہ کے بجائے نقصان پہنچا ہے کیونکہ اس طرح انہوں نے اپنے اوپر مضامین کا میدان نہایت تنگ کردیا ہے اور سامنے کے مضامین نیز یکسانیتِ زبان وبیان کو کلام میں کھل کھیلنے کا موقع فراہم کر دیا ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ یہ احتراز صاحب موصوف کی زود گوئی اور بسیار گوئی کا شاخسانہ ہے۔ وہ غزل کا مطلع کہتے ہیں تو ان کی زود گو طبیعت اسی رنگ میں دوسرے اشعار بے تکان موزوں کرنے لگتی ہے اور پھر اس دَریا کی روانی کسی اور خیال یا بندش کو خاطر میں نہیں لاتی۔ دیکھتے ہی دیکھتے غزل مکمل ہو جاتی ہے اور برقیؔ صاحب کو اس کا احساس بھی نہیں ہوتا ہے کہ زیرِ تصنیف غزل کے مضامین سے ملتے جلتے مضامین وہ اور بہت سی غزلوں میں باندھ چکے ہیں۔ زود گوئی اور بسیار گوئی کا ایک لاحقہ یہ بھی ہے کہ شاعر اپنے کلام پر نظرِ ثانی کے توسط سے خود احتسابی کرنے میں کمزور ہوتا ہے۔ غزل کہہ کر اس کی زود پسند طبیعت اُس کی اشاعت اور ابلاغ کو دوسری باتوں پر ترجیح دیتی ہے اور اس طرح یہ صورت حال غزل دَرغزل قائم رہتی ہے۔

زیرِ نظر کتاب کے مطالعہ سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ برقیؔ صاحب نے روایتی غزلیہ مضامین کے فقدان کا علاج دو طرح سے کرنے کی شعوری یا غیر شعوری کوشش کی ہے۔ غزل مسلسل برقیؔ صاحب کے اس اقدام کا پہلا عنصر ہے۔ موصوف کی بیشتر غزلیں شروع سے آخر تک ایک ہی رنگ اور تقریباً یکساں مضامین کے مختلف پہلو اُجاگر کرتی ہیں گویا ان کی غزلوں میں مسلسل غزل کا رنگ بہت نمایاں ہے۔ اس موضوع پر ان کے ساتھ گفتگو سے راقم الحروف نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ان کی غزل کا یہ رنگ غیر اختیاری ہے اور غزل کہتے وقت خود بخود مرتب ہوتا جاتا ہے یعنی وہ دانستہ غزل مسلسل نہیں کہنا چاہتے ہیں بلکہ ایسا غیر شعوری طور پر نا دانستگی میں ہو جاتا ہے۔ یقیناً

یہ صورت حال بھی ان کی زود گوئی کی وجہ سے ہے جس کا قدرے مفصل بیان آگے آئے گا۔ جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے غزل شروع کرتے ہی ان کی زود گو طبیعت شعر گوئی کی باگ تھام لیتی ہے اور تقریباً بے اختیاری کے عالم میں غزل مکمل ہو جاتی ہے۔ ایسی غزل مسلسل کی دو مثالیں دیکھئے۔ یہ رنگ تغزل پوری کتاب میں نظر آتا ہے۔ یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ مسلسل غزل کی یہ یکسانیت غزل کی اثر پذیری کم کرتی ہے اور اس پر اتنی شدت اور التزام سے عمل نہیں ہونا چاہئے تھا۔

مُجھ کو ہنس ہنس کر رُلایا دیر تک
چین پھر اُس کو نہ آیا دیر تک

آنے والا تھا حریمِ ناز میں
منتظر تھا میں نہ آیا دیر تک

تھا بہت صبر آزما یہ انتظار
بارِ ناز اُس کا اُٹھایا دیر تک

آتشِ سیال تھا میرا لہو
میرا خوں اُس نے جلایا دیر تک

میں ورق اُس کی کتابِ حُسن کا
چاہ کر بھی پڑھ نہ پایا دیر تک

ایک یادوں کا تسلسل تھا جسے
میں نہ ہرگز بھول پایا دیر تک

حالِ دل برقیؔ کا تھا نا گفتہ بہ
سر پہ چھت تھی اور نہ سایا دیر تک

غزل مسلسل کی ایک اور مثال درج ذیل ہے۔ ایک ہی مضمون کے مختلف پہلو بیان کرنے میں برقیؔ صاحب کی مشاقی میں شبہ نہیں لیکن ایک حد کے بعد اچھی چیز کے

حسن میں بھی کمی محسوس ہونے لگتی ہے۔

خانۂ دل میں تھے مہماں آپ تو ایسے نہ تھے
کر دیا کیوں اِس کو ویراں آپ تو ایسے نہ تھے

آپ توافسانۂ ہستی کا عنواں تھے مرے دیکھ
کر اب ہیں گریزاں آپ تو ایسے نہ تھے

توڑ ڈالا زندگی بھر ساتھ دینے کا بھرم
کیا ہوئے وہ عہد و پیماں آپ تو ایسے نہ تھے

میرے دل میں کچھ نہیں ہے بھول جائیں آپ بھی
کس لئے ہیں اب پشیماں آپ تو ایسے نہ تھے

آپ کے لب پر ہے آخر آج کیوں مُہرِ سکوت
سازِ دل پر تھے غزلخواں آپ تو ایسے نہ تھے

کیف و سرمستی کا ساماں آپ تھے میرے لئے
مثلِ آئینہ ہیں حیراں آپ تو ایسے نہ تھے

کچھ بتائیں تو سہی اِس بدگمانی کا سبب
کیوں ہیں اب برقی سے نالاں آپ تو ایسے نہ تھے

غزل کے روایتی موضوعات سے احتراز کے علاج کا دوسرا عنصر برقی صاحب کی وہ کوشش ہے جو ہر مضمون، ہر بیان اور ہر جذبہ کو ایک شخص واحد کے حوالے سے پیش کرتی ہے۔ یہ شخص واحد خود برقی صاحب ہیں۔ ان کی بیشتر غزلوں کا مرکزی کردار خود اُن کی ذات ہے۔ اگر یہ نکتہ ذہن میں رکھ کر اُن کے کلام کا مطالعہ کیا جائے تو یہ ظاہر ہو جائے گا کہ ان کی غزل انھیں کی شخصیت کے اِردگرد گھومتی ہے اور اس کا ظاہر و باطن انھیں کی ہستی ہے۔ کیا برقی صاحب اپنی غزل کو اس کی روایت سے الگ کر کے ان کوششوں سے ایک نیا روپ یا آہنگ دے سکے ہیں؟ یہ مسئلہ غور وفکر کا طالب ہے۔ اس تناظر میں ''روحِ سخن'' کا مطالعہ دلچسپی سے یقیناً خالی نہیں ہے۔

برقی صاحب کا رنگ تغزل ان کی چھوٹی بحر کی غزلوں میں نکھر کر ظاہر ہوتا ہے۔ انہیں کم سے کم الفاظ میں اپنا مطلب بیان کرنے کا ہنر بخوبی آتا ہے۔ چونکہ موصوف نے فارسی زبان میں ڈاکٹریٹ کی ہوئی ہے اس لئے انہیں فارسی پر عبور حاصل ہے اور وہ تراکیب کے استعمال سے پوری طرح فائدہ اُٹھا سکتے ہیں اور اُٹھاتے بھی ہیں۔ فارسی کی استعداد سے وہ مزید کام لے سکتے تھے لیکن ان کی چھوٹی بحر کی غزلوں میں تراکیب کم ہی نظر آتی ہیں۔ اس کی وجہ بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ برقی صاحب نے ایسی غزلوں میں خود کو آسان اور سامنے کے مضامین تک محدود رکھا ہے۔ وہ ایسے مضامین کو باندھنے پر مجبور بھی ہیں کیونکہ غزل کے عام اور معروف مضامین سے تقریباً مکمل پرہیز نے ان پر مضامین کا میدان بہت تنگ کر دیا ہے۔ غزل میں روایتی مضامین کا ایک عظیم ذخیرہ موجود ہے اور شاعروں کی بڑی اکثریت انہیں اپنے اپنے انداز میں باندھ کر اپنی غزل کے دامن میں وسعت پیدا کر لیتی ہے۔ برقی صاحب کے یہاں مضامین کی یکسانیت نظر آتی ہے جو بعض اوقات قاری کی عدم توجہ اور عدم دلچسپی کا سبب بن جاتی ہے۔ مضامین کی اس یکسانیت کے باوجود شاعر موصوف جا بجا اپنی شعر گوئی کی خداداد صلاحیت سے جذبات کا جادو جگاتے ہیں۔ سیدھے سادے انداز میں گہری بات کہہ دینا اور آسان اور عام فہم الفاظ میں قاری کے دل کو چھو لینا آسان کام نہیں ہے۔ برقی صاحب یہ ہنر خوب جانتے ہیں۔ چھوٹی بحروں کے درج ذیل چند اشعار ان کی قادرالکلامی کی دلیل ہیں......

دل کی ویرانی کبھی دیکھی ہے کیا
یہ پریشانی کبھی دیکھی ہے کیا

میری چشم نم میں جو ہے موج زن
ایسی طغیانی کبھی دیکھی ہے کیا

آئینہ میں شکل اپنی دیکھ کر
ایسی حیرانی کبھی دیکھی ہے کیا

رسم الفت کو نبھاکر دیکھو
دل سے اب دل کو ملاکر دیکھو

جو تمھیں ہم سے الگ کرتی ہے
تم وہ دیوار گرا کر دیکھو

بوجھ ہو جائے گا دل کا ہلکا
خود ہنسو اور ہنساکر دیکھو

بدگمانی کا نہیں کوئی علاج
ہم کو نزدیک سے آکر دیکھو

میں نہ آؤں تو شکایت کرنا
پہلے تم مجھ کو بلاکر دیکھو

کیوں ہو برقیؔ سے خفا کچھ تو کہو
تم اسے اپنا بناکر دیکھو

بہت رفتار تھی یوں تو ہوا کی
مری شمعِ وَفا پھر بھی جلا کی

میں جس سے کر سکوں عرض تمنا
ضرورت ہے اُسی درد آشنا کی

ہے شیوہ جس کا برقیؔ بے وفائی
توقع اس سے کیا مہر و وَفا کی

دیدہ و دل ہیں فرشِ راہ مرے
تجھ کو بھی انتظار ہے کہ نہیں

مجھ سے باتیں اِدھر اُدھر کی نہ کر
یہ بتا مجھ سے پیار ہے کہ نہیں
منتظر کب سے ہے ترا برقیؔ
تجھ کو کچھ پاسِ یار ہے کہ نہیں

جہاں فطرت فیاض نے برقیؔ صاحب کو ذوق سلیم اور طبع موزوں سے متصف کیا ہے وہیں انہیں زود گوئی کی صلاحیت بھی عطا کی ہے۔ برقیؔ صاحب کی شعر گوئی بھی ان کے تخلص کی مناسبت سے برق رفتار ہے۔ وہ شعر اس قدر تیزی سے کہتے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ''فی البدیہہ مشاعروں'' میں اکثر شرکت کرتے ہیں اور سب سے پہلے غزل کہہ کر ہاتھ جھاڑتے ہوئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ برسوں کی مشق کے بعد اب ان کی زود گوئی کی یہ کیفیت ہے کہ برقیؔ صاحب کے یہاں وقت، موقع، تقریب، جشن، محفل کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔کوئی تقریب یا محفل ہو، کیسا ہی موقع یا جشن ہو وہ جب چاہیں، جس وقت چاہیں، جس قدر چاہیں اور جس موضوع پر چاہیں فی البدیہہ ایک شعر کے بعد دوسرا شعر بلکہ پوری پوری غزلیں یا طویل نظم کہنے پر مکمل قدرت رکھتے ہیں۔ یہ کہنا بالکل درست ہے کہ اب شعر گوئی ان کی عادت میں داخل ہوگئی ہے اور ان کے لئے شعر کہنا یا کوئی واقعہ یا حادثہ نظم کرنا نثر لکھنے کے مقابلہ میں بدرجہا آسان ہے۔ چنانچہ ان کے پاس ''موضوعاتی شاعری'' کا ایک ایسا بہت بڑا ذخیرہ جمع ہو گیا ہے جو انہوں نے اپنے اردگرد کے حالات و واقعات کے انگیز کرنے پر کی ہے۔ اس شاعری میں سیاسی، سماجی، مذہبی، اخلاقی غرضیکہ ہر موضوع پر چھوٹی یا بڑی نظم یا قطعہ نہایت چابک دستی اور شستگی سے نظم کیا گیا ہے۔ ان کی اس موضوعاتی شاعری کا ایک حصہ زیر نظر کتاب ''روحِ سخن'' میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ اتنے مختلف اور متنوع موضوعات پر یہ منظومات برقیؔ صاحب نے بلا تکان و تکلف کہی ہیں اور یہ ان کے فن کا کمال کی مکمل

عکاسی کرتی ہیں۔ موضوعاتی شاعری نہ صرف یہ کہ آسان نہیں ہے بلکہ یک گونہ خطرناک بھی ہے کیونکہ ذرا سی لاپروائی یا تساہلی سے موضوعاتی شاعری رنگ بدل کر'' فضولیاتی شاعری'' بن سکتی ہے۔ برقیؔ صاحب جس طرح اس خطرے سے دامن بچا کر نکل گئے ہیں اس سے ان کی دقت نظر اور شاعرانہ مہارت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

یہاں زود گوئی کے حوالے سے چند باتیں کہنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ زود گوئی صرف ایک قسم کی نہیں ہوتی۔ ایک زود گوئی تو وہ ہوتی ہے جس کی وجہ سے غزل کے مضامین میں گہرائی اور گیرائی کم ہوجاتی ہے، اشعار میں زبان وبیان و مضامین کی یکسانیت دَرآتی ہے اور بعض اوقات کسی غزل پر یہ گمان ہوتا ہے کہ یہ اس سے قبل نظر سے گزر چکی ہے۔ ایسی زود گوئی سے دامن بچانا مشکل ضرور ہے لیکن ایک ماہر اور صاحب فن شاعر کے لئے ناممکن نہیں ہے۔ برقیؔ صاحب کی یہ زود گوئی اختیاری ہے۔ وہ حسب فرمائش جب کہئے ہر موضوع پر دادِ سخن دے سکتے ہیں اور دیتے ہیں۔ اُن کی زود گوئی ان کی غزل گوئی میں بھی دَرآئی ہے چنانچہ کئی زمینوں میں برقیؔ صاحب نے دو غزلے کہے ہیں۔ ویسے بھی ان کی عام غزل خاصی طویل ہوتی ہے۔ اختیاری زود گوئی میں ایک بڑا نقص یہ ہوتا ہے کہ بسا اوقات اس کے ساتھ بسیار گوئی کا لاحقہ بھی لگا ہوتا ہے گویا زود گوئی اور بسیار گوئی کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ جو شاعر زود گو ہوگا وہ تقریباً ہمیشہ بسیار گو بھی ہوتا ہے۔ زود گو شاعر شعوری طور پر اگر بسیار گو نہ بھی ہو تو غیر شعوری طور پر اس کی زود گوئی اسے مجبور کرتی ہے کہ وہ شعر کے بعد شعر کہتا جائے گویا اس کی زود گو طبیعت شعر گوئی کا جو سوتا کھول دیتی ہے وہ فطری طور پر ایک دریا میں تبدیل ہو سکتا ہے اور شاعر اس میں بہنے کے لئے خود کو مجبور پاتا ہے۔ بذات خود نہ تو زود گوئی میں کوئی برائی ہے اور نہ ہی بسیار گوئی کوئی عیب ہے۔ البتہ زود گوئی تو خطرناک نہیں ہوتی لیکن بسیار گوئی تقریبا ہمیشہ ہی خطرناک ہوتی ہے کیونکہ بسیار گو شاعر اپنی دُھن میں سامنے کے مضامین اور اچھے مضامین میں تمیز نہیں کر سکتا ہے اور اس کے نتیجہ میں اس کی شاعری بھرتی کا شکار ہوکر رہ جاتی ہے۔

زود گوئی کی دوسری قسم غیر اختیاری ہے۔ اس کو علامہ اقبالؔ کی شعر گوئی کے حوالے سے واضح کیا جا سکتا ہے۔ علامہ موصوف کی شعر گوئی کے بارے میں بانگ دِرا کے دیباچہ نگار جناب شیخ عبدالقادر نے اپنے دیباچے میں لکھا ہے کہ......

> ''(اقبالؔ) شعر کہنے کی طرف جس وقت مائل ہوتے تو غضب کی آمد ہوتی تھی۔ ایک ایک نشست میں بے شمار اشعار ہو جاتے تھے۔ ان کے دوست اور بعض طالب علم جو پاس ہوتے پنسل کاغذ لے کر لکھتے جاتے اور وہ اپنی دُھن میں کہتے جاتے۔ میں نے اس زمانے میں انھیں کبھی کاغذ قلم لے کر فکر سخن کرتے نہیں دیکھا۔ موزوں الفاظ کا ایک دریا بہتا یا ایک چشمہ اُبلتا محسوس ہوتا تھا۔ ایک کیفیت رِقّت کی عموماً ان پر طاری ہوتی تھی، اپنے اشعار سُریلی آواز سے ترنم میں پڑھتے تھے، خود وجد کرتے اور دوسروں کو وجد میں لاتے تھے۔'' آگے چل کر شیخ صاحب مزید لکھتے ہیں کہ ''بایں ہمہ موزونی طبع وہ (اقبالؔ) حسب فرمائش شعر کہنے سے قاصر ہے۔ جب طبیعت خود مائل بہ نظم ہو تو جتنے شعر چاہے کہہ دے، مگر یہ کہ ہر وقت اور ہر موقع پر حسب فرمائش وہ کچھ لکھ سکے یہ قریب قریب ناممکن ہے۔''

علامہ اقبالؔ کی زود گوئی غیر اختیاری تھی یعنی وہ ایک قسم کی کیفیت قلب تھی جو اُن پر کسی کسی وقت طاری ہو جاتی تھی۔ ان کے لئے یہ ممکن نہیں تھا کہ جب چاہیں یہ کیفیت اپنے اوپر طاری کرلیں اور شعر کہنا شروع کردیں۔ کسی دوست یا عزیز کی فرمائش پر غزل یا نظم کہنا اُن کے لئے تقریباً ناممکن تھا۔ دوسرے الفاظ میں ہم غیر اختیاری زود گوئی کو آمد کہہ سکتے ہیں۔

یہاں کسی سطح پر بھی علامہ اقبالؔ اور برقیؔ صاحب کا تقابلہ مطلق مقصود نہیں ہے بلکہ زود گوئی کی مختلف قسموں کی نشاندہی اور شناخت دکھانا منظور ہے اور اس کوشش کا

مقصد بھی برقیؔ صاحب کی غزل گوئی کے رموز ونکات کو واضح کرنا اور اُن پر دیانتداری سے اظہار خیال ہے۔ ادبی تنقید ایک صحت مند عمل ہے اور اس سے کسی کی تنقیص کبھی مقصود نہیں ہوتی ۔ یہاں بھی یہی ادبی محرک کارفرما ہے۔

’’روح سخن‘‘ اپنی جملہ خوبیوں کی وجہ سے دُنیائے اُردو میں تحسین کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔ نگاہ نکتہ چیں کو اس میں ایسے مقامات بھی نظر آئیں گے جن کی اصلاح کتاب کو بہتر بنا سکتی تھی لیکن یہ تو ہر انسانی کوشش کے ساتھ پیش آتا ہے۔ اس کیفیت کی ایک صورت کی جانب مختصراً اشارہ کرنے میں ہرج نہیں ہے۔ شعر کو شاعر کی معنوی اولاد کہا جاتا ہے اور ہر شاعر کو اپنا کلام عزیز ہوتا ہے۔ اس کے لئے اپنے پورے کلام میں سے بہتر کلام کا انتخاب کرنا کسی آزمائش سے کم نہیں ہوتا کیونکہ اس کام میں ایک شعر کو دوسرے پر ترجیح دینی ضروری ہے ۔ یہ کلیہ برقیؔ صاحب پر بھی صادق آتا ہے۔ وہ بھی ’’روح سخن‘‘ کی ترتیب وترویج میں خود احتسابی کے صبر آزما مرحلے سے ہمیشہ کامیابی سے نہیں گزر سکے ہیں۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ وہ کتاب کی اشاعت کے لئے غزلوں کے انتخاب میں خود احتسابی کا سخت ترین معیار اختیار کرتے اور اس طرح اس کا معیار بلند کرتے۔ لیکن وہ ہمیشہ ایسا نہ کر سکے ہیں چنانچہ دو چار مقامات پر ان کی غزلوں میں ایسے اشعار دَر آئے ہیں جو معیار کے لحاظ سے بہت کمزور ہیں۔ اچھی خاصی غزل میں ایسے اشعار قاری کے لئے ایک لمحۂ فکریہ بن جاتے ہیں۔ چند مثالیں دیکھئے......

دیارِ شوق میں تنہا بلا کے چھوڑ دیا
حسین خوابِ محبت دکھا کے چھوڑ دیا
کیا تھا وعدہ نبھانے کا رسم الفت کا
دکھائی ایک جھلک مسکرا کے چھوڑ دیا
’’رہا نہ گھر کا بالآخر نہ گھاٹ کا برقیؔ‘‘
وہ آزماتا رہا، آزما کے چھوڑ دیا

مقطع کے پہلے مصرع کے صحیح سیاق وسباق کو ذہن میں رکھا جائے تو اس کا جواز غزل میں نظر نہیں آسکتا۔ زیادہ حدِ اَدب! اگلی مثالوں میں بھی قابل غور حصہ کو ’’............‘‘ سے مقید کر دیا گیا ہے۔

دَرِ دل کھلا ہے چلے آیئے
یہ بے جا تکلّف نہ فرمایئے
میں ہوں آپ کو دیکھ کر دم بخود
کہاں ہوں مجھے خود سے ملوایئے
’’ضیافت کے ساماں ہیں سب آپ کے
جو جی چاہے وہ پیجئے کھایئے‘‘

جلوہ گاہ خوباں میں جب کبھی وہ آتے ہیں
بارِ ناز سب ان کا شوق سے اُٹھاتے ہیں
دل پہ اہل دل کے وہ بجلیاں گراتے ہیں
زیرِ لب ہمیشہ وہ جب بھی مسکراتے ہیں
’’دو ہزار گیارہ تھا جیسے وعدۂ فردا‘‘
سالِ نو میں بھی دیکھیں کیا وہ گل کھلاتے ہیں

برقیؔ صاحب کے یہاں اچھے اشعار کی کمی نہیں ہے۔ ان سے موصوف کی شاعری کا حسن مزید بڑھ گیا ہے۔ اگر وہ اپنے کلام کے حق میں جذباتیت سے کام نہ لیتے تو اس حسن و قیمت میں اور بھی اضافہ ہوتا۔ بایں ہمہ برقیؔ صاحب کی شاعری ایک حساس صاحب دل اور ماہر فن کی شاعری ہے۔ اُردو شاعری میں برقیؔ صاحب نے اب تک جو مقام حاصل کیا ہے مستقبل میں اس میں ترقی یقینی ہے ۔ اس ضمن میں ہماری

دُعائیں اور نیک تمنائیں ان کے ساتھ ہیں۔درج ذیل اشعار موصوف کی مہارت سخن اورصلابت فکر کی بھرپور عکاسی کرتے ہیں......

نہ تو ملتا ہے وہ مجھ سے، نہ جدا ہوتا ہے
کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا ہوتا ہے

جب نہیں دیتا دَرِ دل پہ وہ دستک برقیؔ
کیا بتاؤں میں تمھیں ایسے میں کیا ہوتا ہے

جاتا ہے مجھ کو چھوڑ کے اے بے خبر کہاں
''تیرے بغیر رونقِ دیوار و دَر کہاں''

پھر وہی شدتِ جذبات کہاں سے لاؤں
جیسے پہلے تھے وہ حالات کہاں سے لاؤں

منتشر ہو گئے اَوراقِ کتابِ ہستی
ساتھ دیتے نہیں حالات کہاں سے لاؤں

داستاں ایسی ہے جس کا نہیں عنواں کوئی
مجھ سا دُنیا میں نہیں بے سر و ساماں کوئی

سوچتا ہوں کچھ کہوں، پھر سوچتا ہوں کیا کہوں
اپنے آگے وہ کسی کی مانتا کچھ بھی نہیں

''روحِ سخن'' اُردو غزلیہ شاعری میں ایک بیش بہا اضافہ ہے۔ یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ برقیؔ صاحب کی شاعری غزل میں نئے تجربوں کی طرف اچھی پیش قدمی ہے۔ان کا اگلا قدم شاید اس شعور معرفت کی اگلی منزل کی طرف بڑھے گا

جس کا انہوں نے اپنے اس خوبصورت شعر میں اشارہ کیا ہے۔ برقیؔ صاحب کی یہی موجودہ خودشناسی اُردو شاعری میں ان کے مقام کی ضامن ہوگی۔

شعورِ معرفت مضمر ہے برقیؔ خود شناسی میں
''خودی کا رازداں ہو جا، خدا کا ترجماں ہو جا''

○○

ـــ سرور عالم راز سرورؔ
۱۲۲۰۔اِنڈین رَن ڈرائیو،نمبر۔۱۱۶
کیرلٹن، ٹیکساس۔
(امریکہ)

”روحِ سخن“

”روحِ سخن“ ڈاکٹر احمد علی برقیؔ اعظمی کا مجموعۂ کلام ہے، جس میں روایتی اسلوبِ اظہار کی جملہ پاسداری کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے قوتِ اظہار کو یوں بروئے کار لایا گیا ہے کہ قاری دورانِ مطالعہ ایک ایسے پر کیف جہانِ لفظ و معانی میں جا نکلتا ہے، جس میں عصری رجحانات سے ہم آہنگی اور تجربے کی آنچ مذاقِ سلیم پر ایک مستی کی سی کیفیت طاری کر دیتی ہے۔ کمالِ معاملہ بندی کے ساتھ ساتھ نکتہ آفرینی، بلاغتِ کلام، گوہر باریِ قلم ندرتِ بیاں اور الفاظ کی موزونیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاعر اپنی قادرالکلامی کا آئینہ لیے بڑی کامیابی سے فکرِ دوراں و غمِ جاناں کے دلسوز مناظر کی عکس بندی میں سرگرمِ عمل ہے۔

جملہ محاسنِ شعری میں یعنی جدتِ تخّیل، جدتِ طرازیِ ادا، ندرتِ افکار اور دیگر اوصاف کو قدرتی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کلام میں ایک مخصوص سحرانگیز جاذبیت سرائیت کر گئی ہے، اور وہی نقطۂ نظر جو اُردو کے ادبِ عالیہ میں مروج رہا ہے، اسی کی طرف شاعر کا جھکاؤ ہے۔

آپ ہیئت اور موضوع دونوں اعتبار سے روایت کا دامن تھامے دیکھائی دیتے ہیں، مجاز سے حقیقت کی جہت میں سفر اُردو شاعری کی پہچان رہی ہے، اسی لیے شاعر کا ذہن بھی اسی حقیقت کو موضوعِ اظہار بناتا ہے، اور یوں اسالیبِ بیاں نئ مگر تعجب انگیز اختر عات کو قصرِ غزل کی زینت بناتا ہے۔

مجموعۂ کلام میں مسلسل اور مربوط انداز کا کلام اپنی انفرادیت سے قاری کو قافیہ پیمائی کی سنگلاخ وادی سے روشناس نہیں کراتا بلکہ اعلیٰ تخیلاتی غنائیت ولطیف نکتہ آفرینی کے حسنِ لازوال سے ہمکنار کرنے کا اہتمام گر ہے، حسرت کی طرح عشقیہ تصورات میں جذبہ کی پاکیزگی کے ساتھ گہرائی اور گیرائی بھی ملتی ہے، غمِ جاناں اور سیاسی و معاشرتی تقاضے کلام میں فلسفیانہ فکری اُپج کی نشاندہی کر رہے ہیں۔

غرض دلفریبیٔ کلام اور مضمون آفرینی نے غزل کی خوابیدہ روح کو بیدار کر دیا ہے، یعنی بساطِ شعروادب پر پُرسوز اور دردمند دل کی آواز کو شگفتہ و اثر انگیز اُسلوبِ سخن آراستہ کر کے قدیم و جدید نظامِ فکر کے تقاضوں کے عین مطابق عہدِ حاضر کے پیچیدہ سماجی مسائل کا احاطہ کرتے ہوئے حسنِ غزل کو نہ صرف دوآتشہ کیا ہے بلکہ فنی مہارت اور اُستادانہ چابک دستی سے اسے حیاتِ نوبخش دی ہے۔

یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ ’روحِ سخن‘ اربابِ نقد ونظر سے بھرپور خراجِ تحسین حاصل کرے گی، میں اس دلپذیر مجموعۂ کلام کی اشاعت پر جناب ڈاکٹر احمد علی برقیؔ اعظمی کو نیک خواہشات اور مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ میری دعا ہے کہ یہ کتاب اس شاعرِ پرخلوص اور نہایت ہی نیک دل انسان کے لیے ”برقیات“ کے باب میں ہزاروں نئ کامیابیوں کا م پیش خیمہ ثابت ہو۔ آمین

○○

ـــ مظفر احمد مظفر

انگلینڈ

احمد علی برقیؔ اعظمی اور اُن کی شاعری

ڈاکٹر احمد علی برقیؔ اعظمی کی سحرانگیز شخصیت ایسی ہے کہ جو بھی ان سے ایک دفعہ مل لے ان کا گرویدہ ہوجاتا ہے۔ ان سے پہلی ملاقات آل انڈیا ریڈیو میں مدن کے چائے خانے پر ہوئی تھی۔ شاید صبح کے سوا چھ بج رہے تھے۔ ان دنوں میں وہاں اُردو یونٹ میں Casual News Reader تھا۔ میرے یونٹ کے ایک سینئر ساتھی نے ان سے میرا تعارف کرایا۔ انھوں نے میری تعلیم کے متعلق پوچھا۔ میں نے جے۔ این۔ یو۔ کا نام لیا تو انھوں نے فرطِ مسرت سے گلے لگا لیا اور کہا کہ میں بھی جے۔ این۔ یو۔ کا طالب علم ہوں۔ انھوں نے اپنے تعلیمی دور کے کئی قصے بھی سنائے۔ مجھے اس دن ذرا بھی اندازہ نہیں تھا کہ یہ عام سا نظر آنے والا سادگی پسند شخص مشہور و معروف شاعر برقیؔ اعظمی ہے۔ جو اپنے انداز و اظہار کا یکتا شاعر ہے۔ ان سے بعد میں بھی لگاتار ملاقاتیں ہوتی رہیں اور ان کے شاعرانہ جوہر مجھ پر آشکارا ہونے لگے۔

احمد علی برقیؔ اعظمی کو موجودہ دور میں بلاشبہ عہد ساز شاعر کی حیثیت حاصل ہے۔ ان کی شاعری میں جہاں جدید شاعری کا عکس نظر آتا ہے وہیں کلاسیکی نقوش بھی واضح طور پر موجود ہیں۔ میرے خیال میں موجودہ عہد میں یہ واحد ایسے شاعر ہیں جو کسی بھی موضوع پر یا کسی بھی موقع محل کی مناسبت سے فی البدیہہ اشعار وضع کرسکتے ہیں۔ موضوعاتی شاعری اور مصرع طرح پر شعر موزوں کرنا بے حد مشکل کام ہے اور اس میں شاعر کو

شاعری کے فن سے انصاف کرنے میں مشکل پیش آتی ہے لیکن احمد علی برقی اس معاملے میں قابلِ تعریف ہیں کہ ان کی شاعری فن کی سطح پر بھی کھری اترتی ہے۔

برقیؔ اعظمی کو شاعری اپنے والد رحمت الٰہی برقؔ اعظمی سے ورثے میں ملی ہے جو خود بھی بڑے شاعر تھے۔ برقیؔ اعظمی اُردو کے ساتھ ساتھ فارسی پر بھی دسترس رکھتے ہیں اور فارسی میں بھی عمدہ شاعری کرتے ہیں۔ ان کے اشعار میں ایک خاص ندرت و جدت نظر آتی ہے۔ موضوع کلام، بحور و قوافی، موضوع و خیالات، منظر نگاری، تشبیہات و استعارات کا عمدہ استعمال ان کی شاعری کو انفرادی حیثیت دیتا ہے۔ اوزان اور بحور کے انتخاب میں بالغ نظری اور فنی پختگی بدرجہ اتم موجود ہے۔ ان کے اشعار ان کی قادرالکلامی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ عصری میلانات، نئی تازگی، والہانہ پن، سلاست روانی، الفاظ کا در و بست، اسلوب کی تازہ کاری وغیرہ ان کی شاعری کے امتیازی جوہر ہیں۔ شعر کو سنوارنے اور اسے خوبصورتی عطا کرنے کا بے مثال فن انھیں آتا ہے۔

وہ ایک سدابہار اور ہمہ جہت تخلیق کار ہیں۔ برقیؔ اعظمی کو نہ صرف شعر و ادب کی تمام اصناف حمد، نعت، قصیدہ، منقبت، غزل، نظم وغیرہ پر دسترس حاصل ہے بلکہ آج وہ شاید واحد شاعر ہیں جو انٹرنیٹ اور سوشل سائٹس کی مدد سے دُنیا کے مختلف حصوں میں معروف و مقبول ہیں۔ انٹرنیٹ پر مختلف ادبی گروپوں کے ممبر ہیں۔ سائبر مشاعرے منعقد کرتے ہیں اور جدید ٹکنالوجی کی مدد سے تمام احباب و سخن شناس ان کے اشعار و قطعات سے فیضیاب ہوتے رہتے ہیں۔

انھوں نے موضوعاتی شاعری کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا ہے۔ عظیم شخصیات کو منظوم خراجِ عقیدت پیش کرنا ہو، کسی خاص دن پر شعر کہنا ہو، کوئی تہوار ہو، کوئی حادثہ، واقعہ ہو، کسی رسالے کا خاص شمارہ ہو، کوئی کتاب ہو، انھوں نے سبھی کو اپنے منظوم کلام میں سمو کر دوام عطا کیا ہے۔

ان کے مجموعہ کلام ''روحِ سخن'' میں حمد و نعت، غزلیں اور یادِ رفتگاں کے عنوان

کے تحت آرزو لکھنوی، علامہ اقبال، اصغر گونڈوی، فیض احمد فیض، ابن صفی، ابن انشا، مجاز، کیفی، مجروح وغیرہ شعرا و ادبا پر منظوم خراجِ عقیدت بھی شامل ہے۔ اس کے علاوہ کچھ فارسی کلام بھی شامل ہیں۔ ''روحِ سخن'' کا سرسری طور پر مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوا کہ ان کے کلام میں روایتی و قدیم شاعری کا عکس موجود ہے۔ یہی نہیں بلکہ کچھ اشعار تو ایسے ہیں جو ضرب المثل کی حیثیت رکھتے ہیں اور کئی دنوں تک ذہن میں گونجتے رہیں گے۔ ملاحظہ ہو......

کیا ملے گا اُجاڑ کر تم کو
دل کی دُنیا مرے بسی ہے ابھی

سکونِ قلب کسی کو نہیں میسر آج
شکستِ خواب ہے ہر شخص کا مقصد آج

کچھ نہ آئی کام میری اشک باری ہجر میں
سو صفر جوڑے مگر برقی نتیجہ تھا صفر

وہ تو کہیے آ گیا احوال پرسی کے لیے
ورنہ اس کا ہجر تھا صبر آزما میرے لیے

رزم گاہِ زیست میں ہر گام پر خود سر ملے
راہزن تھے قافلے میں مجھ کو جو رہبر ملے

عمر بھر جن کو سمجھتا تھا میں اپنا خیرخواہ
آستینوں میں انھیں کی ایک دن خنجر ملے

المختصر یہ کہ احمد علی برقی اعظمی موجودہ عہد کے ایک باصلاحیت اور باکمال شاعر ہیں۔ ''روحِ سخن'' کی اشاعت پر ڈھیر ساری مبارکباد، اُمید ہے کہ ان کا یہ مجموعہ کلام اُردو ادب میں بے پناہ مقبولیت حاصل کرے گا اور اُردو ادب کے ناقدین بھی اس عظیم شاعر کی جانب مزید توجہ دیں گے۔

○○

عبدالحیٔ

اسسٹنٹ ایڈیٹر، اُردو دُنیا،
''فکر و تحقیق'' اور ''بچوں کی دُنیا''
قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان، نئی دہلی

تحسین و تبریک

ڈاکٹر احمد علی برقیؔ اعظمی دہلی کے نامور، زودگو اور قادرالکلام شاعر ہیں۔ اگرچہ اُن کی شہرت و مقبولیت دلّی تک محدود ہے، دلّی ہی کی شعری و ادبی محفلوں میں وہ شریک ہوتے ہیں اور دلّی ہی اُن کا منصبی دائرۂ عمل بھی ہے، لیکن رسائل و جرائد میں آئے دن چھپتے رہنے اور انٹرنیٹ کی علمی و ادبی سرگرمیوں سے مسلسل وابستگی نے اُنھیں عالمی شہرت و ہردلعزیزی عطا کردی ہے۔

جناب برقیؔ اعظمی اُردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعرگوئی کی بھرپور قدرت رکھتے ہیں۔ انھوں نے شعر وادب سے غیر مشروط وابستگی، مسلسل مشق و ممارست اور غیر معمولی محنت و توجہ کی وجہ سے شعرگوئی کو اپنے لئے نہایت آسان بنا لیا ہے۔ وہ جب اور جس موضوع پر چاہیں، نظم لکھ سکتے ہیں او رجس سخت سے سخت طرحی مصرعے پر چاہیں، غزل کہہ سکتے ہیں۔ بلکہ بعض اوقات تو طرحی مصرعوں پر دوغزلہ اور سہ غزلہ کا بھی انکشاف ہوا ہے۔ میں سمجھتا ہوں اُنھیں یہ چیز اُن کے والدِ محترم، استادالشعراء حضرت برقؔ اعظمی سے ورثے میں ملی ہے، جو دبستانِ داغؔ دہلوی سے بھی تعلق رکھتے تھے اور دبستانِ ناسخؔ لکھنوی سے بھی۔ دونوں ہی دبستانوں کی کارفرمائی اُن کے اشعار میں ملتی ہے۔ وہ اپنے عہد کے جیّد اساتذۂ فن میں شمار ہوتے تھے۔ دیارِ شبلیؔ و شفیقؔ کے درجنوں شعراء اُن کے دامنِ فیضؔ سے وابستہ تھے۔ میں بھی اُن کے نیازمندوں میں رہا

ہوں، متعدد بار خط و کتابت کا بھی سلسلہ رہا۔

زیرِ نظر کتاب ''روحِ سخن'' جناب برقیؔ اعظمی کی غزلوں کا مجموعہ ہے۔ اس میں وہ غزلیں بھی ہیں جو انھوں نے دلّی یا بیرونِ دلّی کی ادبی انجمنوں اور بزموں کی طرف سے دیئے گئے مصرعہ ہائے طرح پر کہیں اور وہ بھی جو انھوں نے اپنے ذوق و طبیعت کے مطابق یا مشقِ سخن کے طور پر کہیں۔ اِن میں بڑی تعداد غالبؔ کی ہم طرح غزلوں کی ہے۔ جہاں انھوں نے غالبؔ کے مصرعوں پر کہا ہے، لفظیات سے بادی النظر میں قاری کو یہی گمان ہوتا ہے کہ وہ غالبؔ کی غزل پڑھ رہا ہے......

آشوبِ روزگار سے دامن دریدہ ہوں
گلزارِ زندگی کا گُلِ نارسیدہ ہوں
ناگفتنی ہے گردشِ دوراں کی شرحِ حال
سنتا نہیں جسے کوئی وہ ناشنیدہ ہوں

جناب برقیؔ اعظمی نئے عہد کے شاعر ہیں اور پوری تعلیم بھی یونیورسٹیوں اور کالجوں میں ہوئی ہے، لیکن اُن کی علمی و ادبی تربیت کچھ ایسی ہوئی ہے کہ وہ کسی بھی سطح پر اپنی تہذیب و روایت سے دامن کش نہیں ہوتے۔ اُن کی غزلوں میں ہمیں وہی رنگ وآہنگ ملتا ہے جو داغؔ اور ناسخؔ کے دبستانوں کی شناخت تصور کیا جاتا ہے۔ بلاشبہ یہ سب اُن کے استاذ و مربی حضر برقؔ اعظمی کے فیضِ تربیت کا اثر ہے۔ جب ہم روحِ سخن میں اس قسم کے اشار دیکھتے ہیں تو دامنِ دل کھنچتا ہوا محسوس ہوتا ہے اور ایک عجیب قسم کا کیف و سرور حاصل ہوتا ہے......

نقاب میں ہے اسے کیسے بے نقاب کروں
میں اُس کے جُرم کا کس طرح احتساب کروں

فضا تمام معطر ہوئی گلستاں کی
جدھر وہ کھول کے گیسوئے مُشکبار چلے

دیارِ شوق میں اپنا عجیب عالم تھا
کہ باربار گرے، اُٹھ کے بار بار چلے

شعار اس کا ہمیشہ کر کے وعدہ بھول جانا ہے
کبھی کوئی بہانہ ہے، کبھی کوئی بہانہ ہے

کروں کب تک میں آخر اس کی یوں ہی ناز برداری
ابھی آیا ہے میرے پاس اور کہتا ہے جانا ہے

میں ظلم و جور کا کس طرح سدِ باب کروں
جواب دے کے اُسے کیسے لاجواب کروں

جو ہونا ہوگا، وہ ہو جائے گا بفضلِ خدا
میں اپنی نیند کو بے وجہ کیوں خراب کروں

بات جو اُن کے حُسن کی بزمِ سخن میں چل گئی
میری جو کیفیت تھی وہ میری غزل میں ڈھل گئی

ہمیں ایک دوسرے پر اگر اعتبار ہوتا
مجھے اُس سے پیار ہوتا، اُسے مجھ سے پیار ہوتا

اگر اس کا علم ہوتا ہے شکار گاہ دُنیا
میں فریبِ رنگ و بو کا نہ کبھی شکار ہوتا

میں نے اختصار کا خیال رکھتے ہوئے، کسی خاص انتخاب کے بغیر اِدھر اُدھر سے سے یہ چند اشعار نقل کر دیئے۔ آپ دیکھیں گے کہ اِن میں زبان و بیان کا رکھ رکھاؤ بھی ہے اور فنی و عروضی چابکدستی بھی، فکر و تخیّل کی بلندی بھی ہے اور لہجہ و اسلوب کی

شائستگی بھی اور غزل کی روایت کی پاسداری کے ساتھ ساتھ اساتذہ کی سی معاملہ بندی بھی۔ یہی انداز اور یہی رنگ و آہنگ اُن کی تمام غزلوں میں ہے۔ کہیں سے بھی دیکھئے ہر غزل کا معیار یکساں ہے۔ ہر شعر ''کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجاست'' کا مظہر ہے۔ یہی ایک اچھے فنکار کا کمال ہے۔

جناب برقیؔ اعظمی میرے ممدوح زادے ہیں، وہ مجھے ہمیشہ عزیز ہیں۔ اُن کی سخنوری میں مجھے ہمیشہ دلچسپی رہی ہے۔ میں انھیں اُن کے عظیم والد حضرت رحمت الٰہی برقؔ اعظمی کا حقیقی وارث بھی سمجھتا ہوں اور اُن کا شعری و فنی جانشین بھی۔ مجھے یقین ہے کہ اُن کا یہ شعری سفر اسی طرح جاری رہے گا اور وہ اپنی صلاحیت اور ذہانت سے اس راہ میں خوب سے خوب تر کارنامے انجام دیتے رہیں گے۔ میں ''روحِ سخن'' کی اشاعت پر اُنہیں تہہِ دل سے مبارکباد پیش کرتا ہوں، اگلے مجموعے کا منتظر بھی ہوں۔

○○

— ڈاکٹر تابشؔ مہدی

برقیؔ اعظمی میری نظر میں

اعظم گڑھ کا شعری اُفق جن شعراء کی بدولت مطلع انوار بنا، اُن میں ایک اہم نام جناب رحمت الٰہی برقؔ اعظمی کا ہے۔ ان کی حیثیت محض ایک پرگو، قادرالکلام اور اعلیٰ پایہ کے قصیدہ گو اور بلندرتبہ غزل گو ہی کی نہیں بلکہ اصلاً وہ ایک دبستان تھے۔ جس موضوع اور جس صنف سخن میں جب چاہتے، اشعار کی جھڑی لگا دیتے۔

برقؔ صاحب کی شعری کائنات میں ایسے اشعار، قطعات اور نعتیں بھی ہیں جن میں کسی میں لب سے لب نہیں ملتے تو کسی میں وہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں جن میں محض نیچے یا اوپر نقوط ہیں، اسی طرح ان کی ایک ایسی تخلیق بھی ہے جس میں مصرعہ اوّل سے مصرعہ آخر، دائیں بائیں کہیں سے آخر کے حروف ملائے جائیں تو صلو علیہ و آلہ برآمد ہوتا ہے۔ یہ سخنوری نہیں اقلیم سخن پر کشور کشائی ہے اور یہی وہ وراثت ہے جو ہمارے فاضل دوست ڈاکٹر احمد علی برقیؔ اعظمی کے حصے میں آئی ہے۔

ڈاکٹر احمد علی برقیؔ گزشتہ ۳۵؍برسوں سے اس طرح دادِ سخن دے رہے ہیں گویا دُنیا میں شاعری، سخنوری اور سخن آفرینی سے بڑھ کر کوئی اور چیز نہیں، اسے ہم ڈاکٹر احمد علی برقیؔ کی فطری طبع کا نام بھی دے سکتے ہیں، گویا وہ فطری شاعری ہیں۔ اپنے والد برقؔ اعظمی کی طرح یہ بھی بڑے زود گو بلکہ پرگو ہیں اور نت نئے موضوعات پر طبع آزمائی کرتے رہتے ہیں۔ گزشتہ کئی برسوں سے وہ موضوعاتی شاعری کررہے ہیں۔ اس میں ان کے دو طرح کے اشعار خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ایک انہوں نے ادبا و شعرا اور ممتاز اہل قلم کی نگارشات کے تعارف و تحسین کو اپنے اشعار کا عنوان قرار دیا

ہے اور دوسرے وہ جو اس سے بھی زیادہ اہم ہے، وہ ہے شخصی شاعری ہے۔ اُردو ادب کے گزشتہ اور موجودہ ارباب کمال کی شخصیت اور شاعری پر انہوں نے جو نظمیں کہی ہیں یا انہیں جو منظوم خراج عقیدت پیش کیا ہے گو اس سے پہلے بھی بعض شعرا نے اس میدان میں طبع آزمائی کی ہے مگر ان کی حیثیت کبھی کبھی اٹھنے والی موج دریا سے زیادہ نہیں۔ لیکن ڈاکٹر احمد علی برقیؔ صاحب نے اس میدان میں ایک تلاطم پیدا کر دیا ہے اور بلاشبہ سیکڑوں ادیب، شاعر، نقاد، مصنّفین اور محققین کی شخصیت کو اپنی شاعری کے سانچے میں ڈھال کر اُردو ادب میں ایک خوبصورت باب کا اضافہ کیا ہے۔ اسے ہم تاریخ ادب اُردو منظوم کا نام بھی دے سکتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ ڈاکٹر برقیؔ صاحب کی موضوعاتی شاعری کو یکجا شائع کیا جائے تاکہ وہ انٹرنیٹ کی دُنیا سے ہٹ کر ان اہل نظر تک پہنچیں جن کی انٹرنٹ تک رسائی نہیں ہے۔

ڈاکٹر احمد علی برقیؔ اعظمی نئی نسل کے اُن ممتاز شعراء میں ہیں جنہوں نے اُردو وفارسی، دونوں زبانوں میں اور مختلف اصناف میں دادِ سخن دی ہے۔ خاص طور سے ان کی اُردو کی غزلیہ شاعری میں جدید انداز اور کلاسیکل فضا نے ایک نئی روح پیدا کی ہے اور اسے انہوں نے بجا طور پر ''روحِ سخن'' کا نام دیا ہے۔

''روحِ سخن'' ڈاکٹر احمد علی برقیؔ اعظمی کی غزلوں کا پہلا مجموعہ ہے۔ یہ غزلیں مختلف حالات اور مختلف زبانوں میں کہی گئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں عصری حسیت کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ غزل کے روایتی عناصر سے بنے غزل کے ہیولے میں عصری حسیت، قدیم شعراء کی بعض مشہور زمینوں میں ان کی غزلیں آسمان پر روشن ستارے کے مانند چمک و دمک بکھیر رہی ہیں۔ یقین ہے کہ ''روحِ سخن'' روح کی بالیدگی میں معاون ہوں گی۔

''روحِ سخن'' کی اشاعت پر ہم ڈاکٹر احمد علی کو دلی مبارکباد پیش کرتے ہیں اور دعا گو ہیں کہ جلد از جلد ان کے دوسرے مجموعہ ہائے نظم وغزل کی اشاعت کا سامان ہوجائے۔

○○

— ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی

ایک ہمہ جہت شخص، ایک بے مثال فنکار

غالباً ۲۰۰۷ء کی بات ہے ،اُردو بندھن ڈاٹ کام (جدّہ ،سعودی عربیہ) کے ناظمِ اعلیٰ جناب سالم باشوار صاحب نے گو کہ پہلی بار کال کی تھی ،لیکن یہ پہلی کال ہونے کے باوجود پہلی کال نظر نہیں آتی تھی، کیونکہ صاحبِ اُردو بندھن نے اپنی پہلی ہی کال میں ہم سے اِتنی طویل گفتگو فرمائی تھی، کہ گمان ہوتا تھا جیسے وہ ہم سے زمانۂ دراز سے رفاقت کے بندھن میں بندھے ہوئے ہوں۔گفتگو کا موضوع تھا:صرف اور صرف ’’اُردو اور اِس کا فروغ‘‘۔ دراصل سالم باشوار صاحب کا شمار اُردو کے اُن عشاق میں ہوتا ہے، جنھوں نے انٹرنیٹ پرخدمتِ زبان و ادب کی قسم کھا رکھی ہے۔ یہ وہ احباب ہیں جن کی خدماتِ اُردو کا ثانی بڑی مشکل سے ملتا ہے۔جب فیس بک سے لوگ ابھی مانوس بھی نہیں تھے، جیسا کہ آج نظر آتے ہیں، تبھی سے سالم باشوار صاحب نے بڑے اہتمام کے ساتھ اُردو بندھن ڈاٹ کام کے نام سے ایک عالمی محفل شعر و سخن کی سجا رکھی تھی ، جہاں شعراء جوق در جوق حاضری دیتے، کلام پوسٹ کرتے اور اِس طرح داد و تحسین کا دوطرفہ دَورگرم رہتا، جو آج بھی جاری ہے۔اِس سائٹ پر ہماری شعری تخلیقات کے علاوہ ہماری نثر بھی شائع ہونے لگی۔ سالم صاحب ہماری نثر نگاری سے بہت متاثر تھے اور یہی شئے اُن کے مذکورہ کال کا محرک بنی تھی۔چونکہ ہم بھی اِسی سائٹ کے ذریعہ انٹرنیٹ پر نئے نئے وارد ہوئے تھے، تو نئے میڈیا کے آداب سے ابھی ناواقف ہی تھے، چنانچہ اُردو بندھن پر’’مصروفِ شعر وسخن فنکاروں‘‘ سے ہمیں زیادہ

واقف ہونے کا موقع نہیں ملا تھا۔سالم بھائی نے اپنی پہلی گفتگو کے دوران ہمیں سب سے پہلے جس شخصیت سے متعارف کرایا تھا اُن کا نام تھا...... احمد علی برقیؔ اعظمی۔ موصوف کے فون نمبر سے بھی سالم بھائی نے یہ کہتے ہوئے واقف کرایا تھا کہ ہم اُن سے رابطہ کریں۔لیکن ہم یہ دیکھ کر حیران رہ گیے تھے کہ ہم سے پہلے ہی برقی صاحب نے فون پر ہم سے رابطہ کیا تھا اور First Impression is The Last Impression کی وہ کیفیت پیدا کر دی تھی کہ فی الواقع پہلی ہی ملاقات میں ہم اُن کے گرویدہ ہوگیے تھے، اور یہ گرویدگی اور یہ Imprassion تا حال برقرار ہے اور اِنشاء اللہ جب تک جان رہے گی، رفاقت کا یہ تعلق برقرار رہے گا۔پہلی ہی ٹیلیفونک گفتگو میں ہمیں یہ احساس ہوگیا تھا کہ ایک نہایت ہی نفیس انسان ہمارے حلقۂ احباب کا حصہ بن گیا ہے اور جس کی رفاقت پر بجا طور پر ناز کیا جاسکتا ہے۔

۲۰۱۰ء کے اوائل میں’’مشرقی ادیان اور اِسلام‘‘ کے موضوع پر دہلی میں ایک عالمی کانفرنس منعقد ہوئی تھی،جس میں ہم نے بھی اپنا مقالہ پیش کیا تھا۔ اِس موقع پر وہ ہماری قیام گاہ پرتشریف لائے اور یہی ہماری پہلی ملاقات تھی اور جب تک دہلی میں ہمارا قیام رہا، اُن سے ملاقاتیں اور گفتگوئیں ہوتی رہیں۔ وہ اپنے دولت کدے پر بھی لے گئے، اپنی کتابیں عنایت کیں اور ہماری خوب مہمان نوازی فرمائی۔ اِس سارے عرصے میں اُن کی یادوں کا جو پیکر قلب و ذہن میں اُتر آیا تھا، وہ بالکل وہی تھا جو ملاقات سے پہلے بنا ہوا تھا۔یعنی ایک شریف النفس انسان کا پیکر، جو اُس تصوّری پیکر کے عین مطابق تھا جو ہمارے مذکورہ پہلے Impression کے وقت وجود میں آیا تھا۔ اُن کے مزاج کی سادگی اور اُن کے محبانہ سلوک کی گرمی کو قریب سے محسوس کرنے کا موقع ملا۔اُن کی عطا کردہ کتابوں میں اُن کے والدِ محترم کا ضخیم مجموعۂ کلام بھی تھا، جسے دیکھ کر بے ساختہ علامہ اِقبالؔ علیہ رحمہ کا یہ شعر ہماری زبان پر جاری ہوگیا......

باپ کا علم نہ بیٹے کو اگر ازبر ہو
پھر پسر وارثِ میراثِ پدر کیوں کر ہو

......اور تب کہیں جا کر اُن کی زبان دانی اور زود گوئی، کئی زبانوں پر اُن کا عبور، خصوصاً فارسی زبان سے اُن کا شغف، اُن کی متنوع شعری اور ادبی مصروفیتوں کے راز پر سے پردہ اُٹھ گیا اور یہ حقیقت کھل کر سامنے آ گئی کہ ایک باکمال بیٹا اپنی فنکارانہ صلاحیتوں کے ذریعہ ایک ذی مرتبت فنکار باپ کی فکری و علمی وراثت کی ہر شق کو ازبر کیے ہوئے، اُن کی روایتوں کا پاسدار اور میراث پدر کا وارث بنا ہوا ہے، اور چونکہ وہ خود بھی بے پناہ شعری صلاحیتوں سے نوازا گیا ہے۔ چنانچہ اُس کی شعری و علمی گل افشانیاں محض اُس کے ذاتی تسکین کا سامان ہرگز نہیں ہیں، بلکہ وہ اِسی علمی و ادبی وراثت کو آگے بڑھانے میں مصروف ہے۔ دریں اثنا انٹرنیٹ کے لیے اُن کا مثبت Aptitude یا رجحان وہ کام کر گیا کہ حضرت برقیؔ، برقی لہروں کے دوش پر سوار ہو کر مذکورہ وراثت کے ساتھ دُنیا کے اُن گوشوں میں پہنچ گئے، جہاں اُردو ادب کی شمعیں اِن ہی روایات کے اُجالے پھیلانے میں مصروف ہیں اور برقیؔ صاحب جیسے صاحب فکر و فن کے استقبال کے لیے آنکھیں بچھائے کھڑی ہیں۔

جہاں تک اُن کی فکری جولانگاہ اور اِس کی وسعت کی بات ہے، تو جیسا کہ ہم نے عرض کیا، اِس کا دائرہ عالمی سطح تک پھیل گیا ہے اور فکر و فن کی مختلف جہتوں کے ساتھ وہ مصروفِ سخن نظر آتے ہیں۔ آج دُنیا کی کوئی معروف آن لائن انجمن ایسی نہیں جہاں حضرتِ برقیؔ کی برق رفتار شاعری کی رسائی نہ ہوئی ہو۔ ایک طرف وہ ہر صنفِ سخن میں اپنی تخلیقیت کے کامیاب تجربے کرتے ہیں، تو دوسری طرف تازہ تخلیقات کو معرضِ وجود میں لانے کا کوئی موقع وہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ مثلاً کسی انجمن پر کسی مصرعِ طرح کا اعلان ہوتا ہے تو سب سے پہلی غزل برق رفتاری کے ساتھ کسی کی پہنچتی ہے تو وہ حضرتِ برقیؔ کی ہی ہوتی ہے۔ کسی کتاب کی تقریبِ رونمائی ہو، کسی کتاب کا اجراء ہو رہا ہو تو برقیؔ صاحب کی رگِ سخن پھڑک جاتی ہے اور کم از کم ۷/ شعروں پر مشتمل منظوم خراج تحسین پیش کر ہی دیتے ہیں۔ خود بھی خوش ہوتے ہیں اور اپنے ممدوح کو بھی بے شمار خوشیاں عطا کر جاتے ہیں۔

''یادِ رفتگان'' کے ذیل میں تو اُنھوں نے وہ کارنامہ انجام دیا ہے کہ مرحومین کی روحیں تک فرحت محسوس کرتی ہوں گی۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اِس ضمن میں اُنھوں نے قابلِ قدر و قابل تقلید مثالیں قائم کی ہیں۔ شعراء اور ادباء سمیت زندگی کے مختلف میدانوں میں مصروف مختلف Celebrities کی رحلت پر وہ ملول ہو اُٹھتے ہیں اور جب تک اُن پر تعزیتی نظم نہیں کہہ لیتے اُنھیں چین نہیں آتا۔ ایسا کرتے ہوئے وہ کسی قسم کی ذہنی تحفظات Bias کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے ہر قسم کی شخصیت کو اپنا موضوعِ سخن بناتے ہیں۔ ایک طرف علامہ اِقبالؔ پر شعر کہتے ہیں تو دوسری طرف فلمی اداکار راجیش کھنہ کو بھی اپنے شعروں کا موضوع بناتے ہوئے کسی قسم کا تامل محسوس نہیں فرماتے۔

اِس سے نہ صرف اُن کی بے پناہ دردمندیٔ اِنسانیت کا اِظہار ہوتا ہے، بلکہ وہ آرٹ اور فن کی دُنیا کے ہر فرد کے لیے اپنے دل میں قدردانی کے حقیقی جذبات کی پرورش کرتے نظر آتے ہیں۔ وہ اِنسانیت نواز شاعر ہیں اور یہی اِنسانیت نوازی اُنھیں مولانا الطاف حسین حالیؔ کے ساتھ ایم۔ ایف۔ حسین جیسے کسی مصور پر بھی شعر کہنے سے کبھی روک نہیں پاتی ہے۔ دراصل اِس کے لیے بڑی اعلیٰ ظرفی کی ضرورت ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے اِس ظرفِ عالی سے برقیؔ صاحب کو خوب نوازا ہے۔ ایک ایسے زمانے میں جب ایک شاعر دوسرے شاعر کی ٹانگ کھینچنے سے کبھی نہیں ہچکچاتا، دوسروں کی شاعری کو ہدفِ ملامت بنانے سے ذرہ برابر نہیں چوکتا، اور صرف خود کو لوگوں کی توجہ کا مرکز بنانے کی فکر میں لگا رہتا ہے، ایسے میں برقیؔ صاحب جیسے اِنسان دوست شاعر کا وجود بسا غنیمت ہے، اور اِن کا یہ طرزِ عمل قابلِ ستائش ہی نہیں بلکہ قابلِ تقلید بھی ہے۔

یہ برقیؔ صاحب ہی کا ظرف ہے کہ وہ ایک طرف وہ فراقؔ گورکھپوری، نظیرؔ اکبرآبادی، ابن انشاء، اِظہارؔ اثر، علامہ اِقبالؔ، امیر خسروؔ، آرزوؔ لکھنوی، حفیظؔ میرٹھی، احمد فرازؔ، رحمت اِلٰہی برقؔ اعظمی، اصغرؔ گونڈوی، ناصر کاظمی، جوشؔ ملیح آبادی، دلاور فگارؔ، حسرتؔ موہانی، میر تقی میرؔ، مظہر اِمام، راغبؔ مرادآبادی، صباؔ اکبرآبادی،

عمر خیاؔم، عزم بہزاد، خواجہ الطاف حسین حاؔلی، مرزا غالبؔ، جیسے شعراء کو بعد از مرگ اپنا منظوم خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں، تو دوسری جانب فلمی شعراء جیسے کیفؔ بھوپالی، کیفؔی اعظمی، مجؔروح سلطان پوری پر نظمیں کہہ کر ہمارے متذکرہ دعوؤں کا ثبوت پیش فرماتے ہیں۔ پھر یہ کہ وہ صرف شعر و سخن اور علم و ادب ہی کے میدانوں میں کام کرنے والوں کو یاد نہیں کرتے، بلکہ زندگی کے ہر میدان میں اپنی اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوانے والے ''فنکاران مرحومین'' پر اُن کی موت پر منظوم شعری عقیدت کا اِظہار کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ فلمی اداکاروں، موسیقاروں، مصوروں اور غزل گائیکی کے شہسواروں کو بھی اپنی منظومات کا نذرانہ پیش کرتے ہیں، جیسے نوشاد علی، جانی واکر، راجیش کھنہ، محمد رفیع، جگجیت سنگھ، مہدی حسن، مقبول فدا حسین، منصور علی خان پٹودی۔ ہمارے بزرگ شعراء کو بھی وہ بھولتے نہیں ہیں، جیسے اسرار الحق مجاؔز، بابائے اُردو عبدالحق، پروفیسر مغنی تبسم، میر انیسؔ، مظفر رزمیؔ، مظفر وارثی، شہید اُردو نرائن پانڈے، پروفیسر وہاب اشرفی وغیرہ۔ یہاں تک کہ پڑوسی ملک پاکستان کے فنکاران معین اختر، پروین شاکر، مقبول صابری قوال، فیض احمد فیضؔ کو بھی یاد رکھتے ہیں۔ اِن کے علاوہ منشی پریم چند، نوحؔ ناروی، پروفیسر امیر حسن عابدی، ابوالکلام آزاد، امام غزالی، شبلؔی نعمانی، سر سیّد احمد خان، سیّد صادقین نقوی، سعادت حسن منٹو، رضیہ بٹ، ہاجرہ مسرور، حکیم اجمل خان صاحب، مولانا انیس احمد اصلاحی، حیدر علی ریاستِ میسور کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے ثابت کرتے ہیں کہ وہ وسیع الظرفی کی عظیم نعمتِ خداوندی سے نوازے گئے ہیں۔

وہ کسی کی ستائش بھی کرتے ہیں تو بہ زبانِ شعر کرتے ہیں۔ میں تو کہتا ہوں کہ اُن کی نس نس میں شاعری بھری ہوئی ہے۔ اُن کی رگِ سخن وقفے وقفے سے نہیں پھڑکتی، بلکہ وہ مسلسل حالتِ اِرتعاش میں رہتی ہے۔ پھر اُن کے مزاج کا یہ پہلو بھی نہایت شاندار ہے کہ اُنہوں نے کبھی کسی پر تنقید نہیں کی۔ نہ کسی فنکار کو دُکھ پہنچایا۔ ہر فنکار کا احترام کیا اور ستائش ہی سے نوازا۔ کسی کی تخلیق پر کمنٹس بھی دیے تو دل کھول کر

تعریف کے ساتھ ہی دیے۔

ہم نمونۃً اُن کے کچھ تعزیتی شعر پیش کرتے ہیں۔ نشتؔر خیر آبادی کے بارے میں جو نظم کہی، اُس کے یہ شعر ملاحظہ ہوں......

بادۂ عرفاں سے ہے سرشار اِن کی شاعری
رنگ میں ہے اُن کے فکر و فن کا دلکش اہتمام
اُن کی غزلیں بخشتی ہیں ذہن کو اک تازگی
دیتی ہیں وہ اہلِ دِل کو بادۂ عرفاں کا جام

مشتاق احمد یوسفی

اُردو ادب کو اُن پہ ہمیشہ رہے گا ناز
اُن کی نگارشات ہیں عالم میں انتخاب
گلہائے رنگا رنگ کی خوشبو سے جا بجا
ہے گلشنِ ادب میں معطر ہر اک کتاب

فرمان فتح پوری کی موت پر یہ شعر کہے......

ممتاز ہیں اُردو میں سب اُن کے ادب پارے
اس دور کی تھے عظمت فرمان فتحپوری
آیا ہے یہاں جو بھی جانا ہے اُسے برقؔی
کیوں کرتے نہ پھر رحلت فرمان فتحپوری

کیفیتِ آمد سے مملو اِن اشعار سے یہ اندازہ کرنا کچھ مشکل نہیں کہ وہ ایسے شعر رسماً نہیں کہتے بلکہ اِن میں مکمل فنکارانہ خلوص کارفرما ہوتا ہے۔ بلاشبہ برقؔی صاحب ایک زُود گو شاعر ہیں۔ اِن کا بس چلے تو گفتگو بھی شاعری میں کریں گے۔ بس کیوں نہیں چلے گا، بس تو ضرور چلے گا، لیکن اُن کا ساتھ دینے کے لیے اُن کا ہم پلہ اور زود گو شاعر کہاں سے آئے گا؟ اُن کی طرحی غزلوں، فی البدیہہ نعتوں، مختلف

تہواروں، تاریخی ایام کے سلسلے میں اُن کی منظومات کا ایک دفتر ہے جو انٹرنیٹ پر دستیاب ہے۔ چونکہ وہ فارسی، اُردو اور انگریزی زبانوں پر مہارت رکھتے ہیں، اِس لیے اُنہوں نے منظوم تراجم بھی دُنیائے ادب کی خدمت میں پیش کیے ہیں۔ تعجب ہوتا ہے کہ اِس قدر شریف النفس شاعر وادیب اِس دورِ بے ضمیر میں پیدا کیسے ہوا کہ اِتنی زبردست صلاحیتوں کے باوجود وہ اپنی سادہ مزاجی کے حوالے سے ایک لمحے کو بھی کسی کو یہ محسوس کرنے نہیں دیتا کہ وہ ایک عظیم شخصیت کا مالک عالمی شہرت یافتہ قلمکار وشاعر ہے، جس کے سینے میں ایک ایسا دھڑکتا دل ہے، جس میں انسانوں سے عموماً اور فنکاروں سے خصوصاً، التفات واُلفت کا ایک ٹھاٹیں مارتا ہوا سمندر موجزن ہے۔

انٹرنیٹ اِس دور کے مثبت سوچ رکھنے والے تخلیق کار انسانوں کے لیے اللہ کا ایک انعام ہے، اور اُن ہی کے لیے انعام ہے، جن کے پاس عالمِ اِنسانیت کو دینے کے لیے ضرور کوئی نہ کوئی پیغام ہے۔ لیکن افسوس کہ ابھی یہ عام نہیں ہے۔ بہت کم شعراء ہیں جو اِس سے جڑے ہوئے ہیں۔ ممکن ہے ابھی دو دہے تو ضرور درکار ہوں گے جب اُردو کے باکمال فنکار اپنے فکر وفن سے عوام کو روشناس کرانے کے لیے انٹرنیٹ کی دُنیا میں قدم رکھیں گے اور خود اپنے مقام ومرتبے کا ادراک کر پائیں گے۔ خوش نصیب ہیں وہ شعراء جنہیں فی زمانہ یہ موقع ملا ہوا ہے کہ وہ انٹرنیٹ کو اپنی شاعری وقلمکاری کے فروغ کا ذریعہ بنائے ہوئے ہیں۔ لیکن چونکہ یہ عام نہیں اِس لیے ہم سب ایک غیر محسوس حقیقت کا سامنا کرنے پر مجبور ہیں کہ انٹرنیٹ کے شعراء کو عالمی شہرت تو مل جاتی ہے، لیکن عوام میں پھر بھی وہ غیر مقبول ہو کر رہ جاتے ہیں۔ وہ تو کہیے کہ برقیؔ صاحب اور ہم جیسے شعراء کا شعری سفر انٹرنیٹ کی ایجاد سے پہلے بہت طویل عرصے سے جاری رہا ہے، تو بجا طور پر ہم پر یہ بات یقیناً صادق نہیں آتی۔ ہاں، ہمیں اِس حقیقت کا اعتراف تو ہے کہ انٹرنیٹ ہماری شہرت سے زیادہ ہماری موجودہ شہرت کو چار چاند لگانے کا باعث ضرور بن گیا ہے۔

جہاں تک اُن کے فن اور اُن کی شاعری کی بات ہے تو الحمدللہ علم و ہنر کی کئی

نامور شخصیتوں نے اِس فریضے کو خوب نبھایا ہے اور اُن کی شاعری پر سیر حاصل گفتگو اور اِظہار خیال کا حق ادا کر دیا ہے۔ اِس لیے ہم صرف اپنے اِن ہی تاثرات پر اکتفا کرنا چاہتے ہیں، جو گزشتہ سطور میں پیش کیے جا چکے ہیں اور دُعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ ملت کے اِس عظیم شاعر کی عمر میں برکت عطا فرمائے اور اُس کے نقشِ قدم پر ہمیں بھی اپنے شعری سفر کی سمتیں متعین کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

○○

— عزیز بلگامی

No. 43/373 First Floor
Bhuvaneshwari Nagar Main Road
Gopalappa layour, M K Ahmed Road,Kempapura Hebbal Post
BANGALORE - 560024
Email: azeezbelgaumi@hotmail.com

برقی اعظمی کی ''روحِ سخن'' پر میرے تاثرات

ڈاکٹر احمد علی برقی صاحب کا بہترین مجموعۂ کلام ''روحِ سخن'' اپنی آب و تاب کے ساتھ منظرِ عام پر آ گیا ہے جو قابلِ دید بھی ہے اور قابلِ داد بھی۔ جیسا کہ اس مجموعۂ کلام کے عنوان سے ظاہر ہے، بلا شبہ یہ شعر و سخن کی روح ہے۔ سمندر سے گہرا اور وسیع ۴۵۰ صفحات پر محیط یہ شعری مجموعہ تشنگانِ ادب کو اس کی گہرائیوں میں غوطہ زن ہونے کی دعوت دے رہا ہے۔ اِس کا ہر ہر شعر ایک سچے موتی کی طرح آب دار ہے۔ حمد، نعت اور غزلوں سے آراستہ ڈاکٹر برقی اعظمی کا یہ خوبصورت کلام اُردو ادب کا ایک بہترین اور بیش قیمت سرمایہ ہے جس کا اندازہ اربابِ بصیرت بخوبی کر سکتے ہیں۔ حُسن و عشق، وصال و فراق، سوز و گداز، سیاست، ٹکنولوجی، آج کے حالات، اس دور کے عصری تقاضے اور زندگی کے جن موضوعات اور مسائل کو آپ نے اپنے جادوئی قلم کی نوک سے چھوا ہے اسے منور کر دیا۔ جذبات، احساسات، خیالات، لفظیات اور نظریات کے ٹکسال میں ڈھلی ہوئی یہ بیش بہا دولت ایک حق پسند، خلوص کے پیکر اور ایک عظیم شاعر و مفکر کا سرمایۂ حیات ہے جو اپنے والدِ گرامی عظیم شاعر حضرت رحمت الٰہی برق اعظمی کے نورِ چشم فرزند ہی نہیں، اپنے وطنِ عزیز اعظم گڑھ کے مایۂ ناز سپوت ہی نہیں بلکہ پورے ہندوستان کے ایک روشن چراغ ہیں جن کی روشنی ہندوستان سے باہر بھی اپنی آب و تاب کے ساتھ پھیل رہی ہے اور ادبی دُنیا کے کونے کونے کو روشن کر رہی ہے۔

ڈاکٹر برقی اعظمی کا بہترین کلام، اُن کا شعورِ فکر و فن، ان کی شخصیت و ذات و

صفات، اُن کا علم و دانش، اُن کا اسلوب، اُن کی گہری فکر و نظر، اُن کی اعلیٰ ادبی شخصیت، اُن کی وسیع القلبی، اُن کی بلند نگاہ، اُن کی انسان دوستی، اُن کی اُردو کی خدمات ادبی دُنیا میں ایک ایسی نمایاں حیثیت رکھتی ہیں کہ جس کی مثال کم ہی ملتی ہے۔ ''یادِ رفتگاں'' کے عنوان کے تحت ان کی نظموں کی مثال اُردو شاعری کی تاریخ میں کہیں نظر نہیں آتی۔ یادوں کی اس طرح بزم آرائی کا اہتمام کہیں دیکھنے کو نہیں ملتا۔ اس بحرانی دور میں اُردو کی اس ڈوبتی ناؤ کے ناخدا بن کر جس ذمہ داری کو آپ نے نبھایا ہے وہ قابلِ تحسین ہے۔ علم و ادب کے دیوانے، شعر و سخن کے پروانے، آپ کی اس عظیم کاوش کے لئے آپ کو تہہِ دل سے داد اور مبارکباد دیتے ہیں اور آپ کو بصد احترام سلام کرتے ہیں۔ میں تو جناب ڈاکٹر برقی اعظمی سے بس اتنا سوال کروں گا کہ جناب عالی! آپ کلام کہتے ہیں یا کمال کرتے ہیں؟ اُن کے کلام کے میں کچھ نگینے پیش کر رہا ہوں تا کہ اُردو ادب کے جو باضابطہ جوہری ہیں اُس کی چمک سے لطف اندوز ہو سکیں......

خدایا کرم گستری کر ہماری
ترا فیضِ رحمت ہے ہر سمت جاری

نہیں کوئی شے تیری قدرت سے باہر
ہیں شاہ و گدا تیرے در کے بھکاری

محمد مصطفیٰ کے نُور سے کون و مکاں چمکے
اُنہیں کی ذاتِ اقدس سے زمین و آسماں چمکے

دلِ مضطر کو یہ کیا ہو گیا ہے
ہمیشہ بھیڑ میں تنہا کھڑا ہے

خوشی میں بھی چھلک جاتا ہے چشمِ تر کا پیمانہ
ہر آنسو دل کی بیتابی کا افسانہ نہیں ہوتا

اُن سے روشن ہے مری شمعِ شبستانِ حیات
ہیں مری مونس و غمخوار تمہاری آنکھیں

برقیؔ مرا پیغام ہے یہ اہلِ جہاں کو
قائم کریں ایثار و محبت کی روایت

○○

ـــ سیّد ضیا خیرآبادی
اٹلانٹا، امریکہ

سپہرِ شعر پہ روشن ہے آفتابِ سخن

میرے نوکِ قلم میں اتنا تو سلیقہ اور شعور نہیں ہے کہ میں جناب ڈاکٹر احمد علی برقیؔ اعظمی کی عظیم شخصیت اور شعورِ فکر وفن کو بخوبی صفحۂ قرطاس پر قلمبند کر سکوں لیکن میں یہ ضرور چاہوں گی کہ اُن کی اعلیٰ ذات وصفات، فن وشخصیت، ان کے وسعتِ قلب کی عظمتوں، اُن کے کردار کی اونچائیوں، اور اُن کے قلم کی خوبیوں کو حسنِ صداقت کے ساتھ آپ کے سامنے بیان کر سکوں۔ اللہ مددگار ہے وہ حقدار کو اُس کا حق دلوا ہی دیتا ہے۔

اعظم گڑھ کی سرزمین کئی گہرہائے نایاب کی پروردہ رہی ہے۔ کسی مبارک گھڑی اسی سرزمین نے ایک بیش قیمت ہیرا رحمت الٰہی برقؔ اعظمی جیسے علم و دانش کے سکندر، ایک باکمال جوہری کی نذر کیا جسے انہوں نے اپنے دستِ مبارک سے تراش خراش کے اُردو ادب کے خزانے کو سونپ دیا۔ اس کوہِ نور ہیرے کی چمک دمک اور آب وتاب کو دیکھ کر اربابِ بصیرت کی آنکھیں چوندھیا گئیں۔ دورِ حاضر کے اہلِ قلم سکتے میں آ گئے۔ اُردو ادب کے بڑے بڑے شہسوار انگشت بدنداں رہ گئے۔ اس کوہِ نور کی چمک ملک کی آہنی دیواروں کو پار کرتی ہوئی بیرونی ملکوں میں جا پہنچی اور ہر اہلِ دل اور اہلِ قلم اس سے متاثر اور مرعوب ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ پھر اس کی چمک اور آب وتاب کے چرچے ہر زبان پر ہونے لگے۔ یہ نایاب کوہِ نور ہیرا کوئی اور نہیں...... عہدِ حاضر کے عظیم شاعر، ہمارے جانے پہچانے ڈاکٹر احمد علی برقیؔ اعظمی صاحب ہیں۔

ڈاکٹر برقیؔ اعظمی صاحب سے میری ملاقات کبھی اور کہیں نہیں ہوئی ۔ میں نے اُن کے فن اور شخصیت کو جو بھی سمجھا ہے اُن کے وسیع اور بہترین کلام کی گہرائیوں میں اُتر کر سمجھا ہے۔ اُردو ادب کے فلک پر سیکڑوں شمس وقمر اپنی چمک دمک کے ساتھ جگمگا رہے ہیں اور کائناتِ ادب میں اپنی لطیف چاندنی بکھیر رہے ہیں۔لیکن جب ہم ڈاکٹر برقیؔ اعظمی کے دلنشیں اور دلکش کلام ''روحِ سخن'' کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں یہ محسوس ہوتا ہے کہ صبح ہوگئی اور آسمان سخن پر چمک رہا ہے ایک آفتاب تنہا جس کی برقی شعائیں زندگی کے ہر پہلو، حیات وکائنات کے ہر موضوع، دورِ حاضر کے ہر تقاضے انسانیت، محبت امن اور شانتی جیسے اعلی جذبوں ،قوم وملت کی دکھتی رگوں، مذہب کی اٹھی ہوئی گھٹاؤں، دین وایمان کی پرنور برستی بارشوں اور سائنس وٹکنالوجی کی فلک بوس عمارتوں کو اُجاگر کر رہی ہیں۔

ڈاکٹر برقیؔ اعظمی کی اُردو ادب میں آمد ایک خوشگوار واقعہ ہے۔خزاں کے دور کے بعد جب بہار آتی ہے تو کیا لگتا ہے۔ اُن کی مبارک آمد پر کچھ ایسا ہی ہوا۔ اُردو ادب کا چہرہ فخر اور خوشی سے کِھل اُٹھا۔ اُردو کی انجمنیں لہکنے اور مہکنے لگیں۔ اُردو زبان پر جیسے نکھار آ گیا۔ شعر وسخن میں جیسے زندگی آ گئی۔اُردو زبان کی ڈوبتی نبضوں کو جیسے حیاتِ نو مل گئی۔تشنگانِ ادب کو جیسے قرار آ گیا۔

شعروسخن کے اس تاجدار کی اُردو ادب میں جب تاجپوشی ہوئی تو میرؔ، غالبؔ، داغؔ، فانیؔ، اقبالؔ جگرؔ، جوشؔ ، فیضؔ اور احمد فراز کی روحوں کو جیسے وجد آ گیا۔ وہ سجدۂ شکر بجا لائیں اور اپنے اس فرزندِ عظیم کے لئے دعا گو ہو کر بصد شکر جھوم اُٹھیں۔کوئی تو ہے جو ان کی وراثت کو آگے بڑھا رہا ہے۔کوئی تو ہے جو شعر وسخن کے جسم میں روح واپس لوٹا رہا ہے۔کوئی تو ہے جو اُردو ادب میں قوس قزح کا رنگ بھر رہا ہے۔کوئی تو ہے جو مرحومین ادیبوں ،شاعروں اور فنکاروں کی میتوں پر آنسو بہا رہا ہے۔کوئی تو ہے جو اُن کی تُربتوں پر دُعائے مغفرت کے ساتھ اپنے اشعار کے گُلہائے عقیدت چڑھا رہا ہے۔کوئی تو ہے جو ان بے چراغ اور بے پھول قبروں پر یادوں کے دیئے جلا رہا ہے۔

حضرت رحمت الٰہی برقؔ اعظمی صاحب کی روحِ مبارک اپنے اس نیک دل فرزند کی اقصائے عالم میں توقیر دیکھ کر خوشی اور فخر سے جھوم رہی ہوگی۔

ڈاکٹر برقیؔ اعظمی کا کلام دلنشیں ''روح سخن'' سخن کی روح تو ہے ہی اُن کی فکری وفنی صلاحیتوں کا نچوڑ بھی ہے۔اُن کے خوابوں کی تعبیر ہے۔اُن کی کائناتِ حُسن کی تصویر ہے۔ان کی دولتِ عشق کی جاگیر ہے۔اُن کا سرمایۂ حیات ہے۔یہ وہ گلستان سخن ہے جہاں خزاں آتی ہی نہیں۔اپنے مجموعۂ کلام کے بارے میں وہ لکھتے ہیں......

مجموعۂ کلام ہے ''روحِ سخن'' مرا
پیشِ نظر ہے جس میں یہاں فکر وفن مرا
گلہائے رنگا رنگ کا گلدستۂ حسیں
اشعار سے عیاں ہے یہی ہے چمن مرا

یہ عظیم شاعر توقیر کی بلندیوں کو چھوتے ہوئے بھی اپنے والدِ گرامی حضرت رحمت الٰہی برقؔ اعظمی کے احترام میں اپنے فرائضِ فرزندگی سے سبکدوش نہیں ہوتا اور نہایت ادب و احترام کے ساتھ اپنے طاقِ دل میں اُن کی یاد کا چراغ جلائے حقِ فرزندگی ادا کرتے ہوئے لکھتا ہے......

میرے والد کا نہیں کوئی جواب
جو تھے اقصائے جہاں میں انتخاب
ان کا مجموعہ ہے ''تنویرِ سخن''
جس میں حُسنِ فکر و فن ہے لاجواب

......ایک اور جگہ ڈاکٹر برقیؔ اعظمی صاحب فرماتے ہیں......

آج میں جو کچھ ہوں وہ ہے ان کا فیضانِ نظر
اُن سے ورثے میں ملا مجھ کو شعورِ فکر و فن

......اپنے وطن پر فخر اور ناز کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں......

شہر اعظم گڑھ ہے برقؔی میرا آبائی وطن
جس کی عظمت کے نشاں ہیں ہر طرف جلوہ فگن

......اپنے بارے میں وہ فرماتے ہیں......

میرا سرمایۂ حیات ہے جو
وہ ہے میرے ضمیر کی آواز

ڈاکٹر برقؔی اعظمی صاحب کا بہترین اور ضخیم مجموعۂ کلام ''روحِ سخن'' ادب کی دُنیا میں شان کے ساتھ جلوہ فگن ہے۔ اس سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا۔ یہ وہ گلدستۂ سخن ہے جس میں رنگ رنگ کے پھول مہک رہے ہیں۔ بارشِ انوار میں نہائی ہوئی اُن کی حمدیں حسنِ ایمان کے ساتھ قارئین کے دل میں اُتر جاتی ہیں۔ اللہ کی بارگاہ میں وہ نہایت ادب واحترام کے ساتھ اپنے جذبات کا نذرانہ پیش کرتے ہیں......

میں شکر ادا کیسے کروں تیرے کرم کا
'' حقا کہ خداوند ہے تو لوح و قلم کا''
طوفانِ حوادث میں ہے برقؔی کا سفینہ
کر سکتا ہے اب تو ہی ازالہ مرے غم کا

ایک اور جگہ ڈاکٹر برقؔی صاحب فرماتے ہیں......

اے خدا تو نے زندگی بخشی
کیف و سرمستی و خوشی بخشی
تیرا منت گزار ہے برقؔی
جس کے نغموں کو نغمگی بخشی

عشقِ نبی ﷺ سے سرشار ان کا نعتیہ کلام کیف حضوری کی بہترین مثال ہے......

نبی کی ذات زینت بن گئی ہے میرے دیواں کی
انہیں کا نور ہے جو روشنی ہے بزمِ امکاں کی

وہی ہیں شان میں جن کی ہے ورفعنا لکَ ذِکْرَکْ
ثناخواں اُن کی عظمت کی ہر اک آیت ہے قرآں کی

ثنائے رسالت مآب میں ایک اور جگہ ڈاکٹر برقؔی اعظمی لکھتے ہیں......

کیا کوئی کرے شمعِ رسالت کا احاطہ
ممکن نہیں اس نور کی عظمت کا احاطہ

غزل کے بارے میں برقی صاحب کے خیالات بہت جامع اور واضح ہیں۔ وہ فرماتے ہیں......

احساس کا وسیلۂ اظہار ہے غزل
آئینہ دار ندرتِ افکار ہے غزل
اُردو ادب کو جس پہ ہمیشہ رہے گا ناز
اظہارِ فکر و فن کا وہ معیار ہے غزل
آتی ہے جس وسیلے سے دل سے زبان تک
خوابیدہ حسرتوں کا وہ اظہار ہے غزل
برقؔی کے فکر و فن کا مرقع اسی میں ہے
برقؔ اعظمی سے مطلعِ انوار ہے غزل

حسن وعشق ڈاکٹر برقؔی اعظمی کے کلام کا نہایت وسیع اور دلکش موضوع ہے۔ رنگ ونور میں نہائی برقؔی اعظمی کی گُل چہرہ غزلیں اُردو ادب میں نہایت اہم اور معتبر مقام رکھتی ہیں۔ اُن کے کلام سے چند اشعار پیشِ خدمت ہیں......

بات ہے ان کی بات پھولوں کی
ذات ہے اُن کی ذات پھولوں کی
وہ مجسم بہار ہیں اُن میں
ہیں بہت سی صفات پھولوں کی

......کچھ اور خوبصورت اشعار دیکھئے......

ہیں اُس کے دستِ ناز میں دلکش حنا کے پھول
اظہارِ عشق اُس نے کیاہے دکھا کے پھول
پاکیزگیٔ نفس ہے آرائشِ خیال
ہیں آبروئے حُسن یہ شرم و حیا کے پھول
پھولے پھلے ہمیشہ ترا گلشنِ حیات
میں پیش کر رہا ہوں تجھے یہ دُعا کے پھول
برؔقی ہے بے ثبات یہ دُنیائے رنگ و بو
دیتے ہیں درس ہم کو یہی مسکرا کے پھول

جذبۂ عشق کو برؔقی صاحب کے کلام میں بہت اہمیت حاصل ہے۔وہ فرماتے ہیں......

عشق ہے در اصل حُسنِ زندگی
عشق سے ہے زندگی میں آب و تاب

اشکوں کی سیاہی سے لکھی ہوئی برؔقی صاحب کی زار زار عشقیہ غزلیں اُردو ادب کا ایک بہترین سرمایہ ہیں۔ پڑھنے والوں کو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے شبِ فراق ہے، تنہائی ہے، اندھیرا ہے، اُداسی ہے، چراغِ دل ٹمٹما رہاہے۔یوں محسوس ہوتا ہے آسمان میں ماہتاب چمک رہا ہے۔ جوشِ جنوں اسے پانے کے لئے بیتاب در بدر پھر رہا ہے۔یوں محسوس ہوتا ہے زندگی کی ریل گاڑی نا معلوم منزل کی طرف چلی جا رہی ہے اور یادوں کا ایک ہجوم ہے جو ساتھ ساتھ چل رہا ہے۔یوں محسوس ہوتا ہے صحرا کی وسعتوں میں جلتی ہوئی ریت پر کوئی برہنہ پا جانا جاناں پکارتا بھٹک رہا ہے۔

نفرتوں کی جنگ پوری دُنیا لڑ رہی ہے۔اُس سے متاثر ہو کر حساس شاعر کا دل دُنیا کے تمام مذاہب وملت کے لوگوں کو پیامِ محبت سنا رہا ہے۔ڈاکٹر برؔقی صاحب کے کچھ اشعار اس سلسلے میں ملاحظہ فرمائیں......

امن عالم کی فضا ہموار ہونا چاہیئے
''آدمی کو آدمی سے پیار ہونا چاہیئے''

جب ہم ڈاکٹر برؔقی اعظمی کے کلام کا بنظرِ دقیق تجزیہ کرتے ہیں تو ہمیں زبان اور بیان کی بہت سی خوبیاں اس میں نظر آتی ہیں جو اُن کی دلکش تحریروں کو حُسن بخشتی ہیں۔ اُن کے چھکتے ہوئے ردیف اور قافیے ، اُن کی حیران کر دینے والی تشبیہات اور استعارے، اور اُن کے دل کو چھونے والے محاورے بہت خوبصورتی کے ساتھ ان کے کلام میں استعمال ہوئے ہیں۔کچھ مثالیں ملاحظہ فرمائیں......

جس کو وہ پڑھتا رہے گا عمر بھر لکھ جاؤں گا
خط میں اس کے نام ایسا نامہ بر لکھ جاؤں گا
ایسا ہوگا میری اس تحریر میں سوز و گداز
موم ہو جائے گا پتھر کا جگر لکھ جاؤں گا

اشک پلکوں پہ چمکتے ہیں ستاروں کی طرح
میرا کاشانۂ دل اب ہے مزاروں کی طرح

یہاں اشک ستاروں کی طرح ، خانۂ دل مزاروں کی طرح اور پتھر کا جگر وغیرہ ان کی تشبیہات اور استعارں کی خوبصورت مثالیں ہیں......

میری آنکھیں کُھلی کی کُھلی رہ گئیں
وہ نظر آیا جب اک زمانے کے بعد
برؔقی کی اس کے سامنے کوئی گلی نہ دال
جو گل اسے کھلانے تھے اس نے کھلا دئے

یہاں محاورے جیسے آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جانا ،گل کھلانا اور دال نہ گلنا محاورے ہیں جن کو بڑی خوبی کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر برؔقی اعظمی کی کائناتِ شاعری ''روحِ سخن'' میں آسمان کی وسعتیں اور زمین کی عظیم شفقتیں ہیں۔سمندر کی گہرائیاں ہیں۔ پہاڑوں کی بُردباری ہے۔جنگلوں کی ضخامت ہے۔سورج کی فراخدلی ہے۔آبشاروں کی بے کلی ہے۔ برق کی تڑپ ہے۔ جھومتے درختوں کی لہک ہے۔مہتاب کا حسن ہے۔ بہاروں کی رنگت ہے۔شبنم کے

آنسو ہیں، کلیوں کی چٹک اور شوخی ہے، پھولوں کی رنگت ہے، بہاروں کی گونج ہے، تتلیوں کا ذوق وشوق ہے، صبح سویرے کا پرنور اُجالا ہے، تپتی دوپہروں کی تپش ہے، شامِ غم کی اُداسی ہے، سیاہ راتوں کی وحشتیں ہیں، شبِ فراق کی اشکباری ہے، اور عبادت گاہوں کی پاکیزگی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ زندگی کے تمام رنگ، تمام موسم اور کائنات کے تمام حسن اُن کی شاعری میں بحُسن وخوبی اُتر آئے ہیں۔دلکش اور خوش آہنگ ردیف و قافئے، دلکش تشبیہات، کہکشاں سی زباندانی سے منور یہ کلام اُن کی کاوشوں کا پھل ہے۔اُن کا سرمایۂ زیست ہے۔سخن کے اس شہنشاہ کی ہرغزل ایک حسین تاج محل لگتی ہے۔

ڈاکٹر احمد علی برقیؔ کا تخلیقی سفرخلوص اور محبت کے گیت گاتا ہوا نفرت کی دیواروں کو توڑتا ہوا، ملکوں کی سرحدوں کو پار کرتا ہوا، انسانیت اور تہذیب کے وقار کو بڑھاتا ہوا، امن اور شانتی کا درس دیتا ہوا،حق کا پرچم اُٹھائے دورِ حاضر کے تقاضوں کو پورا کرتا ہوا آگے بڑھ رہا ہے۔اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔خداوند کریم انہیں شاد وآباد رکھے۔ انہیں ہرقدم پر کامیابی اور کامرانی عطا فرمائے۔

○○

— ڈاکٹر سیّدہ عمرانہ نشتر خیرآبادی

اٹلانٹا، امریکہ

برقیؔ اعظمی کی اُردو شاعری

(۱)

سیّد صباح الدین عبدالرحمٰن مرحوم (سابق ڈائریکٹر، دارالمصنّفین و مدیر ماہنامہ ''معارف'') کے شاگردِ رشید ڈاکٹر احمد علی برقیؔ اعظمی کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں ہے۔موصوف 1977 سے تا حال دہلی میں مقیم ہیں۔ان کا تعلق ہندوستان کی مردم خیز سرزمین اعظم گڑھ شہر کے محلّہ باز بہادر کے ایک علمی گھرانے سے ہے۔شاعری کا ذوق وشوق انہیں ورثے میں ملا ہے۔موصوف کے والد ماجد رحمت الٰہی برقؔ اعظمی مرحوم ایک کہنہ مشق شاعر تھے۔ ان کے بڑے بھائی ڈاکٹر رحمت علی اکمل، ڈاکٹر شوکت علی شوکت اعظمی اور برکت علی برکت اعظمی بھی شعروسخن سے شغف رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر برقیؔ نے اعظم گڑھ سے ابتدائی تعلیم اور شبلی نیشنل کالج اعظم گڑھ سے اُردو میں ایم۔اے کرنے کے بعد دہلی میں جواہر لال نہرو یونیورسٹی سے 1996 میں فارسی میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی اور پھر آل انڈیا ریڈیو، نئی دہلی میں ملازمت اختیار کرلی۔

ڈاکٹر احمد علی برقیؔ کی شاعری کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ایک طرف ان کی شاعری میں موضوعات کا تنوع قارئین و ناظرین کو متوجہ کرتا ہے تو دوسری طرف ان کی شعری خصوصیات اپنی زلف گرہ گیر کا اسیر بنا لیتی ہیں۔ ڈاکٹر برقیؔ اعظمی کے جذبوں کی صداقت، کلام کی شیرینی و ملاحت اور عرضِ ہنر میں دیدہ و دل کی بصارت جگہ جگہ جلوہ افروز نظر آتی ہے۔ وہ نہ تو مافوق العادت اوہام وتخیلات کے اسیر ہیں اور نہ ہی ماورائیت کے دلدادہ بلکہ زمین پر ننگے پاؤں چل کر زمینی حقیقتوں کا بچشمِ خود مشاہدہ

کرتے ہیں اور ان سے بے باکانہ آنکھیں ملا کر باتیں کرتے ہیں۔ ان کے افکار و خیالات میں قدامت یا باسی پن کا کوئی احساس نہیں ہوتا، تازہ کاری ان کا وصف خاص ہے۔ وہ عصر حاضر کے بیحد ترقی یافتہ سماج میں کلبلاتے درد سے پوری طرح باخبر ہیں۔ وہ امن وسکون کو غارت کرنے والی جنگوں سے اجتناب کی دعوت تو دیتے ہیں لیکن زندگی کی جنگ علم وحکمت سے جیتنے کی وکالت بھی کرتے ہیں احمد علی برقیؔ کی شاعری میں اپنائیت لئے آفاقی احساسات کچھ اس انداز میں جلوہ گر ہوتے ہیں کہ قاری انہیں اپنے دل سے بہت قریب پاتا ہے۔

برقیؔ اعظمی کی شاعری میں وسعت، زبان و بیان کی دلکشی، لہجہ اور طرز ادا کی شیرینی، انداز بیان کی شگفتگی اور فکر وخیال کی رعنائی کے علاوہ لکھنے والوں کے لئے اس میں بہت کچھ ہے، خصوصاً موضوعات کا تنوع محققین کو راغب کرنے کے لئے کافی ہے۔ ان کی شخصیت کی عبقریت پر بہت سے دلائل شاہد عدل ہیں کیونکہ انہوں نے وہ کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں جن کا اُردو ادب کی آبیاری میں بہت بڑا کردار ہے۔ ان کا قلم بے تکان لکھتا ہے، خوب لکھتا ہے اور بہت تفصیل سے لکھتا ہے ان کا اپنا رنگ ہے اپنا زاویہ نگاہ اور الگ شناخت ہے۔ ان کے کلام کی خصوصیات پر کچھ لکھنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ تسلسل، تغزل، انداز بیان، روانی الفاظ وترکیبات کی جیسے ایک جوئے شیریں رواں دواں نظر آتی ہے۔

وہ انتہائی زود گو، خوش گو، بسیار گو شخصیت کے مالک ہیں۔ فکر وفن کی باریکیاں ان کے آگے طفل مکتب نظر آتی ہیں بلا شبہ برقیؔ اعظمی ایک عبقری شخصیت کے مالک ہیں۔ انہوں نے اپنی مجموعی شاعری سے یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ وہ ایک مخصوص دھارے میں بندھنے کے عادی نہیں ہیں بلکہ تنوع ان کی فطرت میں شامل ہے۔ ان کی غزلیں تغزل سے بھر پور اور فنکارانہ حسن کاری سے مزین ہوتی ہیں۔ تراکیب کی خوبصورتی، تشبیہات کی ندرت، الفاظ کا جادوئی دروبست، نرم وخوشنما قافیوں کے موتی، مشکل اضافتوں کے باوجود مصرعوں کی روانی اور ان سب پر مستزاد آپ کی کسر نفسی دلوں

کو متاثر کرتی ہے۔ ڈاکٹر برقیؔ اعظمی کی غزلیں نہایت خوبصورت ردیفوں میں طرز ادا کی خوشنمائی کے ساتھ ساتھ انفرادی طرزِ فکر اور جدت پسندی کی بھی نمائندگی کرتی ہیں۔ وہ تجربات کی دلکشی کو کلام کی روح میں سموکر احساس کی خوشبو جگاتے ہیں اور قاری کے دل و دماغ کو متاثر کر کے جمالیاتی شعور کی آبیاری کرتے ہیں۔ ان کی سخنوری، طبیعت کی موزونیت اور روانی ہمیشہ ہی قائل کرتی ہے۔ ان کے ان اوصاف کا ہر شخص مداح ہے۔

برقیؔ اعظمی کی موضوعاتی اور فی البدیہہ شاعری

(۲)

شعر گوئی ایک بہت خوبصورت فن ہے۔ ایک اچھا شعر یا ایک خوبصورت غزل کہنے کے بعد شاعر کو روحانی فرحت و انبساط اور قلبی راحت وطمانیت کا احساس ہوتا ہے تاہم فی البدیہہ شاعری اکثر شعراء کے لئے مشکل اور ایک بہت کٹھن مرحلہ ہوتا ہے۔ دراصل شاعر دو طرح کے ہوتے ہیں ایک تو ''فطری شاعر'' اور دوسرے وہ لوگ جو فن شعر و شاعری سے استفادے کے بعد بالقصد یعنی اراداتاً شاعری کرتے ہیں۔ فطری شاعر پیدائشی شاعر ہوتے ہیں۔ ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ کسی کمسن یا بالغ شخص نے کہ جس نے فن عروض یا شعر وشاعری کے بارے میں کبھی نہ کچھ پڑھا اور نہ ہی کسی سے سنا لیکن اس کی زبان سے منظوم کلام جاری ہو گیا۔ تاریخ میں ایسے بہت سے شعراء کا نام محفوظ ہے جنہوں نے فن عروض سے استفادے کے بغیر لاجواب شاعری کی اور عصر حاضر میں بھی ایسے بہت سے شعراء موجود ہیں جو فطری شاعر ہیں یعنی وہ بہ تکلف شاعری نہیں کرتے بلکہ شعر خود بخود ان کی زبان پر جاری ہو جاتا ہے۔ تاہم عہد حاضر میں شعراء کی ایک تیسری قسم بھی پائی جاتی ہے جو نہ فطری شاعر ہیں اور نہ ہی ارادی شاعر ہیں ہم انہیں ''متشاعر'' کے نام سے جانتے ہیں جو بہ تکلف بھی شاعری پر قدرت نہیں رکھتے نتیجتاً انہیں کئی مواقع پر منہ کی کھانی پڑتی ہے۔

برقی اعظمی کی بداہت گوئی ان کی موضوعاتی شاعری میں بہت کھل کر سامنے آئی ہے۔ وہ شاعری جو کسی خاص عنوان یا موضوع کے تحت کی جائے اسے موضوعاتی شاعری کہتے ہیں۔ ادبی شخصیات سے متعلق تعارفی تحریروں میں برقی صاحب نے اپنے ذاتی تاثرات کے علاوہ ان کی خصوصیات، کارناموں اور اختصار کے ساتھ ان کی ''حیات و خدمات'' پر خاطر خواہ روشنی ڈالی ہے جو بلا شبہ ان کی قابل قدر خدمت ہے۔ ہماری اہم ترین ادبی شخصیات سے نوجوان نسل کو متعارف کرانے کا یہ نہایت خوبصورت اور دلپذیر انداز ہے جس کی ہند و پاک کے ادبی حلقوں میں پذیرائی کی جانی چاہئے۔ انہوں نے بے شمار موضوعات پر شاعری کی ہے۔ آج ہماری نئی نسل میں فلم، ٹی۔وی، موبائل اور انٹرنیٹ کے تئیں بڑھتے کریز کی وجہ سے کتابوں کی طرف سے رجحان بالکل ختم ہوتا جا رہا ہے جو علماء اور دانشوروں کے لئے لمحہ فکریہ اور پورے معاشرے کے لئے ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔ ڈاکٹر برقی اعظمی کی موضوعاتی شاعری سے متعلق ڈاکٹر غلام شبیر رانا رقمطراز ہیں...... ''اُردو ادب میں موضوعاتی شاعری پر بہت کم توجہ دی گئی ہے۔ قلی قطب شاہ سے لے کر ڈاکٹر احمد علی برقی اعظمی تک اُردو میں موضوعاتی شاعری نے جو ارتقائی سفر طے کیا ہے اس کا جائزہ لینے سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ موضوعاتی شاعری نے اب ایک مضبوط اور مستحکم روایت کی صورت اختیار کر لی ہے۔ اس رجحان کو انجمن پنجاب کی خیال پرور اور فکر انگیز شاعری سے بے پناہ تقویت ملی۔ آقائے اُردو مولانا محمد حسین آزاد کی مساعی سے اُردو میں موضوعاتی شاعری کو ایک اہم مقام ملا۔ اس کے بعد یہ روایت مسلسل پروان چڑھتی رہی۔ عالمی شہرت کے حامل نامور شاعر محسن بھوپالی کا ایک شعری مجموعہ ''موضوعاتی شاعری'' کے نام سے آج سے پندرہ برس پہلے شائع ہو چکا ہے۔ اس سے یہ صداقت معلوم ہوتی ہے کہ روشن خیال ادیبوں، دانشوروں اور شاعروں نے موضوعاتی شاعری کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے اس صنف میں طبع آزمائی کی۔ مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ ممتاز ادیب، شاعر، دانشور، نقاد اور محقق ڈاکٹر احمد علی برقی اعظمی نے اُردو کی موضوعاتی شاعری پر بھر پور توجہ دی ہے۔ ان کی شاعری

کے متعدد نمونے میرے سامنے ہیں۔ وہ جس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں اسے لا زوال بنا دیتے ہیں۔ ان کا اختصاص یہ ہے کہ وہ عظیم تخلیق کاروں کو منظوم خراج تحسین پیش کر کے ان کے بارے میں مثبت شعور و آگہی پروان چڑھانے کی مقدور بھر سعی کرتے ہیں۔ اس میدان میں ان کی مساعی اپنی مثال آپ ہیں۔ جس انداز میں وہ اپنے موضوع پر طبع آزمائی کرتے ہیں اوروں سے وہ تقلیدی طور پر بھی ممکن نہیں۔ اس لا زوال اور ابد آشنا شاعری میں کوئی ان کا شریک اور سہیم دکھائی نہیں دیتا۔ مرزا غالب، میر تقی میر، احمد فراز، پروین شاکر، فیض احمد فیض، سید صادقین نقوی، مظفر وارثی اور متعدد عظیم تخلیق کاروں کو ڈاکٹر احمد علی برقی اعظمی نے جس خلوص اور دردمندی سے خراج تحسین پیش کیا، وہ نہ صرف ان کی عظمت فکر کی دلیل ہے بلکہ اس طرح ان کا نام جریدہ عالم پر ہمیشہ کے لیے ثبت ہو گیا ہے۔ ان کا اسلوب ان کی ذات ہے۔ وہ انسانی ہمدردی کے بلند ترین منصب پر فائز ہیں۔ کسی کا دکھ درد دیکھ کر وہ تڑپ اٹھتے ہیں اور فی البدیہہ موضوعاتی شاعری کے ذریعہ وہ تزکیہ نفس کی متنوع صورتیں تلاش کر کے ید بیضا کا معجزہ دکھاتے ہیں۔ ان کی موضوعاتی شاعری کا تعلق کسی ایک فرد، علاقے یا نظریے سے ہرگز نہیں ان کی شاعری میں جو پیغام ہے اس کی نوعیت آفاقی ہے اور وہ انسانیت کے ساتھ روحانی وابستگی اور قلبی انس کا بر ملا اظہار کرتے ہیں۔ ان کا یہ اسلوب انھیں ممتاز اور منفرد مقام عطا کرتا ہے۔ ان کے بار احسان سے اُردو داں طبقے کی گردن ہمیشہ خم رہے گی۔ انھوں نے تہذیبی اور ثقافتی اقدار کو اشعار کے قالب میں ڈھال کر وہ معرکہ آرا کارنامہ انجام دیا ہے جو تاریخ ادب میں آب زر سے لکھا جائے گا۔''

یادِ رفتگاں کے عنوان سے مرحوم ادباء، شعراء و دیگر مختلف ادبی، مذہبی، سیاسی، سماجی، فلمی اور اسپورٹس سے وابستہ شخصیات پر فی البدیہہ شاعری کی ہے۔ اس ضمن میں انہوں نے غالب، میر، نظیر اکبر آبادی، شاد عظیم آبادی، شکیل بدایونی، محمد رفیع، مجروح سلطان پوری، کیفی اعظمی، ناصر کاظمی، پروین شاکر کے علاوہ شبلی نعمانی، سرسیّد، سجاد حیدر یلدرم، رحمت الٰہی برق اعظمی، اسرار الحق مجاز، جوش ملیح آبادی، جگر مرادآبادی، عبدالعزیز

یاسؔ چاند پوری، امتیاز علی تاجؔ، ابن صفی، وزیر آغا، ابن انشاء، پروفیسر امیر حسن عابدی، ڈاکٹر قمر رئیس، مقبول فدا حسین اور نواب پٹودی جیسی تمام اہم میدانوں کی قد آور شخصیات پر انہوں نے اتنا کچھ لکھا ہے کہ......

سفینہ چاہئے اس بحر بیکراں کے لئے

موصوف کی موضوعاتی نظمیں گلوبل وارمنگ، ماحولیات پولیو، ایڈز، سائنس اور مختلف عالمی دنوں جیسے موضوعات کا احاطہ کرتی ہیں۔اس قبیل کی اب تک تحریر کردہ ان کی کاوشوں سے کئی ضخیم مجموعے تیار ہو سکتے ہیں اور یہ گرمئ تحریر تا دم تحریر جاری ہے۔

موضوعاتی شاعری کے تحت ڈاکٹر احمد علی برقیؔ اعظمی نے ماحولیات، سائنس، بین الاقوامی دنوں، اور آفات ارضی و سماوی وغیرہ پر بھی بہت کچھ لکھا ہے، جس کا علاحدہ مجموعہ مرتب کیا جا سکتا ہے۔ 2010 میں جناب اعجاز عبید نے موصوف کی 50 موضوعاتی نظموں کا انتخاب ''برقی شعاعیں'' کے نام سے برقی کتاب کی شکل میں شائع کیا تھا۔ موصوف برقیؔ اعظمی نے ڈاکٹر محمد اسلم پرویز کی ادارت میں شائع ہونے والے ماہنامہ ''سائنس'' میں 6 سال تک ہر ماہ مسلسل موضوعاتی نظمیں لکھی ہیں۔ مزید برآں ڈاکٹر برقیؔ اعظمی آج بھی کئی ویب سائٹس، جیسے اُردو انجمن، اُردو جہاں، اُردو گلبن، اُردو بندھن، شام سخن، اُردو دُنیا، آبجو، شعر و سخن وغیرہ سے وابستہ ہیں۔آج بھی ان کی بداہت گوئی کا یہ عالم ہے کہ وہ فیس بک، اُردو لٹریری فورم، محاسن ادب، انحراف ادبی گروپ، فن اور فنکار، جدید ادبی تنقید، محمد معز خان صاحب کی محفل مشاعرہ و دیگر ویب سائٹس اور ادبی فورموں کی ہفت روزہ، پندرہ روزہ، ماہانہ اور سہ ماہی نشستوں میں اپنی فی البدیہہ طرحی، غیر طرحی اور عام تخلیقات شیئر کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے فی البدیہہ منظوم تبصرے بھی رقم فرماتے ہیں۔ وہ آج بھی فیس بک پر اور دُنیا بھر کی کئی ویب سائٹوں پر فی البدیہہ طرحی اور عام مشاعروں میں پابندی سے شرکت کرتے ہیں۔ انہوں نے درجنوں کتب پر بھی اپنے تاثرات اور تبصروں کو منظوم شکل میں پیش کیا ہے۔موصوف نے اپنے زیر ترتیب شعری مجموعے ''روحِ سخن'' پر اپنا منظوم پیش لفظ بھی تحریر فرمایا ہے۔ ڈاکٹر برقیؔ اعظمی کی فی البدیہہ شاعری اس

وقت اپنے شباب پر ہے۔ فی الحال وہ کئی ویب سائٹس، انٹرنیٹ کے فورموں اور بلاگوں کے لئے فی البدیہہ لکھ رہے ہیں۔ بداہت گوئی کے لحاظ سے ڈاکٹر برقیؔ اعظمی کا فیس بک پر روز شائع ہونے والا کلام بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ وہ کبھی کسی انگریزی نظم کا اُردو میں فی البدیہہ ترجمہ پیش کردیتے ہیں، کبھی کسی مشہور و معروف شخصیت کے انتقال پُر ملال پر منظوم تعزیتی پیغام اَپ لوڈ کر دیتے ہیں، کبھی کسی صاحب ہنر کو اعزاز و اکرام سے نوازے جانے پر اس کی زندگی کی حصولیابیوں پر فی البدیہہ مختصر سوانح اور کارناموں پر مشتمل پر زور نظم پیش کر دیتے ہیں۔ الغرض سارا دار مدار اپیلنگ پر ہے۔ جو چیز ان کو اپیل کرتی ہے اس کے بارے میں اپنے تاثرات، خیالات، تجزیات فی الفور منظوم صورت میں حاضر کر دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ رسمی طور پر فیس بک پر احباب اپنی مختلف تخلیقات میں برقیؔ صاحب کو ٹیگ کرتے ہیں جن پر اپنا مختصر تبصرہ بھی وہ اکثر اشعار کی صورت میں پیش کرتے ہیں جو اُن کی فی البدیہہ شاعری کی ایک بہت بڑی دلیل اور جیتی جاگتی مثال ہے۔

ان سب کے باوجود ان کی گمنامی کی سب سے بڑی وجوہات میں کچھ ان کی گوناں گوں مصروفیات اور کچھ مخصوص اداروں کی بے توجہی کارفرما رہی، جس کی وجہ سے وہ زمینی سطح پر بہت کم آمیز واقع ہوئے ہیں۔ ڈاکٹر برقیؔ اعظمی تقریبا 28 سالوں سے آل انڈیا ریڈیو کے شعبۂ فارسی سے منسلک ہیں۔ اتنے طاقتور سوشل میڈیا سے طویل وابستگی کے باوجود انہوں نے کبھی بھی اس کا استعمال اپنے ذاتی مقاصد کے لئے نہیں کیا۔ حالانکہ فن شاعری میں ان کے اعلی مقام کے پیش نظر اگر وہ چاہتے تو آج پوری اُردو دُنیا میں برقیؔ اعظمی کا طوطی بولتا، مگر اپنی خودداری، قناعت پسندی اور عزلت پسندی کے پیش نظر وہ گوشۂ گمنامی میں قید رہے۔ اس تلخ حقیقت کے درد کو انہوں نے اپنے ایک شعر میں کچھ اس طرح بیان کیا ہے......

ہوتا زمانہ ساز تو سب جانتے مجھے
کیا خوئے بے نیازی ہے دیوانہ پن مرا

......اسی کرب کو ایک جگہ وہ یوں بیان کرتے ہیں......

ویب سائٹوں پر لوگ ہیں خوش فہمی کا شکار
نا آشنائے حال ہیں ہمسائے بھی مرے

......ایک جگہ یوں فرماتے ہیں......

فصیل شہر سے باہر نہیں کسی کو خبر
بہت سے اہل ہنر یوں ہی مر گئے چپ چاپ

یہ حقیقت ہے کہ انہوں نے نمائش سے قطع نظر عزلت پسندی اور گوشہ گیری کو ترجیح دی۔ حالانکہ وہ چاہتے تو آل انڈیا ریڈیو کی ''اُردو سروس'' اور'' اردو مجلس'' کی ماہانہ نشستوں میں شریک ہوکر اپنے کلام کے جوہر دکھا سکتے تھے، مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ اتنے پاورفل میڈیا سے وابستگی کے باوجود انہوں نے خود کو پروجیکٹ کرنے سے گریز کیا اور وہ آج بھی اپنی اسی روش پر قائم ہیں۔ اب وقت آ گیا ہے اور یہ ہماری صحافتی برادری کی اب مشترکہ ذمہ داری بھی ہے کہ ''حق بحق دار رسد'' کے تحت اُردو ادب میں ڈاکٹر برقیؔ اعظمی کے مقام کا تعین کیا جائے اور ان کی خدمات کا دل کھول کر اعتراف کیا جائے۔

میدان شعروسخن میں وہ آج بھی سرگرم سفر ہیں- دہلی کی مقامی ادبی نشستوں میں پابندی سے شریک ہوتے ہیں۔ فیس بک پر موجود ان کے البم میں ایک ہزار سے زائد غزلیں اور نظمیں دیکھی جا سکتی ہیں، علاوہ ازیں ان کی تخلیقات دیگر ویب سائٹس، رسائل و اخبارات، مثلاً بزم سہارا، راشٹریہ سہارا، نئی دُنیا، گواہ (حیدرآباد)، اُردو لنک (شکاگو)، لمس کی خوشبو (حیدرآباد) وغیرہ میں تواتر کے ساتھ شائع ہوتی رہتی ہیں۔ برقیؔ اعظمی کی شاعرانہ خصوصیات و محاسن کا احاطہ اس مختصر مضمون میں نہایت دشوار ہے میں بس اسی پر اکتفا کروں گا کہ......

دامانِ نگہ تنگ و گلِ حسن تو بسیار

○○

ـــ اسرار احمد رازیؔ قاسمی
ذاکر نگر، نئی دہلی 25

عصری شاعری میں غزلیہ ہیئت کا نگہبان

اظہارِ ذات اور اظہارِ کائیات کے لیے دورِ حاضر میں نظم کو اہمیت حاصل ہوتی جارہی ہے جب کہ طویل عرصے تک قطعہ بند اور غزلیہ اشعار کے توسط سے ہی تمام اظہارات کو مربوط کردیا گیا تھا، اگر چہ عصری آگہی کی رمق نظم نگاری کے زیر اثر پروان چڑھ رہی ہے اور آزاد نظم اور معرّیٰ نظم کے علاوہ نثری نظم کے عنوانات سے بیشتر شعراء کیفیاتی فضا اور ماحولیاتی اظہار کو نمونہ بنا کر شاعری کی جوت جگا رہے ہیں لیکن نظم کے وسیع میدان میں غزل کی ہیئت کو برقرار رکھتے ہوئے موضوعاتی غزلِ مسلسل لکھ کر اپنا تعارف اور اُردو کے مرحوم شعراء کو خراجِ عقیدت اور پھر غزل گوئی کے ذریعہ منفرد لب و لہجے کی نمائندگی کرنے والے شاعروں میں ڈاکٹر احمد علی برقیؔ اعظمی کا شمار ہوتا ہے جو رواں بحروں کے انتخاب اور اضافتوں سے اجتناب برتتے ہوئے خالص سہلِ ممتنع میں غزل لکھنے پر کافی عبور رکھتے ہیں۔ انہوں نے اپنا تعارف خود غزلیہ انداز میں منظوم کرکے یہ ثابت کردیا ہے کہ غزل کی شعری ہیئت پر انہیں کافی عبور حاصل ہے اور مردّف ہی نہیں بلکہ غیر مردّف غزلیہ ہیئت کے ذریعہ وہ نعتِ شریف لکھنے اور غزل کے موضوعات کو پیش کرنے کے ساتھ ساتھ شاعروں کو منظوم نذرانہ پیش کرنے کے لیے بھی غزل کی ہیئت کا استعمال کرتے ہیں۔ کسی شاعر کی یہ انفرادیت ہی اس کی ادبی شناخت کے لیے کافی ہے۔ برقیؔ اعظمی نے اس چھ غزلیہ اشعار میں جس انداز سے اپنا منظوم تعارف پیش کیا ہے اس سے خود اندازہ لگانا آسان ہوجاتا ہے کہ سادہ لفظوں اور

رواں تراکیب کے ذریعہ شعر گوئی کرنے اور اس میں معنویت کے دفتر پوشیدہ رکھنے کا ہنر احمد علی برقیؔ اعظمی کو خوب آتا ہے اور انہوں نے اپنی شاعری کے لیے غزل کی ہیئت کا استعمال کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اکیسویں صدی میں قدم رکھتے ہوئے غزل کی ہیئت میں اس قدر جان ہے کہ وہ عصرِ حاضر کے تمام نئے مسائل کو اسی ہیئت میں پیش کرنے کی صلاحیت سے مالامال ہے۔ سب سے پہلے شاعر کے تعارف کو ملاحظہ فرمایئے کہ وہ کس روانی کے ساتھ غزل لکھتا ہے اور اسی غزل میں اپنے تعارف کو بھی پیش کرنے میں کامیابی حاصل کر لیتا ہے۔شاعر کا منظوم تعارف غزلیہ لب و لہجے میں ملاحظہ ہو......

شہر اعظم گڑھ ہے برقیؔ میرا آبائی وطن
جس کی عظمت کے نشاں ہیں ہر طرف جلوہ فگن
میرے والد تھے وہاں پر مرجعِ اہلِ نظر
جن کے فکر وفن کا مجموعہ ہے تنویرِ سخن
نام تھا رحمت الٰہی اور تخلص برقیؔ تھا
ضو فگن تھی جس کے دم سے محفلِ شعر و سخن
آج میں جو کچھ ہوں وہ ہے اُن کا فیضانِ نظر
اُن سے ورثے میں ملا مجھ کو شعورِ فکر و فن
راجدھانی دہلی میں ہوں ایک عرصے سے مقیم
کر رہا ہوں میں یہاں پر خدمتِ اہلِ وطن
ریڈیو کے فارسی شعبے سے ہوں میں منسلک
میرا عصری آگہی برقیؔ ہے موضوعِ سخن

سادہ اور رواں لفظوں کے ذریعہ غیر مردّف غزلیہ اشعار کے توسط سے ڈاکٹر احمد علی برقیؔ اعظمی نے جس ہمہ دانی کے ساتھ تعارف کروایا ہے وہ خود اس بات کی دلیل

ہے کہ شاعر کو علمِ عروض اور شاعری ہی نہیں بلکہ شعری پیراہن میں کسی کیفیت کو بیان کرنے کی خصوصیت پر پوری طرح عبور حاصل ہے اور یہ اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں یہ صلاحیت خدا کی جانب سے عطا ہوئی ہے اور مشقِ سخن نے انہیں مکمل شاعر کی حیثیت سے رُوشناس کرایا ہے۔ اس منظوم تعارف سے خود اندازہ ہوجاتا ہے کہ برقیؔ اعظمی عصری حسیات سے مالا مال ایسے شاعر ہیں جو صرف اور صرف غزلیہ پیراہن کے توسط سے ہر موضوع اور ہر کیفیت کو بیان کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ نعت جیسی مشکل صنف کو بھی رواں بحر میں پیش کر کے برقیؔ اعظمی نے اپنی فنی خوبیوں کا اظہار کیا ہے، جس کو محسوس کرنے کے لیے نعت کے چند اشعار پیش ہیں جن میں روانی اور تسلسل کے علاوہ خیال کے بہاؤ کی ایسی خوبی پائی جاتی ہے کہ جس کی مثال اُردو کے بہت کم شعراء کے کلام میں دکھائی دیتی ہے......

ہدایت کی شمعِ فروزاں تم ہی ہو
خدا خود ہے جس کا ثنا خواں تم ہی ہو
ہے قول و عمل جس کا یکساں تم ہی ہو
کتابِ سعادت کا عنواں تم ہی ہو
نہیں جس کا کونین میں کوئی ثانی
ہیں جن و بشر جس پہ نازاں تم ہی ہو
زباں جس کی برقیؔ ہے قرآنِ ناطق
جو ہیں سر بسر نورِ یزداں تم ہی ہو

بلا شبہ فخرِ موجودات، احمدِ مجتبیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کے لیے جس دل گداز لب و لہجے کو استعمال کر کے برقیؔ اعظمی نے شعری فن کا اظہار کیا ہے اس کی مثال نعتیہ شاعری میں بھی ملنی مشکل ہے اور یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ برقیؔ اعظمی صرف تفننِ طبع یا پھر شعر گوئی کا حق ادا کرنے کے لیے کلام نہیں لکھتے بلکہ علمِ عروض کی

پنہائیوں کو اپنے اندر سمو کر جب شاعری میں ڈوب جاتے ہیں تب شعر کہتے ہیں اسی لیے اُن کی شاعری میں نہ صرف اصلیت اور سادگی بلکہ جوش کے علاوہ تفحّص الفاظ اور مشاہدۂ ذات و کائنات کی وہ تمام خوبیاں شامل ہوجاتی ہیں جنہیں مولانا حالیؔ نے شاعری کی ضرورتیں قرار دے کر یہ ثابت کیا تھا کہ ان پانچوں عوامل کے ملنے کی وجہ سے ہی اعلیٰ ترین شاعری کے نمونے منظرِ عام پر آتے ہیں۔ غرض اکیسویں صدی میں داخل ہوتے ہوئے مولانا حالیؔ کی تنقیدی روایات کا پاس و لحاظ رکھتے ہوئے برقیؔ اعظمی نے غزل کی ہیئت کی برقراری کے ساتھ ایک ایسی دُنیا سجائی ہے جس میں موضوعات کے تنوع کے ساتھ ساتھ اظہارات کی ہمہ گیری اور خیالات کی پیش قدمی کا ایسا رجحان پایا جاتا ہے کہ جس کی مثال اُردو شاعری میں دو صدیوں میں ملنی مشکل ہے۔ حالیؔ نے شاعری کو سادہ اور آسان بنایا لیکن حالیؔ کے بعد کے تمام نظم نگار شعراء جیسے چکبستؔ، دیا شنکر نسیمؔ، تلوکؔ چند محروم، علامہ اقبالؔ، جوشؔ ملیح آبادی حتیٰ کہ ترقی پسند شاعروں نے بھی نظم کی شاعری کو پیچیدہ تراکیب اور تشبیہات اور استعارات کی دُنیا سے وابستہ کر کے شاعری کو سادگی سے دُور کر دیا، اگر اُس دَور میں سادہ لفظیات کے ساتھ شاعری کو فروغ دینے والے شعراء کا نام لیا جائے تو اُن میں جگرؔ، فانیؔ، حسرتؔ اور خمارؔ جیسے شعراء دکھائی دیتے ہیں جنہوں نے سادہ لفظیات کے ساتھ شاعری میں پُرکاری کے حُسن کو شامل کر دیا۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو ڈاکٹر احمد علی برقیؔ اعظمی اسی روایت کی توسیع کے علمبردار نظر آتے ہیں اور انہوں نے بطورِ خاص غزل کے لب و لہجے اور اُس کی ہیئت کو برقرار رکھتے ہوئے موضوعاتی شاعری کر کے یہ ثابت کر دیا کہ غزل کی ہیئت صرف حسن و عشق اور گل و بلبل کی شاعری کی نمائندہ نہیں بلکہ عصرِ حاضر کے مسائل کی پیش کشی اسی غزلیہ ہیئت کی شاعری میں ممکن ہے۔ چنانچہ انہوں نے دورِ حاضر کے نمائندہ مسائل کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ایسی شاعری کی طرف توجہ دی جو موضوعات کا احاطہ کرتے ہوئے بہتر اظہار کی نشاندہی کرتی ہے۔ اس اظہار کے لیے انہوں نے انگریزی لفظیات کو بھی غزلیہ اشعار کا پیرہن بخش دیا۔ غزل کی ہیئت میں لکھی اُن کی

نظم ''ہے آلودگی نوعِ انسان کی دشمن'' کے چند اشعار پیش ہیں جس میں شاعر نے انگریزی لفظیات کو بھی غزلیہ آہنگ میں شامل کرتے ہوئے نئی ندرت کا ثبوت فراہم کیا ہے۔

سلو پوائزن ہے فضا میں پلیوشن
ہر اک شخص پر یہ حقیقت ہے روشن

یوں ہی لوگ بے موت مرتے رہیں گے
نہ ہوگا اگر جلد اس کا سلیوشن

بڑے شہر ہیں زد میں آلودگی کے
جو حسّاس ہیں اُن کو ہے اس سے اُلجھن

فضا میں ہیں تحلیل مسموم گیسیں
ہیں محدود ماحول میں آکسیجن

جدھر دیکھیے ''کاربن'' کے اثر سے
ہیں مائل بہ پژ مردگی صحنِ گلشن

کسی کو ہے ''دمہ'' کسی کو ''الرجی''
مکدّر ہوا ہے کسی کو ہے ٹینشن

سلامت رہے جذبۂ خیر خواہی
چھڑائیں سبھی اس مصیبت سے دامن

طویل نظم کے چند اشعار پیش کر کے یہ بات ثابت کی جا رہی ہے کہ احمد علی برقیؔ اعظمی نے ایک ایسے عہد میں موضوعاتی غزلیں لکھ کر نظمیہ کیفیت پیدا کرنے میں کامیابی حاصل کر لی ہے اور دورِ حاضر کے مروجہ انگریزی الفاظ کو اُن میں جگہ دے کر اسلوب کی ایسی سطح نمودار کی ہے جسے برقیؔ اعظمی کی جدّت ہی نہیں بلکہ اُن کی ایجاد سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ برقیؔ اعظمی معاصر ادب کے ایک ایسے نباض شاعر ہیں جنہوں نے عصری

ماحول اور اُس میں پیدا ہونے والی بے ضابطگیوں کی نبض پر ہاتھ رکھ کر نہ صرف بیماری کی شناخت کی ہے بلکہ اُس کے لیے موزوں اسلوب کی دوا بھی پیش کردی ہے۔انہوں نے غزل کی محدود ہیئت کو لامحدود بنا کر موضوعاتی تنوع کو اس انداز سے شامل کیا ہے کہ غزل میں بھی نظم کا حُسن نمایاں ہورہا ہے اس لیے انہیں مبارکباد دی جانی چاہیے کہ اُن کی غزلیہ شاعری نے سماجی موضوعات کی پیش کشی میں کامیابی حاصل کر کے غزل کی ہیئت کی مؤثر نشاندہی کردی ہے۔رواں بحروں اور سادہ لفظوں کے ذریعہ پُر اثر بنانے والے شاعروں میں جگؔر مرادآبادی اپنی انفرادی شناخت رکھتے ہیں اور برقؔی اعظمی کی شاعری کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے جگؔر کی شاعری سے استفادے کی ایک نئی صورت منظرِعام پر لائی ہے اور وہ جگؔر کے تمام شاگردوں میں اس لیے ممتاز اور ممیّز ہیں کہ جگؔر کے مدح خوانوں نے یا تو غزل کی شاعری کو اپنایا یا پھر خالص ہندوستانی کھیت کھلیان کی کیفیت کو شاعری میں پیش کر کے جگؔر کی نمائندگی کا حق ادا کیا، اس کے بجائے برقؔی اعظمی نے جگؔر کے لب و لہجے کو سلامت رکھتے ہوئے غزل کی دُنیا میں نظمیہ لطافت کو شامل کرنے میں کامیابی حاصل کی اور یہی خوبی برقی اعظمی کی شعری شناخت کا وسیلہ بن جاتی ہے۔

دورِ حاضر کے جدید موضوعات میں خاص طور پر ''گلوبل وارمنگ'' کو ہی ردیف بنا کر انہوں نے طویل غزلیہ نظم لکھی اسی طرح انٹرنٹ، عالمی سائنس ڈے، عالمی ارض ڈے، ایڈز کا سدِّ باب، آلودگی باعثِ حادثات، آلودگی مٹائیں جیسے موضوعات کو بھی غزلیہ شاعری میں پیش کرتے ہوئے برقی اعظمی نے ندرتِ فکر اور موضوع کی پیش کشی کے معاملے میں حد درجہ کامیابی حاصل کی ہے۔

ہر موضوع پر اُن کی شاعری میں غزلیہ ہیئت کی نظمیں موجود ہیں اور رواں لب و لہجے کی وجہ سے اُن کی شاعری نہ صرف عام فہم اور دل کو متاثر کرتی ہے بلکہ اُس کی روانی شعر کو گنگنانے اور اُسے یاد کر لینے کا سبب بھی بن جاتی ہے۔اُن کی غیر مردّف غزلیہ ہیئت میں پیش کردہ موضوعاتی غزل کا عنوان ہے''منحصر ہے آج انٹرنٹ پہ دُنیا کا نظام''

کے چند اشعار ملاحظہ ہوں جن میں انٹرنٹ کی انگلش لفظیات کو انہوں نے بڑی ہی چابکدستی کے ساتھ استعمال کیا۔نظم کے غزلیہ لہجے میں اظہار اور تسلسل کی روانی کو ہر ادب دوست محسوس کرسکتا ہے......

منحصر ہے آج انٹرنیٹ پہ دُنیا کا نظام
اشہبِ دوراں کی ہے اس کے ہی ہاتھوں میں لگام
''ورلڈ وائڈ ویب''میں ہے ممتاز'گوگل ڈاٹ کام'
استفادہ کررہے ہیں آج اس سے خاص و عام
سب سوالوں کا تسلّی بخش دیتی ہے جواب
اس لیے مشہور ہے سارے جہاں میں اس کا نام
ہیں ''ریڈف میل'' اور''یاہو'' بھی نہایت کارگر
جاری و ساری ہے ان کا بھی سبھی پر فیضِ عام
خدمتِ اُردو میں ہے مصروف''اردستان'' اور
''انڈین مسلمس''،''ٹو سرکلس' خبریں ڈاٹ کام
ہیں یہ ویب سائٹ ضرورت وقت کی احمد علی
اس لیے اہلِ نظر کرتے ہیں ان کا اہتمام

ڈاکٹر احمد علی برقؔی اعظمی نے غزلیہ ہیئت کو کام میں لاتے ہوئے جتنی بھی نظمیں لکھی ہیں اُن میں اکثر جگہوں پر مردّف رویے کو اختیار کیا ہے کہیں کہیں غیر مردّف لہجے کی بھی نمائندگی کی ہے۔بلا شبہ غزلیہ ہیئت میں خیالات نظم کرنے کے لیے غیر مردّف ہیئت کو ہی ترسیل کی تکمیل کا موقع حاصل ہوجاتا ہے اس لیے برقؔی اعظمی کی شاعری میں اسی طرز کی مؤثر نمائندگی موجود ہے، اس کے علاوہ برقؔی اعظمی کا ایک اہم کارنامہ یہ بھی کہ انہوں نے''یادِ رفتگاں'' کے زیرِ عنوان اُردو کے مرحوم شاعروں اور ادیبوں کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لیے بھی غزلیہ ہیئت میں اظہارِ خیال کیا ہے، انہوں نے معاصر

شاعروں اور ادیبوں کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے ''شخصی مرثیہ'' کے توسط سے ابنِ صفی، مشتاق احمد یوسفی، احمد فرازؔ اور فیض احمد فیضؔ اور علامہ اقبالؔ کی ستائش کے لیے غزل کی ہیئت میں بہترین خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔ ہر شاعر اور ادیب پر لکھی ہوئی اُن کی غزل نما نظموں کو نمونے کے طور پر پیش کرنا سخت دشوار ہے، اس لیے ابنِ صفی کی یاد میں اُن کا منظوم خراجِ عقیدت بطورِ نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔ غزل کے اس انداز میں بھی انہوں نے یادِ رفتگاں کے زیرِ عنوان غیر مردّف غزلیہ ہیئت کو پیشِ نظر رکھا ہے۔
ابنِ صفی مرحوم کی یاد میں اُن کے چند اشعار بطورِ نمونہ پیش ہیں......

ابنِ صفی سپہرِ ادب کے تھے ماہتاب
اُردو ادب میں جن کا نہیں ہے کوئی جواب
وہ اپنے دوستوں کے دلوں میں ہے آج تک
ویب سائٹ اُن کی کیوں نہ ہو عالم میں انتخاب
جاسوسی ناولوں میں جو ہیں اُن کے شاہکار
اپنی مثال آپ ہیں وہ اور لاجواب
کرداروں کی زبان سے اپنے سماج کے
وہ کر رہے تھے تلخ حقائق کو بے نقاب
برقیؔ جو اُن کا فرض تھا وہ تو نبھا گئے
ہے اقتضائے وقت کریں اُس کا احتساب

ڈاکٹر احمد علی برقیؔ نے مرحوم شاعروں اور ادیبوں کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لیے بھی سادہ لب و لہجے کی توسط سے غزلیہ ہیئت میں فن کے گُن گائے ہیں۔ اس سے خود اندازہ ہوتا ہے کہ برقیؔ اعظمی ہر خیال اور موضوع کو پوری تابنا کی کے ساتھ شعر میں پیش کرنے کی صلاحیت سے مالا مال ہیں، البتہ یہ ایک حقیقت واضح ہوتی ہے کہ انہوں نے غزل کی ہیئت کے لیے بے شمار عروضی آہنگ کو نظر انداز

کرتے ہوئے صرف ان ہی بحروں کا انتخاب کیا جو رواں اور دل بستگی کا سامان فراہم کرتی ہیں۔ بعض اوقات ایک ہی بحر میں استعمال ہونے والی کئی موضوعاتی نظمیں اور خراجِ عقیدت کا انداز اُن کی شاعری کو یکسانیت سے ہم آہنگ کر دیتا ہے لیکن اُن کے شاعرانہ تشخّص کو بہر حال قبول کیا جانا چاہیے۔ بے شمار موضوعاتی نظموں، یادِ رفتگان اور اپنے تعارف کے علاوہ نعت اور غزلوں کے ذریعہ برقیؔ اعظمی نے اعلیٰ انداز کی محفل سجائی ہے اور اُن کی غزلوں میں بھی وہی سادگی اور روانی کام کر جاتی ہے جو شعر کی تفہیم کے ساتھ ساتھ اُس کی ترسیل کا حق بھی ادا کرتی ہے۔ چونکہ انہیں جگرؔ مراد آبادی کے رنگِ تغزّل سے خصوصی دلچسپی ہے اور وہ خود کو جگرؔ کے پیرو قرار دیتے ہیں۔ اس لیے جگرؔ کی غزلوں کی زمینوں میں انہوں نے نذرِ جگرؔ مراد آبادی کا جو ایوان سجایا ہے وہ بھی بذاتِ خود ادب کا ایک اہم حصہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ جگرؔ کو اُن کی غزلوں کی زمینوں میں خراجِ عقیدت پیش کرنا بھی ایک مشکل رویہ ہے لیکن اس مرحلے میں بھی برقیؔ اعظمی ثابت قدمی سے اپنی راہ کا تعین کر لیتے ہیں۔ جگرؔ کے بارے میں اُن کی نذرِ جگرؔ والی غزلیہ ہیئت کی نظموں سے چند اشعار پیش ہیں جس میں انہوں نے جگر کی غزلوں کی زمینوں کو بروئے کار لایا ہے......

ہے جگرؔ کی شاعری برقیؔ حدیثِ دلبری
اس تغزّل نے بنا ڈالا ہے دیوانہ مجھے

نذرِ جگرؔ کے چند اور شعر جو بذاتِ خود برقیؔ اعظمی نے جگر کے لب و لہجے کو برقرار رکھتے ہوئے پیش کیا ہے ملاحظہ ہو......

میں جدائی تری کس طرح سہوں شام کے بعد
بن ترے تُو ہی بتا کیسے رہوں شام کے بعد
جُز ترے کون کرے گا مری وحشت کا علاج
کس سے میں اپنا کہوں حالِ زبوں شام کے بعد

آتا رہتا ہے مرے ذہن میں اکثر یہ خیال
کیا ملے گا کبھی مجھ کو بھی سکوں شام کے بعد

ضبط کرتا ہوں بہت احمد علی برقیؔ مگر
بڑھنے لگتا ہے مرا جوشِ جنوں شام کے بعد

برقیؔ اعظمی نے کئی غزلوں میں جگرؔ کے انداز کو برقرار رکھتے ہوئے انہیں اُن کی زمینوں میں خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔اُن کی غزلوں میں بھی فطری روانی اور غزل کی چابکدستی نمایاں ہوتی ہے۔وہ طویل غزلیں لکھنے پر بھی قدرت رکھتے ہیں اور اُن کی غزلوں میں قافیے بڑے چست اور معنی خیز ہوتے ہیں۔ وہ بڑی چابکدستی کے ساتھ خیالات کو لفظوں کے بندھن میں باندھنے کا ہنر رکھتے ہیں اور خاص بات یہی ہے کہ انہوں نے غزل کی روایتی خصوصیات کو بنائے رکھنے میں اپنے فن کو شدّت کے ساتھ استعمال کیا ہے۔اُن کی غزلوں سے کسی مختص شعر کا انتخاب کر کے پیش کرنا سخت دشوار ہے کیونکہ ہر شعر اپنی وحدت اور خیال کی باریک بینی کی وجہ سے کیفیاتی فضا قائم کرنے میں منفرد ہے البتہ انہوں نے اپنے مقطعوں میں جس ندرت اور پاکیزہ خیالی کو پیشِ نظر رکھا ہے اُس کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے اُن کی غزلوں کے چند مقطعے بطورِ نمونہ پیش ہیں......

طبیعت ہے برقیؔ کی جدّت پسند
کسی نے نہیں جو کیا کر چلے

کچھ نہ آئی کام میری اشک باری ہجر میں
سو صفر جوڑے مگر برقیؔ نتیجہ تھا صفر

ناکامیوں سے کم نہ ہوا میرا حوصلہ
برقیؔ قدم میں آگے بڑھاتا چلا گیا

سفر دشتِ تمنا کا بہت دشوار ہے برقیؔ
پہنچ جاؤں گا میں لیکن وہاں لغزیدہ لغزیدہ

برقیؔ کے حالِ زار تھی اُس نے نہ لی خبر
وہ کر رہا تھا نامہ نگاری تمام رات

برقیؔ اعظمی رواں بحروں میں غزل لکھنے کی حسن کاری سے بخوبی واقف ہیں اور وہ جمالیاتی احساس کو غزل میں شامل کر کے ایک جانب تو شعری کائنات سجاتے ہیں تو دوسری جانب احساس کی گرمی کے توسط سے اپنے کلام کو تاثیر سے وابستہ کرتے ہیں۔ اُن کی شاعری کے یہ چند ایسے اوصاف ہیں جو عصرِ حاضر کے شاعروں میں خال خال ہی نظر آتے ہیں۔اس لیے روانی اور سبک روی کے ساتھ غزل کی کائنات سجانے پر برقیؔ اعظمی کے کلام کا استقبال کرنا چاہیے اور یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے غزل کے اظہاری وسیلے کو وسعت دے کر اکیسویں صدی میں غزلیہ شاعری کی اہمیت اور افادیت کو حد درجہ مستحکم کر دیا ہے۔

○○

— ڈاکٹر محمد صدیق نقویؔ
ادونی
(آندھرا پردیش)

ڈاکٹر احمد علی برقیؔ اعظمی کی موضوعاتی شاعری

اُردو ادب میں موضوعاتی شاعری پر بہت کم توجہ دی گئی ہے۔قلی قطب شاہ سے لے کر ڈاکٹر احمد علی برقیؔ اعظمی تک اُردو ادب میں موضوعاتی شاعری نے جو ارتقائی سفر طے کیا ہے اس کا ایک طویل پس منظر ہے۔اس حقیقت کو فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ ہر موضوع کا تعلق بہ ظاہر محدود متن اور پس منظر سے ہوتا ہے مگر جہاں تک اس کے دائرۂ کار کا تعلق ہے تو یہ لا محدود ہوتا ہے۔ماضی میں اس رجحان کو انجمن پنجاب کی خیال انگیز اور فکر پرور تحریک سے ایک ولولہ تازہ نصیب ہوا۔آقائے اُردو مولانا محمد حسین آزاد، خواجہ الطاف حسین حالیؔ، شبلیؔ نعمانی، اسمٰعیل میرٹھی اور متعدد زعما نے خونِ جگر سے اس صنف شاعری کی آبیاری کی اور اسے پروان چڑھانے میں اپنی تمام صلاحیتیں صرف کیں۔موضوعاتی شاعری اور اس کے پس پردہ کارفرما لاشعوری محرکات کا بہ نظرِ غائر جائزہ لینے سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ معاصر ادبی دور میں موضوعاتی شاعری نے اب ایک مضبوط اور مستحکم روایت کی صورت میں اپنی افادیت کا لوہا منوا لیا ہے۔اس طرح یہ روایت تاریخ کے مسلسل عمل کے اعجاز سے پروان چڑھتی ہوئی دَورِ جدید میں داخل ہوئی۔اس عہد میں ہمیں تمام اہم شعرا کے ہاں اس کے آثار دکھائی دیتے ہیں۔عالمی شہرت کے حامل نامور پاکستانی ادیب اور دانشور محسن بھوپالی کا ایک شعری مجموعہ ''موضوعاتی شاعری'' کے نام سے آج سے پندرہ برس قبل شائع ہوا تھا۔اس طرح اولیت کا اعزاز انھیں ملتا ہے۔ان کی نظم ''شہر آشوب

کراچی'' مقبول موضوعاتی نظم ہے۔اُردو کے روشن خیال ادیبوں نے نئے افکار، جدید اسالیب، اور زندگی کی نئی معنویت کو موضوعاتی شاعری کی اساس بنایا۔

ڈاکٹر احمد علی برقیؔ اعظمی کی شاعری میں موضوعات کا تنوع، جدت اور ہم گیری ان کی انفرادیت کا ثبوت ہے۔ان کی موضوعاتی شاعری جہاں کلاسیکی روایات کا پرتو لیے ہوئے ہے وہاں اس میں عصری آگہی کا عنصر بھی نمایاں ہے۔معاشرے، سماج اور اقوام عالم کے ساتھ قلبی وابستگی کے معجز نما اثر سے ان کے ہاں ایک بصیرت اور علمی سطح فائقہ دکھائی دیتی ہے۔وہ جس علمی سطح سے تخلیق فن کے لمحوں میں اپنی موجودگی کا احساس دلاتے ہیں اس کا براہِ راست تعلق آفاقیت سے ثابت ہوتا ہے۔فرد، معاشرے، سماج، وطن، اہل وطن، حیات، کائنات اور اس سے بھی آگے ارض و سما کی لا محدود نیرنگیاں ان کی موضوعاتی شاعری میں اس دلکشی سے سما گئی ہیں کہ قاری ان کے اسلوب بیاں سے مسحور ہو جاتا ہے۔ان کی یہ موضوعاتی شاعری منظوم تذکرے کی ایک منفرد صورت قرار دی جا سکتی ہے۔اس موضوعاتی شاعری میں منظوم انداز میں جو تنقیدی بصیرتیں جلوہ گر ہیں، وہ اپنی مثال آپ ہیں۔اس سے قبل ایسی کوئی مثال اُردو شاعری میں موجود نہیں۔انسان شناسی اور اسلوب کی تفہیم میں کوئی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔موضوعاتی نظموں میں جو منفرد اسلوب انھوں نے اپنایا ہے وہ اوروں سے تقلیدی طور پر بھی ممکن نہیں۔وہ لفظوں میں تصویر کھینچ کر رکھ دیتے ہیں اور قاری چشم تصور سے تمام حالات و واقعات سے آگاہ ہو جاتا ہے۔وہ اصلاحی اور تعمیری اقدار کو اساس بنا کر پرورش لوح و قلم میں مصروف رہتے ہیں۔ان کی شاعری میں قصیدہ گوئی یا مصلحت اندیشی کا کہیں گزر نہیں۔وہ ستائش اور صلے کی تمنا سے بے نیاز حریت فکر کے مجاہد کی طرح اپنے ضمیر کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے حرف صداقت لکھتے چلے جاتے ہیں۔ان کی موضوعاتی شاعری کا تعلق زیادہ تر مرحوم ادیب، شاعر، فنون لطیفہ کے نابغہ روزگار افراد اور فطرت کے مظاہر ہیں۔حق گوئی، بیباکی اور فطرت نگاری ان کی موضوعاتی شاعری کا نمایاں ترین وصف ہے۔

ایک زیرک تخلیق کار کی حیثیت سے ڈاکٹر احمد علی برقی اعظمی نے تخلیق فن کے لمحوں میں خون بن کر رگ سنگ میں اُترنے کی جو کامیاب سعی کی ہے وہ لائق صد رشک و تحسین ہے۔ ان کا تشخص اپنی تہذیب، ثقافت، کلاسیکی ادب اور اقوام عالم کے علوم وفنون کے ساتھ قرار پاتا ہے۔ وہ اقتضائے وقت کے مطابق تیزی سے بدلتی ہوئی دُنیا کے ساتھ عہد وفا استوار رکھتے ہیں اور اسی کو علاج گردش لیل و نہار قرار دیتے ہیں۔ وہ اس امر کی جانب متوجہ کرتے ہیں کہ اگر کوئی قوم اپنے اسلاف کی عظمت اور فکری میراث سے چشم پوشی کی مہلک غلطی کی مرتکب ہوتی ہے تو اس نے گویا یہ بات طے کر لی ہے کہ اسے اپنی ترقی اور عظمت سے کوئی سروکار نہیں ہے۔اسی لیے ڈاکٹر احمد علی برقی اعظمی نے عالمی شہرت کے حامل تخلیق کاروں کے بارے میں نہایت خلوص اور دردمندی سے کام لیتے ہوئے مثبت شعور اور آگہی پروان چڑھانے کی کوشش کی ہے۔کلاسیکی اُردو شعرا کے متعلق ان کی موضوعاتی شاعری ان کی انفرادیت کے حیران کُن پہلو سامنے لاتی ہے۔اس موضوعاتی شاعری میں ایک دھنک رنگ منظر نامہ ہے۔تخلیق کار نے ید بیضا کا معجزہ دکھایا ہے۔اس میں موضوعات کی ندرت، معروضی حقائق، خارجی اور داخلی کیفیات، انفرادی اور اجتماعی زندگی کے جملہ معمولات اس مہارت سے اشعار کے قالب میں ڈھالے گئے ہیں کہ قاری حیرت زدہ رہ جاتا ہے اور وہ پکار اُٹھتا ہے......

اے مصور تیرے ہاتھوں کی بلائیں لے لوں

اپنی موضوعاتی شاعری میں ڈاکٹر احمد علی برقی اعظمی نے جن عظیم شخصیات کو منظوم نذرانہ عقیدت پیش کیا ہے ان میں میر تقی میر، میرزا اسداللہ خان غالب، احمد فراز، پروین شاکر، شبنم رومانی، فیض احمد فیض، سیّد صادقین نقوی امروہوی (مصور)، مظفر وارثی اور متعدد تخلیق کاروں کو انھوں نے زبردست خراج تحسین پیش کیا ہے۔ زبان و بیان پر اُن کی خلاقانہ دسترس کا جادو سر چڑھ کر بولتا ہے۔ ان کے اسلوب میں پائی جانے والی اثر آفرینی قلب اور روح کی گہرائیوں میں اتر کر دامن دل کھینچتی ہے۔

انسانیت اور زندگی کی اقدار عالیہ کے ساتھ ڈاکٹر احمد علی برقی اعظمی کی والہانہ محبت ان کی موضوعاتی شاعری میں جس انداز میں جلوہ گر ہے، وہ ان کے ندرت تخیل اور انفرادی اسلوب کی شاندار مثال ہے۔ بے لوث محبت اور درد کا یہ رشتہ ان کی ایسی تخلیق ہے جس میں کوئی ان کا شریک اور سہیم نہیں۔وہ انسانیت کے وقار اور سربلندی کے داعی اور علمبردار ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ جغرافیائی حدود اور زمان و مکاں کے دائروں سے آگے نکل کر انسانیت کے آفاقی محور میں اپنا تخلیقی سفر جاری رکھے ہوئے ہیں۔سائنس کے غیر شخصی انداز سے قطع نظر ان کے اسلوب میں شخصی اور انفرادی انداز کی بوقلمونی اپنا رنگ جما رہی ہے۔ان کی موضوعاتی شاعری میں ان کا انفرادی اسلوب اس دلکش انداز میں صفحہ قرطاس پر منتقل ہوتا ہے کہ اُن کے قلبی احساسات، سچے جذبات، الفاظ اور زبان کی گہری معنویت، پر تاثیر اشاراتی کیفیات اور سب سے بڑھ کر تہذیبی میراث کا تحفظ ان کا مطمح نظر قرار دیا جا سکتا ہے۔انھوں نے ہمارے ادب، تہذیب و ثقافت اور تاریخ کی مستحسن اور عزیز ترین اقدار و روایات کو صیقل کیا ہے ان کی اس فکری وفنی کاوش نے متعدد تجربات، مشاہدات اور بصیرتوں کو پیرایۂ اظہار عطا کیا ہے۔ان کے سوتے ہمارے اسلاف کی فکری میراث سے پھوٹتے ہیں۔ ان کے مطالعہ سے قاری ان تمام مآخذ اور منابع سے آگہی حاصل کر لیتا ہے جن پر ابلق ایام کے موسموں کی گرد پڑ چکی ہے۔ ہمارا معاشرہ اور فطرت کے تقاضے اس جانب اشارہ کرتے ہیں کہ رخش عمر مسلسل رو میں ہے انسان کا ہاتھ نہ تو باگ پر ہے اور نہ ہی اس کے پاؤں رکاب میں ہیں۔ ان تمام تناسبوں اور تقاضوں کو ہمیشہ مدنظر رکھنا چاہیے۔شعوری سوچ اور گہرے غور و فکر کے بعد ڈاکٹر احمد علی برقی اعظمی نے موضوعاتی شاعری کو اپنے اسلوب کے طور پر اپنایا ہے۔یہ سب کچھ تاریخی شعور کا مرہون منت ہے جو حدود وقت، زماں اور لامکاں اور ارضی و سماوی قیود سے بالا تر ہے۔ایک جری اور زیرک تخلیق کار اسی شعور کو روبہ عمل لاتے ہوئے روایت کو استحکام عطا کرتا ہے۔وہ اپنی داخلی کیفیت سے مجبور ہوکر کسی بھی موضوع پر برجستہ اور فی البدیہہ لکھنے پر قادر ہیں۔یہ ان کی قادرالکلامی کا

ٹھوس ثبوت ہے۔ ان کا یہ اسلوب انھیں ممتاز اور منفرد مقام عطا کرتا ہے۔ ان کی تخلیقی فعالیت اور ادب پاروں سے اُردو زبان وادب کی ثروت میں جو بے پناہ اضافہ ہوا ہے وہ تاریخ ادب کا ایک درخشاں باب ہے۔ ان کے بار احسان سے اُردو زبان و ادب کے شیدائیوں کی گردن ہمیشہ خم رہے گی۔ان کے فن پاروں کی حقیقی قدر و قیمت کا تعین کرتے وقت قاری اس بات پر ضرور توجہ دیتا ہے کہ تخلیق کار نے کامیاب ابلاغ کے تمام طریقے پیش نظر رکھے ہیں ان میں اسلوب کی انفرادیت، الفاظ کا عمدہ انتخاب، سادگی اور سلاست، خلوص اور صداقت شامل ہیں۔ڈاکٹر احمد علی برقیؔ اعظمی کی موضوعاتی شاعری کا حقیقی استحسان کرنے کے لیے ذوق سلیم کا ہونا اشد ضروری ہے۔ وہ تزکیہ نفس کی ایسی صورتیں تلاش کر لیتے ہیں کہ فریب سود و زیاں سے گلو خلاصی کے امکانات پیدا ہو جاتے ہیں۔ انھوں نے مواد اور ہیئت کے جمالیاتی عناصر کو اس طرح شیر وشکر کر دیا ہے کہ ان کی موضوعاتی شاعری پتھروں سے بھی اپنی تاثیر کا لوہا منوا لیتی ہے۔ ان کی ادبی کامرانیوں کا اعتراف بہت ضروری ہے۔ تاریخ ہر دور میں اس نابغہ روزگار ادیب کے نام کی تعظیم کرے گی۔

پچاس صفحات پر مشتمل ''برقی شعاعیں'' ڈاکٹر احمد علی برقیؔ اعظمی کی وہ معرکۃ الآرا تصنیف ہے جس میں انھوں نے تاریخ ادب میں پہلی بار ماحولیات کے تحفظ کے موضوع پر نظمیں لکھی ہیں۔ یہ تمام نظمیں برقی کتاب کی شکل میں انٹرنیٹ پر بھی دستیاب ہیں۔ سرسیّد احمد خان نے علی گڑھ تحریک کے ذریعہ 1857ء میں برصغیر پاک و ہند کے عوام کی فلاح اور ملت اسلامیہ کی تعلیمی ترقی کے لیے جو فقید المثال خدمات انجام دیں انھیں خراج تحسین پیش کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں......

بیادِ سرسیّد احمد خاں......

ہے یہ سر سیّد کا فیضان نظر
جس نے شہر علم کے کھولے ہیں در

جس گھڑی کوئی نہ تھا پرسان حال
تھی بھلائی قوم کی پیش نظر
ان کا برقیؔ ہے یہ احسان عظیم
ہیں علوم عصر سے ہم باخبر

جدید اُردو ادب ہو یا قدیم کلاسیکی ادب ان کا مطالعہ بہت وسیع ہے۔ وہ ہر موضوع پر بے تکان لکھتے چلے جاتے ہیں۔ اپنے جذبات کا اظہار کرتے وقت وہ نہایت دلنشین انداز میں تمام حقائق کو اشعار کے قالب میں ڈھالتے ہیں۔''مشتے از خروارے'' کے مصداق چند موضوعاتی نظموں سے منتخب اشعار پیش خدمت ہیں۔ ان کے مطالعہ سے تخلیق کار کے اسلوب کا استحسانی مطالعہ ممکن ہے۔

میر تقی میرؔ......

میرؔ کی شاعری میں ہے سوز دروں
منعکس جس سے ہوتا ہے حال زبوں
ان کا رنگ تغزل ہے سب سے جدا
آج بھی جس سے ملتا ہے ذہنی سکوں

مرزا اسداللہ خان غالبؔ......

شہر دہلی ہے دیار غالبؔ
یہیں واقع ہے مزار غالبؔ
آج تک اُردو ادب کے برقیؔ
محسنوں میں ہے شمار غالبؔ

شبنم رومانیؔ......

چلے گئے شبنم رومانیؔ بجھ گئی شمع شعر و سخن
ہل نظر کو یاد رہے گا ان کا شعور فکر و فن

ابن صفؔی......

ابن صفی سپہر ادب کے تھے ماہتاب
اُردو ادب میں جن کا نہیں ہے کوئی جواب

شادؔ عظیم آبادی......

قصر اُردو کے تھے ستوں شادؔ عظیم آبادی
فکر و فن کے تھے فسوں شادؔ عظیم آبادی

عمر خالدی......

چل بسے اس جہاں سے عمر خالدی
درس حسن عمل تھی جن کی زندگی

راغبؔ مراد آبادی......

راغبؔ مراد آبادی جہاں میں نہیں رہے
جو تھے جہاں اُردو میں اک فخر روزگار
اُردو ادب کو ان پہ ہمیشہ رہے گا ناز
جن کے نوادرات ہیں اُردو کا شاہکار

ابن انشؔا (شیر محمد)......

ابن انشا کا نہیں کوئی جواب
ان کا حسن فکر و فن ہے لا جواب
ان کا طرز فکر و فن سب سے جدا
ان کا فن روشن ہے مثل آفتاب

ممتازؔ منگلوری......

ڈاکٹر ممتازؔ منگلوری بھی رُخصت ہو گئے
کیوں نہ ہو دُنیائے اُردو ان کے غم میں سوگوار

ان کی تصنیفات ہیں اُردو ادب کا شاہکار
ان کی ہیں خدمات ادبی باعث صد افتخار

سیّد صادقین امروہوی......

شاعر و خطاط و دانشور تھے سیّد صادقین
جن کا ہوتا تھا عظیم الشان لوگوں میں شمار
سرحدوں کی قید سے آزاد ہیں ان کے فنون
جن کے ہیں مداح اقصائے جہاں میں بے شمار

ڈاکٹر وزیر آغا......

ستون اُردو لرز رہا ہے نہیں رہے اب وزیر آغا
جسے بھی اُردو سے کچھ شغف ہے وہ نام سے ان کے ہے شناسا
نقوش ہیں لازوال ان کے تمام اصناف فکر و فن میں
سبھی کو ہے اعتراف اس کا ادب کے محسن تھے وہ سراپا

مظفر وارثی......

چھوڑکر ہم کو ہوئے رُخصت مظفر وارثی
جن کی عملی زندگی تھی مظہر حب نبی
نعت گوئی میں تھے وہ حسانِ ثانی برملا
ان کی غزلیں اور نظمیں تھیں سرود سرمدی

ڈاکٹر احمد علی برقیؔ اعظمی ایک راسخ العقیدہ مسلمان ہیں۔ ان کی موضوعاتی شاعری میں اس عشق کا برملا اظہار ملتا ہے۔ کسی قسم کی عصبیت ان کے اسلوب میں نہیں پائی جاتی۔ ان کا پیغام محبت ہے اور وہ اخوت کی جہانگیری اور محبت کی فراوانی کے مبلغ ہیں۔ اُردو کی فنی اور جمالیاتی اقدار کے فروغ میں ان کا جو کردار رہا ہے وہ لائق صد رشک و تحسین ہے۔ ان کی انفرادیت نے ان کو صاحب طرز ادیب کے منصب پر فائز

کیا ہے۔ ان کے ادبی وجود کا اثبات اور استحکام ان کی جدت، تنوع اور انفرادیت کا مرہونِ منت ہے۔ وہ تقلید کی کورانہ روش سے دامن بچا کر نئے زمانے نئے صبح و شام پیدا کرنے کے متمنی ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ افکار تازہ ہی سے جہان تازہ کا سراغ ملتا ہے۔ ایسے زیرک اور فعال تخلیق کار کا ادبی کام قابل قدر ہے۔ انھوں نے اپنی مستعدی اور تخلیقی فعالیت سے جمود کا خاتمہ کیا اور دلوں کو مرکز مہر و وفا کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ ان کے بارے میں یہ بات بلا خوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ ادب کا کوئی دیانتدار نقاد ان کی اس تخلیقی فعالیت کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ انھوں نے قحط الرجال کے موجودہ زمانے میں بھی انسانیت کے وقار اور سر بلندی کو اپنا شعار بنا رکھا ہے۔ ان کی شاعری اور اسلوب جس حسین اور دلکش انداز میں قاری کے شعور کو وسعت اور ذہن و ذکاوت کو لطافت سے فیضیاب کرتا ہے، وہ ان کے بلند پایہ تخلیق کار ہونے کی دلیل ہے۔ ان کی موضوعاتی شاعری کی بازگشت تا ابد سنائی دیتی رہے گی......

پڑھتے پھریں گے گلیوں میں ان ریختوں کو لوگ
مدت رہیں گی یاد یہ باتیں ہماریاں

OO

ـــ ڈاکٹر غلام شبیر رانا

برقیؔ اعظمی کی ''روحِ سخن''

ڈاکٹر احمد علی برقیؔ اعظمی جیسے قادرالکلام شاعر کے مجموعۂ شاعری ''روحِ سخن'' کے بارے میں اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے گھبراہٹ سی ہو رہی ہے...... کہاں وہ اور کہاں یہ ناچیز۔

برقیؔ اعظمی ایک زود گو شاعر ہیں۔ اُن کی زود گوئی ان کے کلام کے معیار پر اثر انداز نہیں ہوتی بلکہ اسے مہمیز کرتی ہے۔ اُن کی طبیعت میں جو ایک جولانی، جوش ولولہ اور زمزمہ ہے اسے حاصل کرنے میں انھوں نے نہ صرف پتہ مارا ہے بلکہ جگر کاوی کی ہے۔ یوں لگتا ہے کہ وہ ایک ساحر ایک جادوگر ہیں۔ اُن کے سامنے الفاظ تشبیہات تلمیحات اور محاورے قطار اندر قطار دست بستہ سر جھکائے کھڑے ہیں اور انتظار میں ہیں کہ کب برقیؔ صاحب حکم دیں اور وہ سجدہ بجا لائیں۔

اُردو ان کے گھر کی لونڈی ہے اور فارسی اُن کی دوست۔ انہوں نے ابوالکلام آزاد اور اقبالؔ کی فارسی غزلوں کو جس طرح اُردو کا جامہ پہنایا ہے تو یوں لگتا ہے کہ یہ غزلیں اُردو میں لکھی گئی ہیں۔ برقیؔ اعظمی کی قادرالکلامی تخلیقی قوت اور اسلوب کا تہور جان کر مجھے تین شاعر یاد آتے ہیں۔ میر انیسؔ، جوش ملیح آبادی اور جعفر طاہر۔ ان تینوں کو زبان و بیان پر جو قدرت حاصل تھی وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ انہوں نے طرح طرح اور متنوع موضوعات کو جس حُسنِ نزاکت اور دلنشینی سے پیش کیا ہے اُسے ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ وہ خدا داد صلاحیت ہے۔ تخلیقی عمل کا تجزیہ ایک بڑا کٹھن مرحلہ ہے اور اس

کے بارے میں کوئی عالم یا نقاد آخری رائے نہیں دے سکتا۔ برقیؔ اعظمی نے ان شاعروں کی صف میں کھڑے ہونے کی کاوش کی۔ انہوں نے ہیئت اور موضوع میں روایت کی پاسداری کرتے ہوئے جدید تقاضوں کو پس انداز نہیں ڈالا۔ ان کے اسلوب میں جو جوشِ بیان ہے وہ صرف الفاظ سے پیدا نہیں ہوتا اس کا تعلق بحر و آہنگ سے ہے۔ انہوں نے مشکل زمینوں اور لمبی بحروں سے اجتناب کیا۔ وہ اپنے تخیل کی صناعی اور فنکاری کو پورے طور پر بروئے کار لائے اور فن اور اسلوب کو ایک دوسرے میں مدغم کر کے ایک نیا شعری سانچا تخلیق کیا جس میں جذبات کی صداقت، انداز کی شیرینی اور حلاوت قدم قدم پر آپ کو ملتی ہے۔

غزل اپنی تنگ دامنی کی وجہ سے ردیف اور قافیہ میں قید ہے اور بہت سے موضوعات کو اس انداز میں پیش نہیں کرسکتی لیکن ایک قادرالکلام شاعر کے سامنے یہ تنگ دامانی کوئی معنی نہیں رکھتی۔ میرؔ، غالبؔ اور اقبالؔ نے جس طرح غزل کے امکانات میں ایسی وسعت پیدا کی کہ دُنیا کے سارے مسائل کا احاطہ کر لیا۔ برقیؔ اعظمی نے روایات کی پیروی کی وہ جذبات کو مصور کرتے ہیں اور خیالات کی تصویر بناتے ہیں۔

برقیؔ اعظمی نے اپنی غزلوں میں چھوٹی بحر کو استعمال کیا ہے۔ اُردو کے کلاسیکل شاعروں نے بھی یا درمیانی بحریں زیادہ استعمال کی ہیں۔ شاید بہت سے مضامیں کو ان بحروں میں بیان کیا جا سکتا ہے۔ میر تقی میرؔ غالباً پہلے شاعر ہیں جنھوں نے نہایت صناعی اور مہارت سے چھوٹی بحروں کا استعمال کیا ایک اور ہر طرح کے مضامین کو ان میں باندھا۔ غالبؔ نے چھوٹی بحریں استعمال کیں لیکن زیادہ نہیں۔ البتہ جدید دور میں جگر مرادآبادی اور ان کے بعد فیض احمد فیضؔ نے چھوٹی بحروں کو نہایت چابکدستی سے برتا۔ برقیؔ اعظمی کی غزلوں کا زیادہ سرمایہ چھوٹی بحروں میں ہے۔ انھوں نے جوشِ بیان اور معنی کو اس طرح شیر و شکر کیا کہ غزل کی غنائیت اور سوز و گداز ذرا بھی مجروح نہیں ہوا۔

برقیؔ اعظمی کی غزل میں آپ کو جس کلچر کی گونج سنائی دیتی ہے وہ برصغیر ہند و

پاک کی گنگا جمنی رنگت ہے لیکن اس کے باوجود اس کا لہجہ اسلامی ہے۔ میں ثبوت کے طور پر ان کی چند غزلیں پیش کرتا ہوں۔

دیارِ شوق میں تنہا بُلا کے چھوڑ دیا
حسین خوابِ محبت دکھا کے چھوڑ دیا
کیا تھا وعدہ نبھانے کا رسمِ اُلفت کا
دکھائی ایک جھلک مُسکرا کے چھوڑ دیا
وہ سبز باغ دکھاتا رہا مجھے اور پھر
نگاہِ ناز کا شیدا بنا کے چھوڑ دیا
اُجاڑنا تھا اگر اُس کو تو بسایا کیوں
نگارخانۂ ہستی سجا کے چھوڑ دیا
سمجھ میں کچھ نہیں آتا یہاں سے جاؤں کہاں
عجیب موڑ پہ یہ اُس نے لا کے چھوڑ دیا
ہے آج خانۂ قلبِ حزیں یہ تیرہ و تار
جلا کے شمعِ تمنا بُجھا کے چھوڑ دیا

○○

نظر بچا کے وہ ہم سے گزر گئے چُپ چاپ
ابھی یہیں تھے نہ جانے کِدھر گئے چُپ چاپ
ہوئی خبر بھی نہ ہم کو کب آئے اور گئے
نگاہِ ناز سے دل میں اُتر گئے چُپ چاپ
دکھائی ایک جھلک اور ہو گئے روپوش
تمام خواب اچانک بکھر گئے چُپ چاپ
یہ دیکھنے کے لئے منتظر ہیں کیا وہ بھی

دیارِ شوق میں ہم بھی ٹھہر گئے چُپ چاپ
کریں گے ایسا وہ اِس کا نہ تھا ہمیں احساس
وہ قول و فعل سے اپنے مُکر گئے چُپ چاپ
فصیلِ شہر کے باہر نہیں کسی کو خبر
بہت سے اہلِ ہنر یوں ہی مر گئے چُپ چاپ
دکھا رہے تھے ہمیں سبز باغ وہ اب تک
اُنھیں جو کرنا تھا برقیؔ وہ کر گئے چُپ چاپ

○○

اُردو کلچر اور ادب کو اس دَور میں جو مخدوش حالات درپیش ہیں ان پر سیاسی مذہبی ثقافتی اور ہُنری نظریات کی ایک زبردست یلغار ہے۔ اس یلغار کو صرف برقیؔ اعظمی جیسے دانشور اپنی تخلیقات سے روک سکتے ہیں۔

عظیم ادب کے دو اصول ہوتے ہیں۔ پہلا اصول یہ ہے کہ اس شہ پارے میں وہ ساری خوبیاں اور جوہر موجود ہوں جن کو ہم داخلی خصوصیات کہتے ہیں۔ دوسرا اصول یہ ہے کہ ہیئت واسلوب سے زیادہ اہم شاعر کا پیغام ہوتا ہے جو اعلیٰ ترین خیالات اور تصورات کا مرقع ہوتا ہے۔

شاعری جزویست از پیغمبری

اس نظریہ کی روشنی میں اگر دُنیا کے عظیم شاہکاروں کو پرکھا جائے تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ عظیم ادب وہ ہے جو عظیم تصورات پیش کرتا ہے۔ اس اصول ،کا اطلاق برقیؔ اعظمی کی شاعری پر پوری طرح ہوتا ہے۔

برقیؔ اعظمی کی شاعری کا ایک پہلو ایسا ہے جس پر بہت شاعروں نے طبع آزمائی نہیں کی ہے۔ موضوعاتی شاعری ایک کٹھن، مشکل اور خشک فن ہے۔ انھوں نے ''یادِ رفتگاں'' کے عنوان کے تحت زندگی کے ہر شعبے میں نمایاں شخصیات پر نظمیں کہی ہیں۔

اکثر نظمیں فی البدیہہ ہیں۔ برقیؔ اعظمی کی موضوعاتی شاعری کلاسیکی روایاتِ شعر و ادب سے پوری طرح ہم آہنگ ہے لیکن اس میں عصرِ حاضر کا رنگ بھی پوری طرح آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ اعظمی صاحب کے یہاں موضوعات کے انتخاب میں ایک آفاقیت ہے۔ وہ رنگ و نسل اور مذہب کی حدود پار کر جاتے ہیں۔ ان کے دل میں انسانیت کا گہرا درد موجود ہے۔ انہوں نے جو نقش رنگا رنگ پیش کئے اس کی مثال اُردو ادب میں نہیں ملتی۔ اعلیٰ انسانی اقدار اور آفاقی محبت ان کی موضوعاتی شاعری کا سمبل ہے۔ اس طرح وہ ایک تاریخی شعور سے آشنا ہوتے ہیں جو ان کو صوفیوں کے حلقہ میں لے آتا ہے۔ میرے نزدیک وہ جدید دور کے سچے صوفی ہیں۔

مجھے پورا یقین ہے کہ ان کے شعری مجموعے ''روحِ سخن'' کی نہ صرف ادبی حلقوں بلکہ عوام میں بھی پذیرائی ہوگی۔ میری نیک تمنائیں اور دُعائیں ان کے ساتھ ہیں۔

○○

ـــ انور خواجہ
ریزیڈینٹ ایڈیٹر ہفت روزہ ''اُردو لنک''
امریکہ

ڈاکٹر احمد علی برقؔی اعظمی کے افکارِ پریشاں

برسوں بعد اوکھلا میں واقع جامعہ نگر سے متصل جوہری فارم میں واقع موصوف کے دولت کدے پر ملاقات کا شرف حاصل ہوا تو یہ جان کر بیحد مسرت و شادمانی کا احساس ہوا کہ وہ اپنے والدِ مرحوم رحمت الٰہی برقؔ اعظمی کے کلام کی ترتیب و اشاعت کے بعد اپنے مجموعۂ کلام کی اشاعت کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ مجموعۂ کلام کا عنوان ہے ''روحِ سخن''۔ جب ناچیز نے مسودے کی ورق گردانی شروع کی تو انہوں نے مجھ سے بھی کچھ لکھنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ چنانچہ مسودہ میں اپنی عارضی قیام گاہ پر لے آیا۔ جب اس کا بغور مطالعہ شروع کیا تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ اتنا باکمال شاعر اب تک گوشۂ گمنامی میں کیوں پڑا تھا۔

موضوعِ سخن ہے مرا رودادِ زمانہ
ہیں وقت کی آواز یہ افکار پریشاں

ایک ایسا شاعر جس کی نگاہ زمانے کے نشیب و فراز پر ہو وہ بھلا تقریباً ساٹھ سال تک اپنے شعری مجموعے کو آخر منظرِ عام پر کیوں نہ لایا۔ ظاہر ہے اس کا سبب مالی مسائل ہی ہو سکتے ہیں۔ وہ تو بھلا ہو قومی کونسل برائے فروغِ اُردو زبان کا، کہ جس کے مالی تعاون نے برقؔی اعظمی کو وہ برقؔ رفتاری عطا کی ہے کہ ستمبر ۲۰۱۳ء میں ''رُوحِ سخن'' طباعت کے مراحل سے گزر کر قارئین کے درمیان جلوہ گر ہو جائے گی۔ لیکن ناچیز نے ان کے کلام میں جن چند خصوصیات کا مشاہدہ کیا ہے، اسے مختصراً

بیان کرنا میں اپنی ذمہ داری سمجھتا ہوں۔

ڈاکٹر برقؔی اعظمی کے کلام کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے والد مرحوم کی طرح ہی اُستاد داغؔ دہلوی کی روایتِ تغزل کے پاسدار نظر آتے ہیں......

دھڑک رہے ہیں فقط آپ اس کی ڈھڑکن میں
سوائے آپ کے کوئی نہیں وظیفۂ دل

عشق ہے دراصل حسنِ زندگی
عشق سے ہے زندگی میں آب و تاب

کیسا ہے خوابِ ناز کہ آنکھیں ہیں نیم باز
ہے دلنواز اس کی یہ ناز و ادا کی نیند

جھنجھنا اُٹھتا ہے اس سے یہ مرا تارِ وجود
جب بھی کرتا ہوں تصور تری انگڑائی کا

گل بداماں، گل بدن، گل پیرہن
باغِ دل کے باغباں خوش آمدید
آپ ہیں رشکِ غزالِ خوش خرام
نازشِ سروِ رواں خوش آمدید

اظہارِ تمنا کرتے ہی، ہو جاتے ہیں وہ چیں بہ جبیں
اور سامنے رکھ کر آئینہ بس زلف سنوارا کرتے ہیں

رخِ گلگوں کو دیکھ لیتے ہیں
جب کوئی گل کھلا نہیں ہوتا

بزمِ تصورات میں ہوتا ہے وہ مری
ہوتی ہے جب بھی دل میں مرے خواہشِ غزل

اُس کا رعبِ حُسن تھا غارت گرِ ہوش وخرد
دیکھتے ہی سلب اُس کو تابِ گویائی ہوئی

گر چہ مشاطۂ فطرت نے سنوارا ہے انہیں
پیشِ آئینہ وہ کرتے ہیں خود آرائی بھی

اُس کی جو تصویرِ تصور نقش ہے لوحِ دل پہ مری
اُس میں سب سے دلکش منظر ہے اس کی انگڑائی کا

یوں تو ہے جلوہ گہہِ ناز پُر از ماہ وشاں
پیکرِ حسن مگر وہ ہے جو تم جیسا ہو

روٹھنے اور منانے میں رات سے ہو گئی سحر
میں نے کہا یہاں ہوں میں، اس نے کہا کہاں ہیں آپ؟

ہے رودادِ دل یہ غزل کے بہانے
کوئی اس حقیقت کو مانے نہ مانے

شرمانا مجھے دیکھ کے اس کا پسِ پردہ
اور چہرۂ زیبا پہ حجابات کا عالم

متذکرہ بالا اشعار کا بغور مطالعہ کیا جائے تو وؔلی دکنی، میر تقی میؔر، مومن خاں مومن، داغؔ وحسرتؔ اور جگؔر تمام **متغزلین** کی شعری حسّیات کا رس ایک منفرد انداز میں چھلکتا نظر آتا ہے۔ تمام اشعار میں اُن کے ذاتی تجربات و مشاہدات واضح طور پر نظر

آتے ہیں اور بعض تشبیہات واستعارات میں ایسی نُدرت دیکھنے کو ملتی ہے جو اُردو کی رومانی شاعری میں خال خال ہی پائی جاتی ہے۔

ڈاکٹر برقؔی اعظمی کی سخنوری کی دوسری خصوصیت جو راقم الحروف نے محسوس کی وہ یہ ہے کہ شاعر عشق کے ذاتی تجربات کو آفاقی سطح تک لے جانے میں پوری طرح کامیاب نظر آتا ہے......

تھے یہی بن گئے جو ترکِ تعلق کا سبب
اب مجھے درہم و دینار سے ڈر لگتا ہے
یادِ ماضی کے تصور سے پراگندہ ہے دل
سوچتا ہوں تو مجھے پیار سے ڈر لگتا ہے
دونوں شکارِ گردشِ دوراں ہیں آج کل
اب گل کی راہ و رسم نہیں عندلیب سے

ڈاکٹر برقؔی اعظمی اپنی شاعرانہ پرواز کے دوران اپنے والد محترم حضرت برقؔ اعظمی کو کبھی فراموش نہیں کر پاتے......

آج میں جو کچھ ہوں وہ ہے اُن کا فیضانِ نظر
جن کے فکر و فن کا مجموعہ ہے تنویرِ سخن
میں آج جو بھی ہوں برقؔ اعظمی کا فیض ہے وہ
مرا کلام زمانے کو عارفانہ لگے

پھر ہجر وفراق کے مضامین نہ صرف اُردو شاعری بلکہ عالمی شاعری کا بھی پسندیدہ موضوع رہے ہیں۔ تقریباً ہر شاعر نے اپنے معشوق کی جدائی کی تڑپ کو خوبصورت ترین الفاظ وتراکیب اور جدتِ طبع کے ساتھ قلم بند کیا ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر برقؔی اعظمی کی شاعری میں بھی ندرت کی ہمہ گیری پائی جاتی ہے۔ محبوب کے فراق میں ذرا مندرجہ ذیل اشعار دیکھیں......

میری چشمِ نم میں ہے جو موجزن
ایسی طغیانی کبھی دیکھی ہے کیا؟
ہے وہی مضرابِ سازِ دل مرا
ہوں سراپا گوش بر آوازِ دوست

ڈاکٹر برقیؔ خود فرماتے ہیں......

طبیعت ہے برقیؔ کی جدت پسند
کسی نے نہیں جو کیا کر چلے

یہ دردِ جدائی ہے نا گفتہ بہہ اب
سنادے یہ با چشمِ تر جانے والے

روح فرسا ہے جدائی کا تصوران کی
یادِ ماضی میں بھلاؤں تو بھلاؤں کیسے

منتظر ہیں ترے دیدار کی پیاسی آنکھیں
خواب ہی میں سہی آجا لبِ بام اے ساقی

ہے شبِ فرقت ابھی آئے گی کب صبحِ اُمید
کتنے دلکش تھے وہ زلفِ یار سلجھانے کے دن

کتنی ویرانی ہے اب اس میں نہ پوچھو مجھ سے
میرا کاشانۂ دل اب ہے مزاروں کی طرح

میں خزاں دیدہ ہوں ہے باغ، تمنا ویران
ایسا لگتا ہے کہ ہو گورِ غریباں کوئی

محبوب کے ہجر میں ذرا عاشق کا حالِ زار ملاحظہ فرمائیں......

تم کہاں کھو گئے کب سے ہوں تمہارا مشتاق
ہے میسر مجھے سب کچھ تجھے پانے کے سوا

جہانِ رنگ و بو برقیؔ ہے بے نور
نہیں ہے مونس و غمخوار کوئی

جس کو سمجھ رہا تھا رگِ جاں سے بھی قریب
اس کا مجھے زمانے نے ہونے نہیں دیا

تیرگی سے نہیں کوئی شکوہ
ایک وحشت ہے روشنی سے مجھے

ڈاکٹر برقیؔ کے کلام میں سوز و گداز کا ایک انوکھا پہلو جا بجا نظر آتا ہے......

سر سبز تھا جو پہلے خزاں کا شکار ہے
شاخِ شجر کو دیکھ کے میں آبدیدہ ہوں
میری غزلوں میں ہے جو سوزِ دروں آج نہاں
میری رودادِ محبت کا ہے عنواں جاناں

ڈاکٹر برقیؔ اعظمی اپنی عظمتِ رفتہ کی بازیافت کے بھی متمنی نظر آتے ہیں......

میرا یہی ہے کاتبِ تقدیر سے سوال
کیا ہوگی اپنی عظمتِ رفتہ کبھی بحال
لوحِ دل پر جو مری ثبت ہیں یادوں کے نقوش
کاش پھر مجھ کو وہی گزرا زمانہ مل جائے
مرے پیشِ نظر رہتی ہے ہردم عظمتِ رفتہ
تہی دستی میں بھی یہ خوئے سلطانی نہیں جاتی

شاید اسی لئے اُن کے کلام میں عظمتِ رفتہ کی بازیابی کی روح رواں علامہ اقبالؔ سے حد درجہ عقیدت کا اظہار ملتا ہے......

جذبۂ فکر و عمل کی تشہیر
فکر اقبالؔ کی تقلید کریں
مشعلِ اقبالؔ کو رکھ سامنے
دُور ہو جائے گا سب وہم و گماں

اقبال کی عظمت سے جو بے بہرہ ہیں اب تک
پڑھنے کو انہیں بانگِ درا کیوں نہیں دیتے

ڈاکٹر برقیؔ کے کلام میں تمام اعمال سے بہتر خدمتِ خلق کو قرار دیا گیا ہے......

خدمتِ خلقِ خدا سے نہیں بڑھ کر کچھ بھی
جذبۂ حسن، عمل نوعِ بشر لے آئے

دُنیا ہے رزمگاہ سنبھل کر رہو یہاں
شیشے کے گھر میں رہ کے نہ پھینکو کسی پہ سنگ

نہیں ہے اس سے بڑا اور کارِ خیر کوئی
دیا ہے دل جو خدانے تو دلنواز رہے

بھارت میں آزادی کے بعد فسادات اقلیتوں کا مقدر بن چکے ہیں، جس کی گونج ڈاکٹر برقیؔ کے کلام میں جا بجا سنائی دیتی ہے......

خانۂ دل میں سجائی تھی جو سوغات اُسے
ہوگئی نذرِ فسادات کہاں سے لاؤں

بحرِ امواجِ حوادث میں سفینہ ہے مرا
جس طرف بھی دیکھتا ہوں سامنے ہے موجِ خوں

ہمیشہ رہتا ہے جو برق و بادِ تُند کی زد میں
وہ میرا آشیانہ ہے کرے کوئی بھرے کوئی

جن مکینوں کو تھا اپنی خوبیٔ قسمت پہ ناز
نذرِ آتش ایک دن 'گُلبرگ' میں وہ گھر ملے

......اور پھر جس شاعر کا دل تمام نوعِ بشر کے لئے دھڑکتا ہو وہ محنت کشوں کے استحصال پر کیسے خاموش رہ سکتا ہے......

ظلمتِ شب کے فرسودہ دستور کو میں نہیں جانتا میں نہیں مانتا
جو نشانہ بناتا ہو مزدور کو میں نہیں مانتا میں نہیں جانتا

مزدور کا حق مار کے جو کی ہے اکٹھا
اب اُس سے سنبھلتی نہیں دولت وہ سنبھالے

سمٹ کر رہ گئی ہے کیوں یہ دولت چند ہاتھوں میں
جو ہو سب کے لئے وجہِ سعادت کیوں نہیں ہوتی

ڈاکٹر برقیؔ انسانی قدروں کے زوال اور اس پامالی سے حد درجہ بے زار و بد دل نظر آتے ہیں......

منظر ہے آج شام و سحر کا لہو لہو
قلبِ حزیں ہے نوعِ بشر کا لہو لہو

زندگی ہے اب بڑے شہروں میں گویا اک عذاب
مصلحت اندیش ہیں لوگوں میں اپنا پن کہاں

ہے زوال آمادہ اب انسانیت
یوں تو کہنے کو ہیں اب انساں بہت

ڈاکٹر برقیؔ اعظمی فضا کی آلودگی اور عالمی حدت سے بھی کافی بیزار ہیں اور چیخ چیخ کر اپنے اشعار میں نوعِ انسانی کی تباہی کے متعلق بار بار متنبہ کر رہے ہیں......

اوج پر ہے اب گلوبل وارمنگ
رونقِ بزمِ جہاں کل ہو نہ ہو

آج کل خلقت منہگائی اور بدعنوانی سے حد درجہ خفا نظر آتی ہے۔عام آدمی کا تو

اب چولھا جلنا بھی مشکل ہو گیا ہے۔ایسے صبر آزما ماحول میں بھلا برقیؔ اعظمی کیوں کر خاموش رہ جاتے۔

سبھی بیزار ہیں ہر سو گرانی اور کرپشن سے
سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ جائیں تو کہاں جائیں

گزشتہ ساٹھ برسوں سے صیہونیت اسلام پر غالب آنے کی حتی الامکان کوشش کر رہی ہے لیکن جب تک فرزندانِ اسلام اور امن پسند مخلوق اس کُرۂ ارض پر موجود ہے اس کا یہ خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا۔لیکن بہر حال اس کی ریشہ دوانیاں اور سازشیں بہر طور جاری ہیں اس موضوع پر بھی برقیؔ اعظمی نے اپنے تخیل کا جادو جگایا ہے۔

حالات سے ہے مشرقِ وسطیٰ کے آشکار
صیہونیت کی زد میں ہے امن و امان پھر
ہے فلسطین اس کی ایک مثال
جیسے اک کارزار ہے دُنیا

ڈاکٹر برقیؔ نے دُنیا کی برق رفتاری کا اچھا خاصہ مشاہدہ کیا ہے۔اسی لئے ان کو دُنیا کی موجودہ رفتار میں حشر سامانی کا منظر دکھائی دیتا ہے۔

سکونِ قلب عنقا ہو گیا ہے
جدھر بھی دیکھئے محشر بپا ہے

ڈاکٹر برقیؔ کا شکوہ بجا ہے۔آج کل میڈیا اقلیتوں کی صحیح تصویر پیش کرنے کے بجائے اس کی دل آزاری پر آمادہ رہتا ہے۔

الزام دوسروں کا وہ منڈھتے ہیں میرے سر
کرتا ہے نشر میڈیا میں ہوں گناہگار
یہ کیسا انقلاب آیا جہاں میں
بہر سو فتنہ سامانی کے دن ہیں

ڈاکٹر برقیؔ نے شہری زندگی کی بھاگ دوڑ کو بھی اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے۔

یوں تو ہر کوئی اس بھاگتی دوڑتی زندگی سے بیزار ہے لیکن ڈاکٹر برقیؔ کی بیزاری ظاہر ہے جداگانہ ہے......

فضا ہے شہر کی ناسازگار سب کے لئے
وہ کون ہے جو یہاں آج بدحواس نہیں
جس طرف دیکھو بپا ہے محشر
گر نہیں ہے یہ قیامت کیا ہے

ڈاکٹر برقیؔ ہُنر مندوں کی بدحالی سے بھی سخت نالاں ہیں......

زندگی میں اہلِ فن کو پوچھتا کوئی نہیں
قدر کرتی ہے یہ دُنیا اُن کے مرجانے کے بعد
اہلِ فضل و کمال ہیں گمنام
بامِ شہرت پہ ہیں زمانہ ساز

ڈھیر ساری معرکتہ الآرا غزلوں کے خالق ڈاکٹر برقیؔ کے دل میں جو خلش بار بار سر اُٹھاتی ہوئی نظر آتی ہے اس احساس کو شاعر نے یوں شعری جامہ پہنایا ہے۔

میرا منظورِ نظر مجھ سے رہا ناآشنا
بے نتیجہ میری برقیؔ خامہ فرسائی ہوئی

ڈاکٹر برقیؔ اُردو شاعری میں صنفِ غزل کی حیثیت تسلیم کرتے ہوئے فرماتے ہیں......

اُردو ادب کو جس پہ ہمیشہ رہے گا ناز
اظہارِ فکر و فن کا وہ معیار ہے غزل

تمام تر قدرتِ اظہار اور خلاقانہ صلاحیتوں کے باوجود ڈاکٹر برقیؔ کہیں کہیں اس قدر پژمردہ اور قنوطیت کے شکار نظر آتے ہیں جس کی نظیر اُردو شاعری میں فانیؔ بدایونی کے سوا اور کے یہاں تو دیکھنے کو نہیں ملتی......

ہے عرصۂ حیات مرا تنگ اس قدر
جی چاہتا ہے چل دوں اسے چھوڑ چھاڑ کے

بہار میں بھی عیاں ہیں خزاں کے اب آثار
جسے بھی دیکھئے لگتا ہے سوگوار مجھے

سکونِ قلب کسی کو نہیں میسر آج
شکستِ خواب ہے ہر شخص کا مقدر آج

برقیؔ ہے آج ماہیٔ بے آب کی طرح
کیوں خانۂ خراب میں رکھا گیا مجھے

پورے مجموعۂ کلام کے بغور مطالعے کے دوران راقم الحروف نے پایا کہ ڈاکٹر برقیؔ اعظمی محاوروں کے استعمال میں یکتائے روزگار ہیں۔ ایک محاورہ جو انھوں نے کثرت سے استعمال کیا ہے وہ ہے سبز باغ دکھانا۔ ذرا آپ بھی ملاحظہ فرمائیں......

یہ ہے سبز باغ اس کا نہ کرو یقین اس پر
میں مزاج داں ہوں اس کا ہے نہیں بھی ہاں کے پیچھے

دکھا رہا ہے مجھے سبز باغ جو برقیؔ
وہ لے کے پھرتا ہے کیوں آستیں میں خنجر آج

وہ اپنے ساتھ لے گئے میرا سکونِ قلب
اک سبز باغ مجھ کو دکھا کر چلے گئے

وہ سبز باغ دکھاتا رہا مجھے اور پھر
نگاہِ ناز کا شیدا بنا کے چھوڑ دیا

تم دکھاؤ گے یوں ہی برقیؔ کو کب تک سبز باغ
ایسی حرکت پر اتر آؤ گے سوچا بھی نہ تھا

ڈاکٹر برقیؔ اعظمی ملتِ مسلمہ کی شیرازہ بندی کے بھی متمنی نظر آتے ہیں۔ وہ ملت کے انتشار پر نہ صرف برہم ہوتے ہیں بلکہ لعنت و ملامت کرنے کا موقع بھی نہیں گنواتے۔

گردشِ حالات سے لیتے نہیں کوئی سبق
ہم ہیں بے حس اس قدر جس کی نہیں کوئی نظیر

سر سیّد اور حالیؔ نہیں ہے کوئی یہاں
عہدِ رواں میں اس کا مجھے ہے بہت ملال

ملتے ہیں میر جعفر و صادق نئے نئے
ہے بھیڑئے کے جسم پہ انساں کی آج کھال

ہے ترا شکوۂ اغیار عبث
کیا مسلماں ہے مسلماں کے قریب

شیرازہ منتشر ہے ملت کا عہدِ نو میں
کچھ شیخ کے ہیں پیچھے اور کچھ ہیں خاں کے پیچھے

بحیثیت مجموعی ڈاکٹر احمد علی برقیؔ اعظمی نے اپنے مجموعۂ کلام ''روحِ سخن'' میں صنفِ غزل کی روایات کی پاسداری کرتے ہوئے جدت وندرت کی نئی راہیں روشن کی ہیں جو آنے والی نسلوں کے لئے مشعلِ راہ ثابت ہوں گی۔صنفِ غزل میں طبع آزمائی کی ایک طویل روایت کے باوجود ''روحِ سخن'' کو مذکورہ صنف میں ایک خوبصورت اور قابلِ توجہ اضافہ قرار دیا جائے گا۔ یہ راقم الحروف کا محض ایک دعویٰ نہیں بلکہ آنے والے شعر وشاعری کے اساتذہ اور معتبر ناقدین بھی اس حقیقت کو تسلیم کرنے میں پس و پیش کے شکار ہرگز نہیں ہوں گے۔ بہتر یہ ہوگا کہ میں اس مضمون کو ڈاکٹر برقیؔ اعظمی کے شعر پر ہی ختم کروں......

پوچھتا کوئی نہیں بزمِ سخن میں آج اسے
شاعری برقیؔ کی زیبِ داستاں ہو جائے گی

○○

—— حسن امام حسنؔ

قطعۂ تاریخ انطباع

شعری مجموعہ ''روحِ سخن'' برقیؔ اعظمی

سرگوشیاں میانِ عنادل ہیں ان دنوں
مجموعہ آگیا کسی شیریں مقال کا

ہے شاعری میں اُس کی روانی وہ موجزن
منظر ہو جیسے نظروں میں آبِ زلال کا

محفوظ تاابد رہے اِس کی شگفتگی
سایہ پڑے نہ کہنگیٔ ماہ و سال کا

چاہا بہ شکلِ قطعۂ تاریخِ انطباع
ہو اعتراف، برقیؔ کے فضل و کمال کا

اِتنے میں گونجی ہاتفِ غیبی کی یہ صدا
موقع نہیں تھا جس میں کسی قیل و قال کا

واحد نظیرؔ دل سے یہ تاریخ ہو رقم
''روحِ سخن'' ہے آئینہ برقیؔ خیال کا

۱۹۷۹ + ۴۳ = ۲۰۱۳ء

○○

ــــ ڈاکٹر واحد نظیرؔ
(اسسٹنٹ پروفیسر)
شعبۂ تربیتِ اُردو اساتذہ
جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی۔

احوالِ واقعی

میں (احمد علی برقؔی اعظمی) ۲۵؍دسمبر ۱۹۵۴ء کو شہر اعظم گڑھ (یو۔پی) کے محلّہ باز بہادر میں پیدا ہوا۔ میں درجہ پنجم تک مدرسہ اسلامیہ باغ میر پیٹو، محلّہ آصف گنج، شہر اعظم گڑھ کا طالبعلم رہا، بعدازآں شبلی ہائر سیکینڈری اسکول سے دسویں کلاس کا امتحان پاس کرنے کے بعد انٹرمیڈیٹ کلاس سے لے کر ایم۔اے اُردو تک شبلی نیشنل کالج، اعظم گڑھ کا طالب علم رہا۔ میں نے ۱۹۶۹ء میں ہائی اسکول، ۱۹۷۱ء میں انٹرمیڈیٹ، ۱۹۷۳ء میں بی۔اے اور ۱۹۷۵ء میں ایم۔اے اُردو کی سند حاصل کی اور شبلی کالج سے ہی ۱۹۷۶ء میں بی۔ایڈ کیا۔

بعد ازآں مزید اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے ۱۹۷۷ء میں دہلی آکر جواہر لعل نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی میں ایم۔اے فارسی میں داخلہ لیا اور یہاں سے ۱۹۷۹ء میں ایم۔اے فارسی کی سند حاصل کی اور بعد ازآں جواہر لعل نہرو یونیورسٹی ہی سے پی۔ ایچ۔ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

میرے والد کا نام رحمت الٰہی اور تخلص برقؔ اعظمی تھا جو نائب رجسٹرار قانون گو کے عہدے پر فائز تھے۔ میرے والد ایک صاحب طرز اور قادرالکلام استادِ سخن تھے جنہیں جانشینِ داغؔ حضرت نوحؔ ناروی سے شرفِ تلمذ حاصل تھا۔ میرے بچپن کا بیشتر حصہ والدِ محترم کے سایۂ عاطفت میں گزرا۔ مجھے کہیں آنے جانے کی اجازت نہیں تھی۔ بیشتر وقت والد صاحب کے فیضِ صحبت میں گزرتا تھا جس سے میں نے بہت کچھ حاصل

کیا اور آج میں جو کچھ ہوں انہیں کا علمی، قلمی اور روحانی تصرف ہے۔ میرا اصلی نام احمد علی اور تخلص والد کے تخلص برقؔ کی مناسبت سے برقؔی اعظمی ہے۔ والد صاحب کے فیضِ صحبت کی وجہ سے شعری اور ادبی ذوق کی نشوونما بچپن میں ہوگئی تھی جو بفضلِ خدا اب تک جاری و ساری ہے۔ والد صاحب کے ساتھ مقامی طرحی نشستوں میں باقایدگی سے شریک ہوتا رہتا تھا۔ اس وجہ سے تقریباً ۱۵؍سال کی عمر سے طبع آزمائی کرنے لگا۔ ادبی ذوق کا نقطۂ آغاز والدِ محترم کا فیضِ صحبت رہا اور میں نے جو کچھ بھی حاصل کیا انھیں کا فیضانِ نظر اور روحانی تصرف ہے۔ اصنافِ ادب میں غزل میری محبوب ترین صنفِ سخن ہے۔ غزل سے قطع نظر مجھے موضوعاتی نظمیں لکھنے کا ۲۰۰۳ء سے ۲۰۰۹ء تک کافی شوق رہا اور میں نے اس عرصہ میں ماحولیات، سائنس، اور مختلف عالمی دنوں کی مناسبت سے بہت کچھ لکھا جو ۶؍سال تک مسلسل ہر ماہ ایک مقامی میگزین ماہنامہ ''سائنس'' میں شائع ہوتا رہا اور اتنی نظمیں لکھ ڈالیں کی ایک مستقل شعری مجموعہ ہوسکتا ہے۔ اس کے علاوہ مجھے ''یادِ رفتگاں'' سے خاصی دلچسپی ہے چنانچہ میں بیشتر شعرا، ادیبوں اور فنکاروں کے یومِ وفات اور یوم تولد کی مناسبت سے اکثر و بیشتر لکھتا رہتا ہوں۔ اس سلسلے میں نے حضرت امیر خسروؔ، ولؔی دکنی، میرؔ، غالبؔ، حالؔی، شبلؔی، سرسیّد، احمد فرازؔ، فیضؔ، پروینؔ شاکر، ناصر کاظمؔی، مظفرؔ وارثی، شہریارؔ، بابائے اُردو مولوی عبدالحق، ابن انشا، جگرؔ، شکیلؔ بدایونی، مجروحؔ سلطانپوری، مہدی حسن، صادقین، مقبول فدا حسین وغیرہ پر بہت سی موضوعاتی نظمیں لکھی ہیں جن کا بھی ایک مجموعہ مرتب ہوسکتا ہے۔ میں عملی طور سے میڈیا سے وابستہ ہوں اور ۱۹۸۳ء سے آل انڈیا ریڈیو کے شعبۂ فارسی سے وابستہ ہوں اور فی الحال انچارج شعبۂ فارسی ہوں۔

فیضؔ، ساحرؔ، مجروحؔ، جگر، حسرتؔ، فاؔنی، پروین شاکر، اور ناصر کاظمؔی وغیرہ میرے پسندیدہ شعرا ہیں۔ ادیبوں میں سرسید احمد خاں اور شبلی نعمانی سے بیحد لگاؤ ہے۔ میں اُردو ویب سائٹس اور فیس بک پر بہت فعال ہوں اور فیس بک پر میری ۴۰۰۰ سے زائد غزلیں اور نظمیں البم کی شکل میں موجود ہیں۔

موجودہ دور میں ادب اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے اور اس کی توسیع اور ترویج کے امکانات روشن ہیں۔معاصرانہ چشمک اور گروہ بندی فروغ زبان و ادب کی راہ میں سدِّ راہ ہیں۔سود و زیاں سے بے نیاز ہو کر اگر ادبی تخلیق کی جائے اور اس میں خلوص بھی کارفرما ہو تو فروغِ ادب کے امکانات مزید روشن ہو سکتے ہیں۔میں اپنی خوئے بے نیازی کی وجہ سے گوشہ نشین رہ کر اپنے ادبی اور شعری ذوق کی تسکین کے لئے انٹرنیٹ اور دیگر وسائلِ ترسیل و ابلاغ کے وسیلے سے سرگرمِ عمل ہوں۔ میں اُردو کی بیشتر ویب سائٹس اور اور فیس بُک کے بیشمار فورمز سے وابستہ ہوں۔ مجھے خوشامد پسندی اور زمانہ سازی نہیں آتی اس لئے مقامی سطح پر غیر معروف ہوں۔

ہوتا زمانہ ساز تو سب جانتے مجھے
کیا خوئے بے نیازی ہے دیوانہ پن مرا

ویب سائٹوں پہ لوگ ہیں خوش فہمی کے شکار
نا آشنائے حال ہیں ہمسائے بھی مرے

عرضِ حال

ہوتے ہیں اُن کے نام پہ برپا مشاعرے
معیارِ شعر اُن کی بَلا سے گرے گرے
جن کا رسوخ ہے انہیں پہچانتے ہیں سب
ہم دیکھتے ہی رہ گئے باہر کھڑے کھڑے
جو ہیں زمانہ ساز وہ ہیں آج کامیاب
اہلِ کمال گوشۂ عزلت میں ہیں پڑے
زندہ تھے جب تو ان کو کوئی پوچھتا نہ تھا
ہر دور میں ملیں گے بہت ایسے سر پھرے

برقیؔ ستم ظریفیٔ حالات دیکھئے
اب ان کے نام پر ہیں ادارے بڑے بڑے

جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا، غزل میری محبوب صنف سخن ہے۔ میرے اسلوبِ سخن پر غیر شعوری طور سے غزلِ مسلسل کا رنگ حاوی ہے۔ گویا میری بیشتر غزلوں میں جیسا کہ بعض احباب نے اس کی طرف اشارہ کیا، غزل کے قالب میں نظم یا مثنوی کا گمان ہوتا ہے جو بعض احباب کی نظر میں محبوب اور بعض لوگوں کے خیال میں معیوب ہے۔ میرا شعورِ فکر و فن میرے ضمیر کی آواز ہے۔ میری غزلیں داخلی تجربات و مشاہدات کا وسیلۂ اظہار ہونے کے ساتھ ساتھ بقول جناب ملک زادہ منظور احمد صاحب ''حدیثِ حسن بھی ہیں اور حکایتِ روزگار بھی''۔ میں جس ماحول کا پروردہ ہوں میری شاعری اس کے نشیب و فراز اور ناہمواریوں اور اخلاقی اقدار کے زوال کی عکاس ہے۔ میں جو کچھ اپنے اِرد گِرد دیکھتا یا محسوس کرتا ہوں اسے موضوعِ سخن بنانا اپنا اخلاقی اور سماجی فریضہ سمجھتا ہوں جس کے نتیجے میں میری بیشتر شعری تخلیقات اجتماعی شعور کی بازگشت کی آئینہ دار ہیں۔ میں کلاسیکی روایات کا پاسدار ہونے کے ساتھ ساتھ جدید عصری میلانات و رجحانات کو بھی موضوعِ سخن بنانے سے گریز نہیں کرتا۔ حالاتِ حاضرہ کے تناظر میں بیدار مغز سخنور اور قلمکار جس ذہنی کرب کا احساس کرتے ہیں ان کی تخلیقات میں شعوری یا غیر شعوری طور سے اس کا اظہار ایک فطری اور ناگزیر امر ہے۔ چنانچہ......

ہیں مرے اشعار عصری کرب کے آئینہ دار
قلبِ مضطر ہے مرا سوزِ دروں سے بیقرار
آپ پر ہوں گے اثر انداز جو بے اختیار
میری غزلوں میں ملیں گے شعر ایسے بیشمار
صفحۂ قرطاس پر کرتا ہوں اس کو منتقل
داستانِ زندگی ہے میری برقیؔ دلفگار

اُردو زبان و ادب کی ترویج و اشاعت ہمارا قومی، ملی اور اخلاقی فریضہ ہے۔اس

ضمن میں مقامی اور علاقائی سطح پر ہمارے شاعروں، ادیبوں اور اربابِ فکر ونظر کی علمی و ادبی خدمات کی افادیت اپنی جگہ مسلم ہے۔لیکن اُردو زبان و ادب کے بین الاقوامی سطح پر فروغ میں معیاری اُردو ویب سائٹوں کے کارہائے نمایاں حلقۂ اربابِ فکر ونظر میں جنھیں انٹرنیٹ کی سہولت دستیاب ہے، اظہرمن الشّمس ہیں۔

خاکسار کو سب سے پہلے انٹرنیٹ کی دُنیا میں متعارف کرانے میں جناب ستپال بھاٹیا کی ہندی ویب سائٹ آج کی غزل ڈاٹ بلاگ اسپاٹ ڈاٹ کام نقشِ اوّل کا درجہ رکھتی ہے۔اسی سائٹ کی فہرست میں مجھے محترم سرور عالم راز سرؔور صاحب اور اُن کا نامِ نامی، ان کا معیاری کلام اور اُن کی سائٹ کا لنک نظر آیا اور اس طرح میں اُن کی شہرۂ آفاق ویب سائٹ ''اُردو انجمن ڈاٹ کام'' سے باقاعدہ روشناس ہوا اور مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں ہے کہ میری انٹرنیٹ کی دُنیا میں باقاعدہ طور پر رسائی اور اربابِ فکر ونظر سے شناسائی کا نقطۂ آغاز ''اُردو انجمن ڈاٹ کام'' ہے۔سرور عالم راز سرؔور صاحب کا تبحرِ زبان و بیان اُن کی اصلاحِ سخن سے ظاہر ہے جس کا کوئی جواب نہیں ہے اور جو میرے لئے مشعلِ راہ ہے اور رہے گی۔

اُردو انجمن کے بعد مجھ سے ناظمِ ''اُردو جہاں'' محترمہ سارا جبین صاحبہ نے رجوع کیا اور یہ میرا دوسرا میدانِ عمل تھا، ہے اور انشاء اللہ ہمیشہ رہے گا۔میری غزلوں کا صوری و معنوی حُسن و جمال اُن کی مخلصانہ، دلکش اور سحر انگیز تزئین اور نقاشی کا مرہونِ منت ہے۔اُن کے اِس بارِ احساں سے میں کبھی سبکدوش نہیں ہوسکتا۔

میرا تیسرا پڑاؤ ''اُردو بندھن ڈاٹ کام'' رہا جہاں میں محترم سالم احمد باشوار صاحب کی شفقت سے بہرہ مند ہوا، جنھوں نے میری حوصلہ افزائی کے لئے از راہِ لطف میری باضابطہ ویب سائٹ بنا دی اور مستقل طور سے بے لوث دستبردِ زمانہ سے اُس کی نگہداشت فرما رہے ہیں۔خدائے بزرگ و برتر اُنھیں اس کا اجرِ عظیم عطا فرمائے۔

''اُردو دُنیا ڈاٹ نیٹ'' میں میں محترم مظفر احمد مظفؔر صاحب سے بہت متاثر ہوں جنھوں نے میری غیر معمولی تشویق اور حوصلہ افزائی فرمائی اور ہمیشہ حوصلہ افزا منثور اور

منظوم اظہارِ خیال سے نوازتے رہے۔''دستک'' کے بارہویں شمارے میں خاکسار کے فکر وفن پر اُن کا مبسوط تبصرہ اُن کی شفقت و محبت کا آئینہ دار ہے۔

میں محترمہ سنیتا وگ کی ''شام سخن ڈاٹ کام''، جناب مہتاب قدر کی ''اُردو گلبن ڈاٹ کام''، آبجو ڈاٹ کام، اور کبھی کبھی اُردو آرٹسٹ ڈاٹ کام پر بھی اپنی خامہ فرسائی کے نقوش ثبت کرتا رہتا ہوں۔

مجھے بیرونِ ملک حلقۂ اربابِ فکر ونظر میں متعارف کرانے میں محترم حسن چشتی صاحب مقیمِ شکاگو، اُن کے رفیقِ دیرینہ انور خواجہ اور ہفت روزہ ''اُردو لنک'' کا نہایت اہم رول رہا ہے۔میری لوحِ دل پر ثبت ان کی شفقت کے نقوش لازوال ہیں۔اُن کی وساطت سے میں محترم سردار علی صاحب مقیمِ ٹورانٹو، کناڈا اور اُن کی عالمگیر شہرت کی حامل ''شعر وسخن ڈاٹ کام'' سے روشناس ہوا جو مجھے مستقل اپنی شفقت سے نوازتے رہتے ہیں۔

محترم اعجاز عبید صاحب کی نوازشوں کے لئے بھی میں ان کا صمیمِ قلب سے سپاس گزار ہوں جنھوں نے حال ہی میں از راہِ لطف ''برقی شعائیں'' کے نام سے میری کچھ موضوعاتی نظموں کو، جو میرا خصوصی میدان عمل ہے، برقی کتاب کی شکل میں زیورِ طبع سے آراستہ کیا ہے۔خدائے بزرگ و برتر ان کی ادبی و علمی خدمات کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے۔

جب میں نے فیس بُک سے رجوع کیا تو مجھے پتہ چلا کہ شیدائیانِ اُردو کس طرح یہاں بھی اُردو کے فروغ میں بقدرِ ظرف اپنے فکر وفن کے جوہر دکھا رہے ہیں اور یہاں بھی شمعِ اُردو اپنی آب و تاب کے ساتھ ضوفگن ہے۔فیس بُک کی وساطت سے میں ''اُردو منزل''، صغیر احمد جعفری صاحب اور اُردو کے فروغ میں اُن کی گراں قدر خدمات سے روشناس ہوا اور یہاں موجود احباب اور اُن کے دل پذیر کلام سے مستفید ہونے کا شرف حاصل ہو رہا ہے۔فیس بُک پر موجود مختلف ادبی گروہوں، خصوصاً اُردو لٹریری فورم الف، انحراف، بزمِ امکان، اُردو شاعری، محبت، گلکاریاں اور دیا گروپ

کی ہفتہ وار فی البدیہہ طرحی نشستوں میں طبع آزمائی نے بھی میرے شعور فکر وفن کو جلا بخشی جس کے لئے ان کا بھی ممنون ہوں۔ میرے محترم دوست مسلم سلیم، جو اپنے ۲۲ر بلاگس اور ویب سائٹس کے وسیلے سے اُردو زبان و ادب کی غیر معمولی خدمت انجام دے رہے ہیں، کی برقیؔ نوازی بھی میرے رخشِ قلم کے لئے مہمیز کا درجہ رکھتی ہے جن کی پیہم نوازشوں کے لئے صمیم قلب سے سپاس گزار ہوں اور اُن کے بارِ احساں سے کبھی سبکدوش نہیں ہوسکتا۔

میرے ہمکارِ عزیز محمد ولی اللہ ولیؔ......جن کا شعری مجموعہ ''آرزوئے صبح'' حال میں منظر عام پر آیا ہے...... کی تشویق میرے اس شعری مجموعے کی اشاعت کے لئے محرک ثابت ہوئی اور اگر میں یہ کہوں کہ میرا یہ شعری مجموعہ ان کی تشویق کا مرہونِ منت ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ اس برقیؔ نوازی کے لئے ان کا بھی ممنون ہوں۔ ''قومی کونسل برائے فروغِ اُردو زبان''، جس کی فروغ زبان و ادب میں غیر معمولی خدمات اظہر من الشّمس ہیں، کا اس شعری مجموعے کی اشاعت میں مالی تعاون لایقِ تحسین وستائش ہے جس کے لئے اس موقر ادارے اور خصوصاً اس کے فعال اور ادب و ادیب نواز ڈائرکٹر ڈاکٹر خواجہ اکرام االدین کا اس مالی تعاون کے لئے صمیمِ قلب سے شکر گزار ہوں۔ محترم سرور عالم راز سرورؔ، مکرمی مظفر احمد مظفرؔ، محترم عزیز بلگامی، ڈاکٹر تابشؔ مہدی، ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی، سید ضیا رضوی خیرآبادی، محترمہ سیدہ عمرانہ نشتر خیرآبادی، عزیزی اسرار احمد رازی، مکرمی محمد صدیق نقوی، محترم غلام شبیر رانا، محترم حسن چشتی (مقیمِ حال شکاگو)، انور خواجہ (ریزیڈینٹ ایڈیٹر، ہفت روزہ ''اُردو لنک''، امریکہ)، محترم مسلم سلیمؔ، جناب ملک زادہ منظورؔ احمد، عالمی شہرت یافتہ ناول و افسانہ نگار محترم مشرف عالم ذوقی، عزیزی عبدالحئی خان (اسسٹنٹ ایڈیٹر ''اُردو دُنیا''، قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان، نئی دہلی)، ڈاکٹر واحد نظیرؔ اور مجی حسن امام حسن کا اُن کے حوصلہ افزا تاثرات کے لئے صمیم قلب سے سپاس گزار ہوں۔ عزیزی محمد احمد اور محمد انصر اور دیگر احباب کا بھی اُن کے مفید مشوروں اور تعاون کے لئے شکر گزار اور احسان مند ہوں۔ عزیزی سلطان شکیل اور

مکرمی نفیس احمد کا اس شعری مجموعے کی تنظیم وتزئین کے لئے ممنون ہوں۔ مکرمی انیس امروہوی (مدیر سہ ماہی ''قصے'') اور اُن کے ہنرمند فرزند مسعود التمش کا اس دیدہ زیب سرورق اور مکمل کتاب کی تزئین کاری کے لئے تہہِ دل سے ممنون ہوں۔ اپنی شریک حیات شہناز بانو، بیٹے فراز عالم، بہو سحر عالم، بیٹیوں رخشندہ پروین، نازیہ اور سعدیہ پروین کا بھی اُن کی نیک خواہشات کے لئے تہہِ دل سے شکر گزار ہوں۔

○○

ـــ ڈاکٹر احمد علی برقیؔ اعظمی

اے۔۱۲۲، تیسری منزل، جوہری فارم، گلی نمبر۔۴

جامعہ نگر، نئی دہلی۔ ۱۱۰۰۲۵

منظوم تعارف

شہرِ اعظم گڑھ ہے برقیؔ میرا آبائی وطن
جس کی عظمت کے نشاں ہیں ہر طرف جلوہ فگن

میرے والد تھے وہاں پر مرجعِ اہلِ نظر
جن کے فکر و فن کا مجموعہ ہے ’’تنویرِ سخن‘‘

نام تھا رحمت الٰہی اور تخلص برقؔ تھا
ضو فگن تھی جن کے دم سے محفلِ شعر و سخن

آج میں جو کچھ ہوں وہ ہے اُن کا فیضانِ نظر
اُن سے ورثے میں ملا مجھ کو شعورِ فکر و فن

راجدھانی دہلی میں ہوں ایک عرصے سے مقیم
کر رہا ہوں میں یہاں پر خدمتِ اہلِ وطن

ریڈیو کے فارسی شعبے سے ہوں میں منسلک
میرا عصری آگہی برقیؔ ہے موضوعِ سخن

○○

روحِ سخن

مجموعۂ کلام ہے ''روحِ سُخن'' مرا
پیشِ نظر ہے جس میں یہاں فکر و فن مرا

برقؔ اعظمی کا فیضِ نظر ہے میں جو بھی ہوں
ظاہر ہے نام سے یہ کہاں ہے وطن مرا

گلہائے رنگا رنگ کا گلدستۂ حسیں
اشعار سے عیاں ہے یہی ہے چمن مرا

سوزِ دروں حکایتِ آشوبِ روزگار
اور ہے ''حدیثِ دلبری'' طرزِ کہن مرا

ویب سائٹوں پہ لوگ ہیں خوش فہمی کے شکار
ناآشنا وطن میں ہے رنگِ سخن مرا

ہوتا زمانہ ساز تو سب جانتے مجھے
کیا خوئے بے نیازی ہے دیوانہ پن مرا

برقیؔ مرا کلام مرا خضرِ راہ ہے
کہتے ہیں لوگ آج یہ ہے حُسنِ ظن مرا

○○

حمد باری تعالیٰ

میں شکر ادا کیسے کروں تیرے کرم کا
''حقا! کہ خداوند ہے تو لوح و قلم کا''

تو اور ترے محبوب کو حاصل یہ شرف ہے
ہے ذات میں پہلو نہیں جن کی کوئی ضم کا

خم سارے جہاں کی ہے جبیں سامنے اس کے
ثانی نہیں کونین میں کوئی بھی حرم کا

ممکن نہیں توصیف تری جن و بشر سے
سر سامنے خم ہے ترے اعجازِ قلم کا

رسوائے زمانہ کو ہے عبرت کا یہ اک درس
جمشید کو حاصل نہ ہوا فیضِ ارم کا

ہے قبضۂ قدرت میں ترے عزت و ذلت
سر چشمہ ہے بس تو ہی ہر اک ناز و نعم کا

طوفانِ حوادث میں ہے برقیؔ کا سفینہ
کرسکتا ہے اب تو ہی ازالہ مرے غم کا

○○

حمد باری تعالیٰ

ہے تصور میں مرے بس تو ہی تو
عکس ہے ہر شے میں تیرا ہو بہو

تو ہے میرے فکر و فن کی آبرو
تجھ سے ہے گلزارِ ہستی مُشک بو

تجھ سے ہے آباد میرا قصرِ دل
رہتا ہوں تجھ سے ہی محوِ گفتگو

تو ہی ہے شمعِ شبستانِ وجود
تجھ سے روشن ہے جہانِ رنگ و بو

دامنِ ہستی ہے میرا تار تار
میں اسے آخر کروں کیسے رفو

جب سے دیکھا تجھ کو اپنے روبرو
توڑ ڈالے تب سے سب جام و سبو

دل کے آئینے میں برتّی صبح و شام
دیکھتا ہوں مصحفِ رُخ با وضو

○○

حمد باری تعالیٰ

اے خدا تونے زندگی بخشی
کیف و سرمستی و خوشی بخشی

سبزہ زاروں کو تازگی بخشی
گُلعذاروں کو دلکشی بخشی

تیرے تابع ہے نظمِ کون و مکاں
"چاند تاروں کو روشنی بخشی"

مصلحت تیری کیا ہے تو جانے
زندگی کیوں یہ عارضی بخشی

تیرا ہر حال میں ہے وہ انعام
جو بھی تونے بُری بھلی بخشی

تیرا فضل و کرم ہے بے پایاں
تونے کوئی نہیں کمی بخشی

جو میسر نہیں فرشتوں کو
ہم کو وہ شکلِ آدمی بخشی

بعد اپنے نبیٔ اکرم ﷺ کو
تو نے ہر شے پہ برتری بخشی

اُن کی زلفوں کی کھا کے تو نے قسم
اُن کو وہ شانِ دلبری بخشی

جس میں اُن کا نہیں کوئی ثانی
اُن کو ایسی پیمبری بخشی

فخر ہے اُمتی ہیں ہم اُن کے
جن کو عالم کی سروری بخشی

دینِ اسلام سب سے ہے ممتاز
جس کو یہ صلح و آشتی بخشی

آرہی ہے صدائے کُن فیکون
تو نے ہی صوتِ سرمدی بخشی

تیرا منت گزار ہے برقیؔ
جس کے نغموں کو نغمگی بخشی

○○

نعت رسول مقبول ﷺ

''اے خاصۂ خاصانِ رسل'' شاہِ مدینہ
طوفانِ حوادث میں ہے اُمّت کا سفینہ

اِس دورِ پُر آشوب میں اب جائیں کہاں ہم
ہم بھول گئے ایسے میں جینے کا قرینہ

کچھ کہنے سے قاصر ہے زباں ذہن ہے ماؤف
اب بامِ ترقی کا بھی مسدود ہے زینہ

درکار ہمیں آپ کی ہے چشمِ عنایت
آنکھوں میں نمی اور ہے چہرے پہ پسینہ

وہ آپ ہیں جس سے ملا قرآن کا تحفہ
جو نوعِ بشر کی ہے ہدایت کا خزینہ

واللیل اذا یغشیٰ کی خوشبو سے معطّر
ہے آپ کی پیشانیٔ اقدس کا پسینہ

بیشک ہے دو عالم کے لئے مطلعِ انوار
یہ آپ کی انگُشتِ شہادت کا نگینہ

احمد علی برقیؔ کی ہے یہ شامتِ اعمال
ہے فضل خدا آپ کی بعثت کا مہینہ

OO

نعت شریف

تمنا ہے دیکھوں بہارِ مدینہ
ہے صبر آزما انتظارِ مدینہ

مدینہ میں جاؤں تو واپس نہ آؤں
مرے جان و دل ہیں نثارِ مدینہ

وہی جانتے ہیں جو ہیں اہل ایماں
ہے کس درجہ عزّ و وقارِ مدینہ

قسم جس کی زلفوں کی کھائی ہے حق نے
مکیں ہے یہیں وہ نگارِ مدینہ

جو اہلِ بصیرت ہیں اُن کی نظر میں
گُلوں سے بھی بڑھ کر ہے خارِ مدینہ

یہ ہے مسکنِ شافعِ روزِ محشر
''زہے رحمتِ بیشمارِ مدینہ''

مجھے سیم و زر کی ضرورت نہیں ہے
ہے اکسیر برقیؔ غبارِ مدینہ

OO

نعت شریف

کیا کوئی کرے شمعِ رسالت کا احاطہ
ممکن نہیں اس نور کی عظمت کا احاطہ

قاصر ہوں رقم کرنے سے میں اُن کے محاسن
میں کیسے کروں ان کی فضیلت کا احاطہ

ہے گُنگ زباں اور قلم میرا ہے ساکت
یہ کیسے کرے عرضِ ارادت کا احاطہ

حد اُن کے فضائل کی نہیں کوئی مقرر
محدود ہے اظہارِ عقیدت کا احاطہ

کونین میں ہیں صرف وہی رحمتِ عالم
رحمٰن ہی کر سکتا ہے رحمت کا احاطہ

جبریل امیں کے پرِ پرواز سے پوچھیں
ان کی شبِ معراج میں رفعت کا احاطہ

ہیں شافعِ محشر وہ جسے چاہیں نوازیں
محدود نہیں اُن کی شفاعت کا احاطہ

ہے شان میں ورفعنا لک ذکرک انہیں کی
ممکن ہی نہیں اُن کی فضیلت کا احاطہ

واللیل اذا یغشی ہی کر سکتی ہے برقیؔ
محبوب و مُحب اور محبت کا احاطہ

○○

نعت شریف

ہے یہ فیضانِ محمد مصطفیٰ ﷺ
روح پرور ہے مدینے کی فضا

ہے جہاں میں کس کا ایسا مرتبہ
جس کی عظمت کا ثناخواں ہے خدا

جس کی عملی زندگی ہے اک مثال
جس کا ہے قرآنِ ناطق معجزا

رحمت اللعٰلمیں کے فیض سے
ہو رہے ہیں بہرہ ور شاہ و گدا

کوئی بتلائے یہ مجھ سے کون ہے
شافعِ روزِ جزا اس کے سوا

بج رہا ہے جس کا ڈنکا چارسو
چل رہا ہے جس کا سکہ جا بجا

ہے کوئی کون و مکاں میں آج تک
ہے جو سب سے محترم بعد از خدا

مشعلِ رُشد وھدیٰ ہے جس کی ذات
زندۂ جاوید ہے وہ رہنما

ہے وہی وجۂِ وجودِ کائنات
جس کا صدقہ ہیں سبھی ارض و سما

گنبدِ خضرا میں فرشِ خاک پر
جلوہ فرما ہے حبیبِ کبریا

ضوفگن ہے مسجدِ نبوی یہاں
عظمتِ اسلام ہے جلوہ نما

مطلعِ انوار ہے یہ سرزمیں
جو ہے برقی مرکزِ رشد و ھُدیٰ

○○

نعتِ رسول مقبول ﷺ

مدینے جا رہا ہوں ہیں قدم لغزیدہ لغزیدہ
ابھی سے ہے نگاہِ شوق یہ نمدیدہ نمدیدہ

خدا کا شکر ہے دیکھوں گا اُس کو چشمِ ظاہر سے
ابھی تک دیکھتا تھا میں جسے خوابیدہ خوابیدہ

تھی تصویرِ تصور گُنبدِ خضریٰ کی آنکھوں میں
ہجومِ حسرت و اُمید میں نادیدہ نادیدہ

جہاں پر رحمت اللّعٰلمیں ﷺ آرام فرما ہیں
قدم بڑھتے ہیں اُس جانب مرے لرزیدہ لرزیدہ

شفیع المُذنبیں ﷺ کے روضۂ اقدس کی جالی کو
نگاہِ شوق سے دیکھوں گا میں دُزدیدہ دُزدیدہ

بفیضِ احمدِ مُرسل ﷺ ہیں آساں وہ گزرگاہیں
نظر آتی تھیں جو پہلے مجھے پیچیدہ پیچیدہ

یہاں رہتا تھا میں آزردہ خاطر رات دن اکثر
مرا قلبِ حزیں ہے اب وہاں سنجیدہ سنجیدہ

مئے عشقِ نبی ﷺ سے آج ہے سرشار اے برقیؔ
دلِ مُضطر رہا کرتا تھا جو رنجیدہ رنجیدہ

○○

نعت فارسی

وجہِ وجودِ کون و مکاں سید البشرﷺ
رطب اللسان بہ وصفِ تو ھستند بحر و بر

بادِ صبا کُنی بہ مدینہ اگر سفر
ھمراہِ خود سلامِ مرا ھم بہ او ببر

ھستم دُچارِ گردشِ آشوبِ روزگار
مُشتاقِ دیدِ گنبدِ خضریٰ است چشمِ تر

ای آنکہ قول وفعلِ تو قُرآنِ ناطق است
شق شد بیک اشارۂ انگشت تان قمر

اشکی کہ می چکد بہ فراقت زِ چشمِ من
از شور و شوق و حالِ زبون می دھد خبر

پژمُردہ شد زِ فصلِ خزان گلشنِ حیات
لطفا بدہ زِ نخلِ سعادت بمن ثمر

مثلِ تو نیست دیگری در جملہ کائنات
''بعد از خُدا بزرگ توئی قصہ مختصر''

این ھم رود بسوی مدینہ زِ فضلِ رب
برقیؔ شود زِ فُرصتِ دیدار بھرہ ور

○○

نعت رسولِ مقبول ﷺ

عظیم المرتبت بعد از خدا ہے ذاتِ پیغمبر
خدائے دوجہاں خود پڑھ رہا ہے نعتِ پیغمبر

مِلا ہے جن کو اِذنِ باریابی اُن کے روضے پر
میسر کیوں نہ ہوں اُن کو سبھی برکاتِ پیغمبر

تمام اہلِ جہاں کی ہیں ہدایت کا وہ سرچشمہ
حدیثوں میں ہیں جو محفوظ، وہ رشحاتِ پیغمبر

ہے حسنِ خلق اُن کا تاقیامت اسوۂ حسنہ
ہیں مرغوبِ خدائے دوجہاں عاداتِ پیغمبر

انہیں کی ذاتِ اقدس وجۂ تخلیقِ دو عالم ہے
جو کھاتے پیتے ہیں ہم سب وہ ہیں صدقاتِ پیغمبر

کریں اظہارِ عشق اپنا فقط اک روز کیوں اُن سے
رہے وِردِ زباں ہر سانس میں صلواتِ پیغمبر

وہ ہیں خیر البشر اور رحمت اللعلمیں برقیؔ
بقائے دیں کے تھے ضامن سبھی غزواتِ پیغمبر

○○

نعت شریف

’’نبی ﷺ کی ذات زینت بن گئی ہے میرے دیواں کی‘‘
اُنہیں کا نور ہے جو روشنی ہے بزمِ امکاں کی

وہی ہیں شان میں جن کی ہے ورَفَعنا لک ذکرک
ثنا خواں اُن کی عظمت کی ہر اک آیت ہے قرآں کی

خدا کے بعد ہے سب سے بڑا درجہ محمد ﷺ کا
اُنھیں کی ذات ہے معراجِ اکبر نوعِ انساں کی

نہیں ہے اُن کا ثانی اور نہ ہوگا حشر تک کوئی
ہے اُن کی ذات مظہر سر بسر انوارِ یزداں کی

مسلماں ہو کہ ہندو ہو یہودی ہو کہ عیسائی
سبھی پر جاری وساری ہے شفقت ان کے فیضاں کی

اُنھیں کی ذاتِ اقدس منبعِ رُشد و ہدایت ہے
وہی ہیں روشنی کون و مکاں میں شمعِ عرفاں کی

ہے عملی زندگی قرآنِ ناطق اُن کی دُنیا میں
وہی ہیں درحقیقت روح برقّی دین و ایماں کی

○○

غزلیں

احساس کا وسیلۂ اظہار ہے غزل
آئینہ دارِ نُدرتِ افکار ہے غزل

اُردو ادب کو جس پہ ہمیشہ رہے گا ناز
اظہارِ فکروفن کا وہ معیار ہے غزل

گلدستۂ ادب کا گُلِ سرسبد ہے یہ
ہیں جس میں گُلعذار وہ گلزار ہے غزل

آتی ہے جس وسیلے سے دل سے زبان پر
خوابیدہ حسرتوں کا وہ اظہار ہے غزل

اُردو زبانِ دل ہے غزل اُس کی جان ہے
نوعِ بشر کی مونس و غمخوار ہے غزل

پہلے ''حدیثِ دلبری'' کہتے تھے اس کو لوگ
اب ترجمانِ کوچہ و بازار ہے غزل

پیشِ نظر اگر ہو ولؔی دکنی کا طرز
مشاطۂ عروسِ طرحدار ہے غزل

ہے میرؔ و ذوقؔ و غالبؔ و مومنؔ کو جو عزیز
وہ دلنواز جلوہ گہہِ یار ہے غزل

برقیؔ کے فکر و فن کا مرقع اسی میں ہے
برقؔ اعظمی سے مطلعِ انوار ہے غزل

○○

○

یادوں کی بازگشت مجھے کر رہی ہے مست
سرمایۂ حیات ہے یہ میرا بود و ہست

آلامِ روزگار سے ہے میرا حال پَست
غالب ہے آج مجھ پہ جو تھا پہلے زیردست

ایسا نہ تھا کبھی مرے خواب و خیال میں
یہ کون کررہا ہے مرے گردو پیش گشت

میری نگاہِ شوق ہے کیوں فرشِ راہ آج
کرتا ہے آج کیوں مرا مُرغِ خیال جَست

یہ جانتے ہوئے کہ نہ آئے گا وہ کبھی
میں کر رہا ہوں اُس کی ضیافت کا بندوبَست

ہے اُس کو میری فکر جو ہے میرا کارساز
مُجھ کو بُتوں سے ڈر نہیں میں ہوں خُدا پرست

مانے نہ مانے کوئی مرا ہے یہ اعتقاد
''دشمن اگر قوی است نگہباں قوی تر است''

نعمت خُدا کی ہے جو ہو ذہنی سکوں نصیب
ہیں ہیچ میرے سامنے برقیؔ یہ تاج و تخت

○○

○

ہمیں جو کہنا ہے کہتے رہیں گے وہ بیباک
نہ کر سکے گی ہمیں زیر گردشِ افلاک

بہت سے ہم نے نشیب و فراز دیکھے ہیں
کریں گے خاک سب اس کے عزائمِ ناپاک

بھروسہ قوتِ بازو پہ اپنی ہے جن کو
ہے اُن کے سامنے کوہِ گراں خس و خاشاک

شعار اپنا رہا ہے ہمیشہ حق گوئی
کیاہے سینۂ باطل کو تیغِ حق نے چاک

تھی اپنے ہاتھ میں مہمیزِ اشہبِ دوراں
بنا رہا ہے ہمیں آج یہ جہاں فتراک

عرب ہو یا ہو عجم سب ہیں مُہرۂ شطرنج
بساطِ دہر پہ حاوی ہیں وہ جو ہیں چالاک

نہ جل سکیں گے کبھی ہم اُس آگ میں ہرگز
''کہ جس کا شعلہ نہ ہو تُند و سرکش و بیباک''

نہ دیتے گر ہمیں اقبالؔ درسِ فکر و عمل
تو ہوتا حالِ زبوں اپنا اور عبرتناک

کریں گے معرکۂ خیر و شر کو سر برقیؔ
ہماری تاب و تواں کیا ہے ہم کو ہے اِدراک

○○

○

کتنا عجب ہے جوشِ جنوں کا میرے یہ افسانہ بھی
میرا یہ کاشانۂ دل آباد بھی ہے ویرانہ بھی

اُس کی نگاہِ ناز کی مستی ایسی اثر انداز ہوئی
''ہاتھ سے مُنھ تک آتے آتے چھوٹ پڑا پیمانہ بھی''

حِفظِ مراتب کا ہوں قائل سب سے ہے میری راہ و رسم
دیوانوں میں دیوانہ فرزانوں میں فرزانہ بھی

کوئی نہیں ہے آگے پیچھے جس سے کہوں میں حالِ زبوں
تھا جو سکونِ قلب کا باعث نہیں رہا وہ شانہ بھی

بند کیا تھا مرا ناطقہ پیرِ فلک نے پہلے ہی
دُشمنِ جاں ہیں عہدِ رواں میں میرے اہل زمانہ بھی

کوئی غمِ دوراں سے ہے نالاں تنگ غمِ جاناں سے کوئی
سوزِ دروں سے اب ہے پریشاں میرا دلِ دیوانہ بھی

ہوتا ہے مجروح تقدس آج عبادت گاہوں کا
زد میں ہے اہلِ سیاست کی اب مسجد بھی بُتخانہ بھی

اپنوں کا تھا جیسا رویہ وقتِ ضرورت میرے لئے
پیش نہ آیا ایسے برتّی مُجھ سے کوئی بیگانہ بھی

○○

○

وہ ایک جھلک دکھلا بھی گئے، وعدوں سے ہمیں بہلا بھی گئے
اک لمحہ خوشی دے کر ہم کو، برسوں کے لئے تڑپا بھی گئے

دیدار کی پیاسی تھیں آنکھیں، کچھ دیر اگر وہ ٹھہر جاتے
اک چشمِ زدن میں ایسے گئے، ہم کھو بھی گئے اور پا بھی گئے

آنکھوں میں شرابِ شوق لئے، دروازۂ دل سے یوں گزرے
میخانۂ ہستی میں آکر، وہ پی بھی گئے چھلکا بھی گئے

تھا ایسا نگاہوں میں جادو، ہم بھول گئے سب جام و سبو
جیسے ہی نگاہیں ان سے ملیں، ملتے ہی نظر شرما بھی گئے

ہیں غمزہ و ناز و ادا اُن کے، توصیف سے اپنی بالا تر
تھی چال میں ایسی سُبک روی، ناگن کی طرح بل کھا بھی گئے

ہے رنگِ مجاز بہت دلکش، جو شعر و سخن میں تھے یکتا
اپنے اشعار سے جو سب کو، بہلا بھی گئے تڑپا بھی گئے

نظمیں ہوں اُن کی یا غزلیں، دیتی ہیں دعوتِ فکر و عمل
وہ زلفِ عروسِ سخن آ کر جو اُلجھی تھی سلجھا بھی گئے

کچھ دیر انھیں نہ لگی برقی، آئے بھی اور گزر بھی گئے
وہ غنچۂ دل کو کِھلا بھی گئے، جو کِھلتے ہی مُرجھا بھی گئے

○○

○

امن و صُلح و آشتی ہو جیسے بیماری کا نام
ہے سیاست عہدِ نو میں ایک عیاری کا نام

اُن کا ظاہر اور باطن دیکھ کر ایسا لگا
پارسائی جیسے ہو شاید ریاکاری کا نام

جو زمانہ ساز ہیں ،ہیں سب کے منظورِ نظر
ہے تغزل میں ترنم آج فنکاری کا نام

گردشِ حالات سے ہے بند جن کا ناطقہ
وہ زبانِ حال سے لیتے ہیں بیکاری کا نام

ہے گرانی کا وہ عالم الامان و الحفیظ
ڈرتے ہیں لیتے ہوئے اب سب خریداری کا نام

شوخیِ گفتار میں کہہ جاتے ہیں وہ کچھ سے کچھ
دوستی ان کی نظر میں ہے دل آزاری کا نام

پُرمسرت زندگی ہے آج کل خواب و خیال
ہے زباں پر اِن دنوں سب کی عزاداری کا نام

کر رہا ہوں یہ غزل نذرِ ضمیرؔ جعفری
ہے درخشاں فکر و فن سے جن کے فنکاری کا نام

کیا کشودِ کار کی برقیؔ کوئی صورت نہیں
سب کے ہے وِردِ زباں اب صرف دشواری کا نام

○○

○

میں رودادِ دلِ مضطر سنا دوں پھر چلے جانا
تمھیں زخمِ جگر اپنا دکھا دوں پھر چلے جانا

ذرا سی ٹھیس سے یہ شیشۂ دل ٹوٹ جائے گا
تمھیں اِس خوابِ غفلت سے جگا دوں پھر چلے جانا

سمجھتے ہو اسے بازیچۂ اطفال تم شاید
تمھیں آدابِ اُلفت میں سکھا دوں پھر چلے جانا

نہیں روکوں گا جانے سے تمھیں لیکن ذرا ٹھہرو
میں تم کو آج آئینہ دکھا دوں پھر چلے جانا

اگرچہ مُنتشر ہے میرا یہ شیرازۂ ہستی
تمھارے خانۂ دل کو سجا دوں پھر چلے جانا

نشاط و کیف و سرمستی کا ساماں تھے تمھیں میرے
متاعِ جان و دل تم پر لٹا دوں پھر چلے جانا

بنایا رفتہ رفتہ مجھ کو شیدائی سے سودائی
تمھیں بھی اپنا دیوانہ بنادوں پھر چلے جانا

وہ ہے درپردہ دشمن جو بظاہر دوست ہے برقیؔ
حقیقت کیاہے یہ تم کو بتا دوں پھر چلے جانا

○○

○

رہِ زندگانی میں چلنا سنبھل کے
ملا یہ سبق موجِ طوفاں میں پَل کے

یہ ہیں رہنما دیکھئے آج کل کے
جو ہر روز آتے ہیں چہرے بدل کے

گلوں کی تمنا ہمیں بھی تھی لیکن
شب و روز گذرے ہیں کانٹوں پہ چل کے

غمِ زندگی آج حاوی ہے اس پر
نہیں رہ گئے اب وہ عنواں غزل کے

کہاں سے اُنہیں لا کے دوں چاند تارے
کہا میرے بچوں نے مجھ سے مچل کے

میسر نہیں اُن کو دو گز زمیں بھی
مگر خواب وہ دیکھتے ہیں محل کے

اُنہیں آرہے ہیں نظر دن میں تارے
حساب اُن کو دینے ہیں ایک ایک پَل کے

دکھایا جو آئینہ برقیؔ نے ان کو
تمھیں دیکھ لیں گے وہ کہتے ہیں جَل کے

○○

○

خانۂ دل کا باب ہیں آنکھیں
روحِ حسن و شباب ہیں آنکھیں

ہیں یہ مشاطۂ عروسِ حیات
حُسن کی آب و تاب ہیں آنکھیں

جسم میں ہیں یہ مطلعِ انوار
صورتِ ماہتاب ہیں آنکھیں

دستِ قدرت کا شاہکار ہیں یہ
تحفۂ لاجواب ہیں آنکھیں

ہیں یہ شمعِ حیات کی تنویر
ضوفشاں آفتاب ہیں آنکھیں

ایک مدت سے ہے جو لاینحل
وہ سوال و جواب ہیں آنکھیں

ہیں یہ سوزِ دروں کا آئینہ
مظہرِ اضطراب ہیں آنکھیں

جستجو میں کسی کی سرگرداں
دشتِ دل میں سراب ہیں آنکھیں

زندگی میں نہیں ہے کوئی رمق
جب سے زیرِ عتاب ہیں آنکھیں

حسرتِ دید ہے ابھی باقی
اِس لئے نیم خواب ہیں آنکھیں

عالمِ رنگ و بو میں اے برقیؔ
اک حسیں انتخاب ہیں آنکھیں

○○

○

دلکش و دلفگار ہے دُنیا
مظہرِ نور و نار ہے دُنیا

کچھ گُلِ سَرسبَد سمجھتے ہیں
کچھ کی نظروں میں خار ہے دُنیا

ہے فلسطین اِس کی ایک مثال
جیسے اک کارزار ہے دُنیا

دیکھتا ہی نہیں اِدھر کوئی
کتنی غفلت شعار ہے دُنیا

اہلِ غزہ سے پوچھئے جاکر
دامنِ داغدار ہے دُنیا

خونِ انساں یہاں پہ ارزاں ہے
جس کا اک کاروبار ہے دُنیا

وہ ''فلوٹیلا'' کاروانِ رفاہ
جس کی مِنت گذار ہے دُنیا

اس پہ صیہونیت کی یہ یلغار
دیکھ کر شرمسار ہے دُنیا

ہو اگر امن و صلح کا ماحول
ایسے میں سازگار ہے دُنیا

تنگ ہو عرصۂ حیات اگر
حسرتوں کا مزار ہے دُنیا

کرو عقبیٰ کی فکر اے برقیؔ
''چار دن کی بہار ہے دُنیا''

○○

○

منظرِ صبح و شام ایک طرف
حُسنِ ماہِ تمام ایک طرف

جامِ مے میں کہاں وہ کیف و سرور
اس کی آنکھوں کا جام ایک طرف

چشمِ میگوں چھلک رہی ہے ادھر
عاشقِ تشنہ کام ایک طرف

ہے یہ جوشِ جنوں کا اک فیضان
میرا اور اُس کا نام ایک طرف

دشمنِ جاں ہے گردشِ دوراں
اشہبِ بے لگام ایک طرف

ہے وہ مشاطۂ عروسِ سخن
میرا حُسنِ کلام ایک طرف

یہ مرے فکر و فن کا سرمایہ
جو ہے نقشِ دوام ایک طرف

آج اپنے وطن میں ہوں گُمنام
ہو گا کل میرا نام ایک طرف

میں ہوں برقؔ اعظمی کے فن کا غلام
جن کا ہے فیضِ عام ایک طرف

ہے مرے لب پہ کلمۂ توحید
ذکرِ خیرالانام ﷺ ایک طرف

ہیچ برقؔی ہیں سب یہ جاہ و حشم
خُسروِ نیک نام ایک طرف

○○

○

میرا جوشِ جنوں والہانہ ہوا، تلخ پھر زندگی کا فسانہ ہوا
اُس سے بچھڑے ہوئے اک زمانہ ہوا،جس کے تیرِ نظر کا نشانہ ہوا

اپنی فطرت سے مجبور ہوں اس لئے،سرکشی سے ہمیشہ گریزاں رہا
کرسکا میں تجاوز نہ حد سے کبھی،اس کا جو وار تھا جارحانہ ہوا

کام آیا نہ کچھ میرا سوزِ دروں،وہ بڑھاتا رہا میرا جوشِ جنوں
مرغِ بسمل کی صورت مرا حال تھا، جذبۂ عاشقی قاتلانہ ہوا

تھا وہ صیاد ہردم مری گھات میں، کر رہا تھا تعاقب جو برسات میں
دامِ تزویر میں اُس کے میں آ گیا، دشمنِ جاں مرا آب و دانہ ہوا

تھی سکونت نہ اُس کی کبھی دیرپا، آمد و رفت کا وقت کوئی نہ تھا
کوئی رہتا نہیں ہے جہاں مستقل، دل مرا اُس کا مہمان خانہ ہوا

خواب میں میرے اکثر وہ آتا رہا، ویسے مجھ سے وہ نظریں چراتا رہا
اُس کے ناز و ادا تھے حیات آفریں، جو بھی سرزد ہوا غائبانہ ہوا

امجد اسلام امجؔد کا رنگِ سخن، عہدِ حاضر میں ہے مرجعِ اہلِ فن
دلنشیں اُن کا اسلوب اس بحر میں، اِس غزل کا میری شاخسانہ ہوا

کھا رہا تھا میں اُس کا فریبِ نظر، خانۂ دل کے تھے منتظر بام و در
کام آئی نہ کچھ سادہ لوحی مری، کارگر اُس کا برقؔی بہانہ ہوا

○○

○

میں ظلم و جور کا کس طرح سدِ باب کروں
جواب دے کے اسے کیسے لاجواب کروں

جو کررہا ہے پسِ پردہ میری بیخ کنی
میں کیسے اُس کے عزایم کو بے نقاب کروں

حساب اُس سے کروں گا جگا کے میں اپنا
مرا شعار نہیں اُس کو محوِ خواب کروں

جو ہونا ہوگا وہ ہو جائے گا بفضلِ خدا
میں اپنی نیند بلا وجہہ کیوں خراب کروں

جہاں جمود و تعطل کا ہو نہ کوئی شکار
میں چاہتا ہوں بپا ایسا انقلاب کروں

نہ جانے زندگی کب ساتھ چھوڑ دے میرا
مجھے جو کرنا ہے کیوں کر نہ وہ شتاب کروں

جسے سمجھتا تھا میں رہنما وہ تھا رہزن
میں کیسے اپنے عزایم کو کامیاب کروں

نہیں ہے تیرگی مجھ کو پسند اے برقیؔ
''میں چاہتا تھا چراغوں کو آفتاب کروں''

○○

○

بات جو اُن کے حُسن کی بزمِ سُخن میں چل گئی
میری جو کیفیت تھی وہ میری غزل میں ڈھل گئی

کہہ کے گئے تھے آئیں گے وہ شبِ وعدہ کل گئی
آج بھی منتظر ہوں میں آئے نہ شام ڈھل گئی

لیتے ہیں بار بار کیوں صبر کا میرے امتحاں
روٹھے ہیں مُجھ سے کس لئے کل کی وہ بات کَل گئی

کرتے ہیں دل لگی یہ کیوں اِس سے ملے گا اُن کو کیا
صُبح سے شام ہو گئی رات بھی آ کے ٹل گئی

موجِ نشاط و سرخوشی ثابت ہوئی نہ دیرپا
نخلِ مُراد کی مرے شاخِ اُمید جل گئی

مُجھ کو دکھا رہے تھے جو وہ تو تھا اُن کا سبز باغ
وعدۂ پُرفریب سے طبعِ حزیں بہل گئی

خانۂ دل میں آکے وہ بولے ذرا ابھی ٹھہر
اِتنا اُتاولا ہے کیوں کیا تری عقل چل گئی

برقیؔ متاعِ شوق ہے کیفیتِ اُمید و بیم
تجھ کو ملے گا کیا اگر حسرتِ دل نکل گئی

○○

○

وہ کہاں ہیں ہمیں بتاتے تو
ہم چلے آتے وہ بلاتے تو

جان و دل ہم نثار کردیتے
کاش وہ ہم کو آزماتے تو

خانۂ دل نہ ہوتا خاکستر
ہنس کے بجلی نہ وہ گراتے تو

ہم سے اچھا کوئی نہیں ہوتا
ناز اُن کے جو ہم اُٹھاتے تو

بال کی وہ نکالتے ہیں کھال
عیب اُن کے جو ہم گِناتے تو

وہ دکھاتے ہیں آئینہ ہم کو
آئینہ اُن کو ہم دکھاتے تو

سر پہ وہ آسماں اُٹھا لیتے
ہم اگر اُن کو بھول جاتے تو

آئے تھے تو ذرا ٹھہرجاتے
کاش کچھ دیر وہ نہ جاتے تو

آپ بیتی ہماری سنتے وہ
اُن کی ہم سُنتے جو سُناتے تو

ہوتے برقیؔ وہ سب کے نورِ نظر
رسمِ اُلفت اگر نبھاتے تو

○○

○

دیکھا جو اُس کو تیرِ نظر اُس کا چل گیا
لیکن میں اُس کے وار سے بچ کر نکل گیا

اُس کی کُلاہ کج ہے اُسی بانکپن کے ساتھ
رسّی تو جل چکی ہے ابھی تک نہ بل گیا

میں آشنا ہوں اُس کے ہراک قول وفعل سے
اُس نے کیا تھا وعدۂ فردا جو ٹل گیا

عادی ہوں زندگی کے نشیب و فراز کا
تعمیر کر رہا ہوں وہی گھر جو جل گیا

حالات سے ہمیشہ نبرد آزما ہوں میں
ہر ہر قدم پہ ٹھوکریں کھا کر سنبھل گیا

ناز ونعم میں جس کے گذرتے تھے روز وشب
سر سے ابھی نہ اُس کے خیالِ محل گیا

تھا عرصۂ حیات مرا تنگ اس لئے
آشوبِ روزگار میں بھی رہ کے پَل گیا

تنکے کا ڈوبتے کو سہارا ہو جس طرح
دلجوئی کی کسی نے تو برقیؔ بَہل گیا

○○

○

کرشمے غمزہ و ناز و نظر کے دیکھتے ہیں
دیارِ شوق سے ہم بھی گزر کے دیکھتے ہیں

سُنا ہے خوشنما منظر ہے گُلعذاروں سے
اگر یہ سچ ہے تو ہم بھی ٹھہر کے دیکھتے ہیں

ہے اُس کی چشمِ فسوں ساز جیسے گہری جھیل
شناوری کے لئے ہم اُتر کے دیکھتے ہیں

خرامِ ناز میں سرگرم ہے وہ رشکِ گُل
چمن میں غنچہ وگُل بھی سنور کے دیکھتے ہیں

جدھر جدھر سے گُذرتا ہے وہ حیات افروز
نظارے ہم وہاں شمس وقمر کے دیکھتے ہیں

حریمِ ناز معطّر ہے اُس کی آمد سے
مزاج بدلے نسیمِ سحر کے دیکھتے ہیں

کبھی ہے خُشک کبھی نَم ہے چشمِ ماہ وشاں
نظارے چل کے وہاں بحر و بَر کے دیکھتے ہیں

جو خواب دیکھا تھا احمد فراز نے برقیؔ
ہم اُس کو زندۂ جاوید کرکے دیکھتے ہیں

○○

○

کسی کی یہ تن آسانی کے دن ہیں
''ہماری تنگ دامانی کے دن ہیں''

تلاطم خیز موجوں میں گھرے ہیں
نہ تھا معلوم طُغیانی کے دن ہیں

یہ کیسا انقلاب آیا جہاں میں
بہرسو فتنہ سامانی کے دن ہیں

گراں ہر چیز ہے عہدِ رواں میں
ہمارے خوں کی ارزانی کے دن ہیں

ہوا کرتے تھے جو دربان اپنے
اب اُن کی آج سُلطانی کے دن ہیں

نہ جانے کیوں ہے دامنگیر وحشت
جنوں میں چاک دامانی کے دن ہیں

نہیں آیا غزل گوئی کا موسم
ابھی تو مرثیہ خوانی کے دن ہیں

گزر جائیں گے یہ بھی رفتہ رفتہ
ابھی برقی پریشانی کے دن ہیں

○○

○

دیارِ شوق میں جس کو بھی ہمسفر جانا
وہ راہ زن تھا اُسے میں نے راہبر جانا

جو اہلِ فضل و ہُنر تھے وہ تھے پسِ پردہ
زمانہ ساز تھا جس کو بھی دیدہ ور جانا

شعور و فکر نے میرے دیا نہ ساتھ مرا
جو باخبر تھے اُنہیں میں نے بے خبر جانا

بھُگت رہا ہوں سزا اپنی بدگُمانی کی
جو صُلح جو تھا اُسے میں نے فتنہ گر جانا

قصور میرا تھا ملتا ہوں اب کفِ افسوس
جو بارور تھے اُنھیں نخلِ بے ثمر جانا

نہیں ہے اِس سے بڑی اور کوئی حق تلفی
جو مثلِ لعل و گُہر تھے اُنھیں صِفَر جانا

وفا کا نام جفا رکھ دیا جفا کا وفا
امیرِ شہر نے ظالم کو معتبر جانا

سمجھ میں آئی ہے جب سے مرے حقیقتِ حال
نہیں پسند مجھے اب اِدھر اُدھر جانا

وہ خود فریبی تھی برقیؔ کی یا کہ خوش فہمی
جو اہلِ ظرف تھے اُن کو ہی کم نظر جانا

○○

○

دل میں ہے دلنواز غزل کہہ رہا ہوں میں
تارِ نفس ہے ساز غزل کہہ رہا ہوں میں

مشاطۂ عروسِ غزل ہے مری رفیق
ہر غم سے بے نیاز غزل کہہ رہا ہوں میں

آرائشِ خیال کی ہے جلوہ گاہ ذہن
قسمت ہے کار ساز غزل کہہ رہا ہوں میں

وہ پوچھتے ہیں مجھ سے مرا ماجرائے شوق
ہے اس کا کیا جواز غزل کہہ رہا ہوں میں

یہ نے کا اور نوا کا بھی رشتہ عجیب ہے
ہے کوئی نے نواز غزل کہہ رہا ہوں میں

جب سے ہے کوئی دل کے دریچے میں جلوہ گر
ہے ذہن میرا باز غزل کہہ رہا ہوں میں

یادوں کا اک ہجوم ہے کیوں دل کے آس پاس
سینے میں ہے گدازغزل کہہ رہا ہوں میں

میرا رقیب درپئے آزار ہے مرے
کرتا ہے ساز باز غزل کہہ رہا ہوں میں

برقیؔ نہیں ہے کوئی غرض اس سے مجھ کو آج
کیا ہے نیاز و ناز غزل کہہ رہا ہوں میں

○○

○

آجا تجھ کو خانۂ دل میں اپنا بناؤں گا مہمان
حسرتِ دید کی تیری پیاسی یہ آنکھیں ہیں میری جان

چاروں طرف ہے اک سناٹا کوچۂ جاناں بھی سُنسان
جب سے گیا ہے چھوڑ کے اس کو خانۂ دل ہے یہ ویران

میں نے کہا ہے جو کچھ تجھ سے ہے وہ مرے دل کی آواز
تجھ پہ تصدق ہے یہ متاعِ شوق مری تو مان نہ مان

وعدۂ فردا کرکے نہ آیا فرشِ راہ تھے دیدہ و دل
میں یہ سمجھنے سے ہوں قاصر جان کے بھی کیوں ہے انجان

صفحۂ دل پر اب بھی ہیں محفوظ تری یادوں کے نقوش
دیکھ کے تیرا روئے زیبا آجاتی تھی جان میں جان

جوشِ جنوں میں اب بھی ہے مجھ کو حدِ ادب کا پاس و لحاظ
تیرا خیالِ خام ہے یہ جو مجھ کو سمجھتا ہے نادان

اُن کے سبھی کرداروں میں شامل تھا اُن کا خونِ جگر
ابنِ صفی کا پیشِ نظر ہے میرے یہ آدرش مہان

وجہِ سعادت میرے لئے ہے اُن کی زمیں میں فکرِ سخن
ابنِ صفی کے طرزِ بیاں پر رنگِ سخن میرا قربان

جاسوسی ناول ہوں برقی یا اُن کے گلہائے سُخن
نظم و نثر میں ابنِ صفی کی الگ ہے اک پہچان

○○

○

کیف و سرورِ عشق میں بل کھا کے پی گیا
اُس کی نگاہِ مست سے للچا کے پی گیا

ساقی کے دستِ ناز میں دیکھا جو جامِ مے
قابو رہا نہ دل پہ وہاں جا کے پی گیا

تارِ وجود ہونے لگا مُرتَعِش مرا
اُٹّھی اک ایسی لہر کہ لہرا کے پی گیا

کچھ دیر انتظار کرو آرہا ہوں میں
وہ مانتا نہیں تھا میں منوا کے پی گیا

اُس نے کہا کہ دُردِ تہہِ جام ہے بچی
میں کہا کہ دے وہی اور لا کے پی گیا

مُجھ کو جنونِ شوق میں آیا نہ کچھ نظر
جو کچھ بھی آیا سامنے جھنجھلا کے پی گیا

مُجھ کو ازل سے بادۂ عرفاں عزیز تھی
دیوانہ وار اِس لئے میں جا کے پی گیا

ٹوٹے کہیں نہ رندِ بلا نوش کا بھرم
برقیؔ وفورِ شوق میں شرما کے پی گیا

○○

○

ہیں اُس کے دستِ ناز میں دلکش حنا کے پھول
اظہارِ عشق اُس نے کیا ہے دکھا کے پھول

بھیجے ہیں خط میں اُس نے جو مُجھ کو چھپا کے پھول
وجہہِ نشاطِ روح ہیں یہ مدعا کے پھول

ہے مظہرِ خلوص یہ گلدستۂ حسیں
سرمایۂ حیات ہیں درد آشنا کے پھول

اُس کے خرامِ ناز کا عالم نہ پوچھئے
ہیں دلفریب غمزہ و ناز و ادا کے پھول

پاکیزگیِ نفس ہے آرائشِ خیال
ہیں آبروئے حُسن یہ شرم و حیا کے پھول

پھولے پھلے ہمیشہ ترا گلشنِ حیات
میں پیش کر رہا ہوں تجھے یہ دعا کے پھول

ریشہ دوانیوں میں وہ مصروف ہیں مگر
گلشن میں ہم کھلاتے ہیں مہر و وفا کے پھول

برقی ہے بے ثبات یہ دُنیائے رنگ و بو
دیتے ہیں درس ہم کو یہی مسکرا کے پھول

○○

○

بات ہے اُن کی بات پھولوں کی
ذات ہے اُن کی ذات پھولوں کی

وہ مجسم بہار ہیں اُن میں
ہیں بہت سی صفات پھولوں کی

گفتگو اُن کی ایسی ہے جیسے
پھول کرتا ہو بات پھولوں کی

گُل ہیں گُلشن میں رونقِ گلزار
اور وہ ہیں حیات پھولوں کی

غُنچہ و گُل کی یہ فراوانی
جیسے ہو اِک برات پھولوں کی

حُسنِ فطرت کا شاہکار ہیں یہ
روح پرور ہے ذات پھولوں کی

روتی ہے فرطِ غم سے شبنم بھی
دیکھ کر مشکلات پھولوں کی

باغباں کی نظر سے دور رہیں
ہے اِسی میں نجات پھولوں کی

درسِ عبرت ہے اہل دل ے لئے
زندگی بے ثبات پھولوں کی

ہے نشاط آفریں بہت برتی
دلنشیں کائنات پھولوں کی

○○

○

یادِ ماضی ستاتی رہی رات بھر
خواب میں آتی جاتی رہی رات بھر

دیکھ کر اُس کو میں دم بخود رہ گیا
نیند میری اُڑاتی رہی رات بھر

تیرہ و تار تھا خانۂ دل مرا
وہ اُسے جگمگاتی رہی رات بھر

میرے کانوں میں بجتی تھیں شہنائیاں
زیرِ لب گُنگُناتی رہی رات بھر

شمعِ ہستی کی لو جب بھی مدھم ہوئی
وہ جلاتی بُجھاتی رہی رات بھر

جب بھی شیرازۂ دل ہوا مُنتشر
وہ مسلسل سجاتی رہی رات بھر

میرے تارِ نفس کی وہ مضراب ہے
سازِ دل جو بجاتی رہی رات بھر

تھی وہ شعلہ کبھی اور شبنم کبھی
روٹھتی اور مناتی رہی رات بھر

لے کے صبرو سکوں کا مرے امتحاں
وہ مجھے آزماتی رہی رات بھر

گلشنِ زندگی کی شگفتہ کلی
نِت نئے گُل کھلاتی رہی رات بھر

دے کے دستک درِ دل پہ وہ بارہا
مجھ کو برقؔی جگاتی رہی رات بھر

○○

○

روح پرور ہے اُس کا غمزہ و ناز
شخصیت اُس کی ہے کرشمہ ساز

میرے قلبِ حزیں کا سوز و گداز
اُس پہ ہوتا نہیں اثر انداز

کب وہ چھیڑے گا میرے دل کا ساز
میں ہوں ہر وقت گوش بر آواز

میرا کوئی نہیں ہے محرمِ راز
زندگی ہے پُر از نشیب و فراز

لب پہ میرے لگی ہے مُہرِ سکوت
''نہ گُلِ نغمہ ہوں نہ پردۂ ساز''

جس کو دیکھو ہے مصلحت اندیش
ہے جہاں کارگاہِ ناز و نیاز

ذہن قاصر ہے یہ سمجھنے سے
کیا حقیقت ہے اور کیا ہے مجاز

کون کس سے کرے گا حُسنِ سلوک
اب نہ محمود ہے نہ کوئی ایاز

اہلِ فضل و کمال ہیں گمنام
بامِ شہرت پہ ہیں زمانہ ساز

○○

○

ہے ذہن میں میرے ابھی اُس رات کا عالم
برسات میں بیتابیِ جذبات کا عالم

ہے سامنے اُس کی مرے تصویرِ تصور
پُرکیف ہے کس درجہ خیالات کا عالم

جُز اُس کے نہیں اِس کو کوئی چیز بھی مطلوب
ہے عشق کو یہ حُسن کی سوغات کا عالم

ناقابلِ اظہار ہے اب جوشِ جنوں میں
افکارِ پریشاں کی حکایات کا عالم

ہرایک ادا اُس کی ہے ناقابلِ توصیف
اِس بات کا عالم ہو کہ اُس بات کا عالم

کب ہوگا مرا خواب یہ شرمندۂ تعبیر
جب ہوگا نہ کوئی بھی حجابات کا عالم

ثانی نہیں کوئی بھی تغزل میں جگرؔ کا
کہتا ہے یہ میرے دلِ بیتاب کا عالم

برقیؔ شبِ تنہائی میں یہ شدّتِ احساس
ہے کتنا حسیں یادوں کی بارات کا عالم

○○

○

آزمودہ کو آزماتے کیا؟
موت کو ہم گلے لگاتے کیا؟

دی ہے ہم کو خدا نے عقلِ سلیم
نہ کماتے اگر تو کھاتے کیا؟

ہے یہ مخصوص جانِ جاں کے لئے
جان و دل غیر پر لُٹاتے کیا؟

دیکھ کر اس کو درپئے آزار
گر نہ روتے تو مسکراتے کیا؟

کام مجھ سے اگر نہیں ہوتا
میرے گھر یونہی آتے جاتے کیا؟

رقص کرنا جنھیں نہیں آتا
انگلیوں پر انھیں نچاتے کیا؟

ہم کو تفریح کا نہیں کیا حق؟
بارِ غم عمر بھر اٹھاتے کیا؟

ہیں جو اپنے وجود کا حصہ
ان کو ہم یونہی بھول جاتے کیا؟

ہم ہیں ان کے مزاج سے واقف
مانتے گر نہ وہ مناتے کیا؟

نعمتِ حق کا شکر ہے واجب
عاقبت اپنی ہم گنواتے کیا؟

برق برقّی کے آگے پیچھے تھی
خانۂ دل کو وہ سجاتے کیا؟

○○

○

اُس نے کیا ہے وعدۂ فردا آنے دو اُس کو آئے تو
نام بدل دینا پھر میرا لوٹ کے واپس جائے تو

عرضِ تمنا کریں گے اُس سے اگر نہ وہ ٹھکرائے تو
اُس سے ضرور ملیں گے جا کر پہلے ہمیں بُلائے تو

عزتِ نفس کا ہے یہ تقاضا حُسن سلوک کریں دونوں
اُس کو ہم لبیک کہیں گے رسمِ وفا نبھائے تو

صفحۂ ذہن پہ نقش ہے اُس کا میرے ابھی تک نازو نیاز
جیسے شرماتا تھا پہلے ویسے ہی شرمائے تو

روٹھنے اور منانے کے احساس میں ہے اک کیف و سرور
میں نے ہمیشہ اُسے منایا وہ بھی مجھے منائے تو

کیوں رہتا ہے مجھ سے بدظن ہے جو مرا منظورِ نظر
کچھ نہیں آتا میری سمجھ میں کوئی مجھے سمجھائے تو

خونِ جگر سے سینچوں گا گلزارِ تمنا اُس کے لئے
باغِ حیات میں گلِ محبت آ کر مرے کھلائے تو

فصلِ خزاں میں کیا ہوگا آثار نمایاں ہیں جس کے
فصلِ بہار میں برقی اپنے دل کی کلی مُرجھائے تو

○○

○

بعد مدت کے ہوا ہے ختم میرا انتظار
آپ کی چشمِ کرم ہو یونہی مجھ پر بار بار

دامنِ دل میں نہ اُلجھے زندگی بھر کوئی خار
آپ جیسے آج ہیں کل بھی ہوں ویسے گُلعذار

اب بتائیں آپ کیا سرزد ہوئی مُجھ سے خطا
یاد رکھوں تا کہ آئندہ نہ ہو کچھ ناگوار

آپ کا شرمندۂ تعبیر ہو ہر ایک خواب
طبعِ نازک پر نہ ہو میری وجہہ سے کوئی بار

آپ کا باغِ تمنا عمر بھر پھولے پھلے
زندگی کا ماحصل ہو آپ کی بس صرف پیار

منتشر شیرازۂ ہستی نہ ہو یہ آپ کا
ہو فضائے گردشِ دوراں ہمیشہ سازگار

آپ ہوں ہرگز نہ طوفانِ حوادث کے شکار
چہرۂ زیبا نہ ہو آلودۂ گرد و غبار

ہے دُعا احمد علی برقیؔ کی یہ صبح و مَسا
قایم و دایم رہے یہ آپ کا عزو وقار

○○

○

مت کرو سرکشی بس بہت ہو گئی
چھوڑ دو دشمنی بس بہت ہو گئی

جا رہے ہو کہاں مجھ سے منھ موڑ کر
کیوں ہے یہ بے رُخی بس بہت ہو گئی

آؤ بیٹھو چلے جانا پھر بعد میں
اُف یہ ناراضگی بس بہت ہو گئی

دیکھو اچھی نہیں ے تمھاری روش
اِس قدر بیحسی بس بہت ہو گئی

جوش اچھا نہیں ہوش سے کام لو
اب یہ دریا دلی بس بہت ہو گئی

اشہبِ وقت اتنا نہ اِترا کے چل
تیری یہ خودسری بس بہت ہو گئی

وقت کے ساتھ یہ زخم بھر جائیں گے
تیری چارہ گری بس بہت ہو گئی

پک گئے کان سُن سُن کے برقیؔ کے اب
تیری یہ راگنی بس بہت ہو گئی

○○

○

بہت رفتار تھی یوں تو ہوا کی
مری شمعِ وفا پھر بھی جلا کی

ہے اُس میں جاذبیت اِس بلا کی
”بگڑنے پر بھی زُلف اُس کی بَنا کی

نہ دے دھمکی مجھے جورو جفا کی
بتا مجھ سے یہ میں نے کیا خطا کی

رضائے یار میں میری رضا ہے
سزا کی بات ہو یا ہو جزا کی

اسے ہے دستِ قُدرت نے سنوارا
وہ ہے تصویر اک ناز و ادا کی

مرا خونِ جگر ہے اس میں شامل
نظر آتی ہے جو سرخی حِنا کی

میں جس سے کر سکوں عرضِ تمنا
ضرورت ہے اسی درد آشنا کی

بتا دے اے ستمگر اب خدارا
کوئی حد بھی ہے اس جور و جفا کی

ہے شیوہ جس کا برّقی بے وفائی
توقّع اس سے کیا مہر و وفا کی

○○

○

غم و آلام کی بارات نے سونے نہ دیا
مستقل گردشِ حالات نے سونے نہ دیا

گھر گیا موجِ حوادث میں سفینہ میرا
ناگہاں یورشِ برسات نے سونے نہ دیا

جس سے آنا تھا اُسے ہے یہ وہی راہگذر
اُس کے قدموں کے نشانات نے سونے نہ دیا

قصرِ دل نذرِ فسادات ہوا ہے جب سے
مُجھ کو گذرے ہوئے لمحات نے سونے نہ دیا

ہیں سوالات کئی جن کا نہیں کوئی جواب
بار بار ایسے سوالات نے سونے نہ دیا

پھر مری گُمشدہ میراث ملے گی کہ نہیں
اِنھیں فرسودہ خیالات نے سونے نہ دیا

صبحِ اُمید کب آئے گی نہیں کچھ معلوم
رات بھر مجھ کو اِسی بات نے سونے نہ دیا

دل سے ہوتے ہی نہیں محو یہ یادوں کے نقوش
گرمیٔ شدّتِ جذبات نے سونے نہ دیا

مجھ پہ جو گزری ہے گزرے نہ کسی پر برقیؔ
خدشۂ ترکِ ملاقات نے سونے نہ دیا

○○

○

گُلبدن، غنچہ دہن اور گلابی چہرہ
سر سے پا تک تھا وہ گُل پوش کتابی چہرہ

غمزہ و ناز و ادا اُس کے تھے غارتگرِ ہوش
جلوہ گر بزم میں تھا نیم حجابی چہرہ

دیکھ کر اُس کو کسی گُل کی تمنا نہ رہی
آج تک دیکھا نہیں ایسا جوابی چہرہ

رونقِ گلشنِ ہستی تھا وہ روئے زیبا
پیکرِ حُسنِ گُلِ تَر تھا گلابی چہرہ

ایسا مشاطۂ فطرت نے سنوارا تھا اُسے
دُرِّ شہوار کی مانند تھا آبی چہرہ

وہ تھی تصویرِ تصور جو مرے خواب میں تھی
ہوا بیدار تو غائب تھا حبابی چہرہ

صفحۂ ذہن پہ محفوظ ہیں یادیں اُس کی
مثلِ گُل تھا ترو تازہ وہ شبابی چہرہ

دم بخود دیکھ کے برقی تھا نگاہیں اُس کی
جیسے ہو میکدہ بردوش شرابی چہرہ

○○

○

گزرے جدھر جدھر سے وہ زلفیں سنوار کے
تھے مُشکبار جھونکے نسیمِ بہار کے

چشمِ تصورات میں بیحد حسین تھے
نقش و نگار چہرۂ زیبائے یار کے

ہوتے ہیں بحرِ عشق میں جذبات موجزن
نازو نیاز ہوتے ہیں پُرکیف پیار کے

دُنیائے رنگ و بو کا یہ کیسا نظام ہے
گل ساتھ ساتھ رہتے ہیں ہر وقت خار کے

سوزِ دروں ہے اُس کی نگاہوں سے آشکار
''وہ جارہا ہے کوئی شبِ غم گذار کے''

تیرِ نظر کا گہرا تھا اس درجہ اُس کے وار
اب تک ہرے ہیں زخم دلِ داغدار کے

کچھ بھی ہوا نہ جذبۂ اخلاص کا اثر
دیکھا متاعِ قلب و جگر اُس پہ وار کے

قول و قسم کا اُس کے نہیں کوئی اعتبار
اوقات تلخ ہیں یہ شبِ انتظار کے

ترکِ تعلقات کی دھمکی نہ دے مجھے
سوہانِ روح ہیں یہ ستم بار بار کے

آشوبِ روزگار سے ہے بند ناطقہ
مارے سبھی ہیں گردشِ لیل و نہار کے

ہے فیضیاب فیضؔ سے برقیؔ کا فکر و فن
ہم قدرداں ہیں نابغۂ روزگار کے

○○

○

ہے جانگداز بہت مل کے یہ جُدا ہونا
''یہ کس سے آپ نے سیکھا ہے بے وفا ہونا''

بہت لطیف ہے فنکار و فن کا یہ رشتہ
مجھے عزیز ہے دونوں کا ایک سا ہونا

کیا ہے خونِ جگر اس نے دلربائی سے
نہ آیا راس مجھے اس کا دلربا ہونا

تھے دم بخود سبھی جلوہ نمائی سے اس کی
عجب تھا محفلِ یاراں میں رونما ہونا

تھا زندگی کا مری یادگار وہ لمحہ
وہ اس کو دیکھ کے اک حشر سا بپا ہونا

جسے سمجھتا تھا اپنا وہ غیر کا نکلا
ہے اک فریبِ نظر اس کا کیا سے کیا ہونا

اچانک آئینہ جُھنجھلا کے اس نے پھینک دیا
جب اُس پہ فاش ہو اُس کا خودنما ہونا

وہ مل کے دے گیا داغِ مفارقت مجھ کو
نتیجہ آہ کا تھا میری نا رسا ہونا

تھا میری کشتیٔ دل کا جو نا خدا برقیؔ
نہ آیا کام مرے اُس کا ناخُدا ہونا

○○

○

پردہ رخِ زیبا سے اُس کے نہ اُٹھا ہوتا
ملتا ہی نہیں یا پھر، مل کر نہ جُدا ہوتا

رکھ لیتا بھرم میرا کچھ دیر کو آجاتا
"یا رب غمِ ہجراں میں اتنا تو کیا ہوتا"

کیا اُس کو ملا آخر اِس خونِ تمنا سے
بات اُس کی بھی بن جاتی، حق میرا ادا ہوتا

تصویرِ تصور بھی اب اُس کی نہیں باقی
یہ خانۂ دل ایسا ویراں نہ ہوا ہوتا

دل میرا نہیں ہوتا افسردہ و پژمردہ
گلزارِ محبت میں گل کوئی کھلا ہوتا

اُلجھے رہے ہم دونوں دُنیا کے جھمیلے میں
جو ترکِ تعلق ہے ہرگز نہ ہو ا ہوتا

گُھٹ گُھٹ کے نہیں جیتے دونوں شبِ فرقت میں
اظہارِ محبت پر گر وہ نہ خفا ہوتا

برقیؔ کی جو حسرت تھی دل ہی میں رہی اُس کے
کچھ اُس نے کہا ہوتا ، کچھ میں نے سنا ہوتا

○○

○

پیشِ آئینہ شبِ وصل سنورتا ہوا تو
دیکھ کر تجھ کو پسِ پُشت نِکھرتا ہوا میں

اسی اُمید میں تو جلوہ نما ہو شاید
تیرے کوچے سے بصد شوق گذرتا ہوا میں

دیکھ کر نخلِ تمنا میں خزاں کے آثار
گُلِ صد پارہ کی مانند بکھرتا ہوا میں

پہلے آ جاتا تو پیش آتی نہ ایسی صورت
ہو گیا زندہ تجھے دیکھ کے مرتا ہوا میں

سن کے تجدیدِ روابط کی خبر لوٹ آیا
بحرِ ذخار میں کشتی سے اُترتا ہوا میں

شکریہ تیرا کہ تونے مری دلجوئی کی
جب گیا جلوہ گہہِ ناز میں ڈرتا ہوا میں

جانے کب ڈوب گیا جھیل سی آنکھوں میں تری
خانۂ دل کے دریچے میں ٹھہرتا ہوا میں

ڈھونڈتے پھرتے تھے برقیؔ کا پتہ اُس کے رقیب
چل دیا زینۂ شہرت سے اُترتا ہوا میں

○○

○

اک یادوں کی بارات اِدھر بھی ہے اُدھر بھی
اب شدتِ جذبات اِدھر بھی ہے اُدھر بھی

میرے دلِ صد پارہ کے ٹکڑے ہیں ہر اک سمت
تقسیم کی سوغات اِدھر بھی ہے اُدھر بھی

کیوں امن کے دشمن ہیں بہم دست و گریباں
دہشت کی خرافات اِدھر بھی ہے اُدھر بھی

آسودہ نہیں کوئی بھی حالات سے اپنے
کہنے کو مساوات اِدھر بھی ہے اُدھر بھی

نفرت کی یہ دیوار گرا کیوں نہیں دیتے
جو وجہِ فسادات اِدھر بھی ہے اُدھر بھی

اب جذبۂ ایثار و محبت ہے ضروری
خمیازۂ شُبہات اِدھر بھی ہے اُدھر بھی

یہ ترکِ تعلق کا نتیجہ ہے کہ جس سے
اب شوقِ ملاقات اِدھر بھی ہے اُدھر بھی

ہے رات ابھی آئے گی کب صبحِ بہاراں
ہر دل میں یہی بات اِدھر بھی ہے اُدھر بھی

جھگڑا ہے کہیں رنگ کہیں نسل کا برتّی
اک یورشِ آفات اِدھر بھی ہے اُدھر بھی

○○

○

آتشِ شوق میں جلتے ہیں تو جلتے رہیے
شمع کی طرح پگھلتے ہیں پگھلتے رہیے

ڈھلتے سورج کی طرح ڈھلتے ہیں ڈھلتے رہیے
پلتے ہیں گردشِ حالات میں پلتے رہیے

جادۂ عشق میں گِر گِر کے سنبھلتے رہیے
موجِ طوفانِ حوادث سے نکلتے رہیے

دیکھ کر خواب یہ فی الحال بہلتے رہیے
ہے اگر شوق مچلنے کا مچلتے رہیے

عزمِ راسخ ہے تو مل جائے گی منزل خود ہی
زندگی نام ہے بس چلنے کا چلتے رہیے

سامنے آئے گا اک روز مکافاتِ عمل
غُنچہ و گل کو مسلتے ہیں مسلتے رہیے

آپ کو کس نے بُلایا تھا یہاں کیوں آئے
آپ آئے ہیں ٹہلنے تو ٹہلتے رہیے

رات باقی ہے ابھی آپ سحر ہونے تک
کھائیے، پیجیے اور پھولتے پھلتے رہیے

اُس نے برقیؔ کو دیا عرضِ تمنا کا جواب
کروٹیں یوں ہی شبِ ہجر بدلتے رہیے

○○

○

گلبدن، غنچہ دہن، سروِ خراماں جاناں
سر سے پا تک ہے ترا حُسن نمایاں جاناں

دُرِ دنداں سے خجل دُرِ عدن ہے تیرے
روئے انور ہے ترا لعلِ بدخشاں جاناں

چشمِ میگوں سے ہے سرشار یہ پیمانۂ دل
روح پرور ہے فروغِ رُخِ تاباں جاناں

دیکھ کر بھول گیا تجھ کو سبھی رنج و الم
سر بسر تو ہے علاجِ غمِ دوراں جاناں

تیرہ و تار تھا کاشانۂ دل تیرے بغیر
رُخِ زیبا ہے ترا شمعِ شبستاں جاناں

لوٹ آئی ہے ترے آنے سے اب فصلِ بہار
تھا خزاں دیدہ مرے دل کا گلستاں جاناں

ہیچ ہیں سامنے تیرے یہ حسینانِ جہاں
میری نظروں میں ہے تو رشکِ نگاراں جاناں

کچھ نہیں دل میں مرے تھوک دے غصہ تو بھی
میں بھی نادم ہوں اگر تو ہے پشیماں جاناں

موجِ طوفانِ حوادث سے گذر جاؤں گا
کشتیٔ دل ہے یہ پروردۂ طوفاں جاناں

تو ہی ہے خواب کی تعبیرِ مجسم میرے
ماہِ تاباں کی طرح جو ہے درخشاں جاناں

یہ مرا رنگِ تغزل ہے تصدق تجھ پر
سازِ ہستی ہے مرا تجھ سے غزل خواں جاناں

ہے کہاں طبعِ رسا میری کہاں رنگِ فرازؔ
یہ جسارت ہے مری جو ہوں غزل خواں جاناں

روح فرسا ہے جدائی کا تصور برقیؔ
''دل پُکارے ہی چلا جاتا ہے جاناں جاناں''

○○

○

طوفانِ حوادث کا دل میرا نشانا ہے
''اِک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے''

جو وعدہ خلافی میں رسوائے زمانہ ہے
ہر حال میں اب اُس کو آئینہ دکھانا ہے

یہ وعدۂ فردا تو بس ایک بہانا ہے
کب اس سے مُکر جائے کیا اُس کا ٹھکانا ہے

ہے شیشۂ دل نازک ڈر ہے نہ چٹک جائے
تازہ ہے جگر کاوی یہ زخم پُرانا ہے

ناکردہ گناہی کی دینی ہے سزا مُجھ کو
کوئی نہ کوئی آخر گُل اُس کو کھلانا ہے

ہے پیشِ نظر میرے حق گوئی و بیباکی
منھ داورِ محشر کو اک روز دکھانا ہے

اشعار جگؔر کے ہیں معراجِ غزلخوانی
اعجازِ سخن اُن کا مشہورِ زمانا ہے

میں لے بھی نہیں سکتا ٹھکرا بھی نہیں سکتا
قسمت میں مری برؔقی کھونا ہے نہ پانا ہے

○○

○

’’آر۔ٹی۔آئی۔‘‘ کریں گے اقتدار آنے کے بعد
سُنتے ہیں دُھنتے ہیں سر وہ میرا سر جانے کے بعد

زندگی میں اہلِ فن کو پوچھتا کوئی نہیں
قدر کرتی ہے یہ دُنیا اُن کے مرجانے کے بعد

روح میں پیوست ہو جاتا ہے یہ جوشِ جنوں
’’کب نکلتا ہے کوئی دل میں اُتر جانے کے بعد‘‘

شامِ فُرقت اُن کی تصویرِ تصور کا خیال
خانۂ دل سے مرے جاتا نہیں آنے کے بعد

اب سمجھ میں آیا اسرارِ خودی کا فلسفہ
خود سے بیخود ہو گیا ہوں میں اُنھیں پانے کے بعد

شاعر و فنکار میں ہے آج کیوں یہ امتیاز
کہتے ہیں جگجیت سنگ کی ہے غزل، گانے کے بعد

اُن کی علمی اور ادبی کاوشیں ہیں فالِ نیک
خدمتِ اُردو جو کرتے ہیں ''قطر'' جانے کے بعد

کاٹنے کو دوڑتے ہیں ایسے میں دیوار و در
جب نہیں ہوتا ہے برقی کوئی گھر جانے کے بعد

○○

○

دُنیائے رنگ و بو میں جہاں جا رہا ہوں میں
ہر سو وہاں فریبِ نظر کھا رہا ہوں میں

دیوانہ وار بڑھتے ہیں اُس کی طرف قدم
''لے جارہا ہے شوق چلا جا رہا ہوں میں''

تسخیرِ قلب کرکے دکھاتا ہے سبز باغ
کس جرم کی نہ جانے سزا پا رہا ہوں میں

دے دے کہیں نہ پھر مجھے داغِ مفارقت
اب سوچ کر یہی گھبرارہا ہوں میں

چھوڑا نہیں تھا اس نے کہیں کا مجھے مگر
مردانہ وار پھر بھی جئے جارہا ہوں میں

کیوں میں نے اس سے رکھی تھیں اتنی توقعات
اپنے خیالِ خام پہ پچھتا رہا ہوں میں

نام و نشاں مٹانے پہ میرا تُلا ہے وہ
پھر بھی اُسی کا نام لئے جارہا ہوں میں

دستِ سوال کیسے کروں گا دراز اب
برقیؔ اسی خیال سے شرما رہا ہوں میں

○○

○

اب اور اُس سے یہ کہہ دو نہ وہ ستائے مجھے
جو آ گیا ہے تو پھر چھوڑ کر نہ جائے مجھے

حوادثِ غمِ جاناں سے وہ بچائے مجھے
نہ پھر سے کُشتۂ تیرِ نظر بنائے مجھے

دکھا چُکا ہے بہت سبز باغ پہلے ہی
نہ اپنی اور قلابازیاں دکھا ئے مجھے

سُنایا کرتا تھا جو نغمہ ہائے گوش نواز
یہ کہہ دو اُس سے وہی آ کے پھر سُنائے مجھے

نقوش یادوں کے ہیں ثبت لوحِ دل پہ مری
گر اُس کے بس میں بُھلانا ہے بھول جائے مجھے

رگوں میں خوں ہے مرا جیسے آتشِ سیّال
نہ اور آتشِ فُرقت میں اب جلائے مجھے

کہاں ہے پیکِ صبا کیوں نظر نہیں آتا
پیام اُس کا کہیں سے بھی آج لائے مُجھے

کنارہ کَش ہے وہ برقیؔ سے کس لئے آخر
بتا سکے وہ اگر تو کہو بتائے مجھے

○○

○

دل میں سوئے ہوئے جذبات مچل جاتے ہیں
''ہم چراغوں کی طرح شام سے جل جاتے ہیں''

دینے والے ہیں وہ دستک درِ دل پر اپنے
سُن کے یہ مژدۂ جانبخش بہل جاتے ہیں

اوج پر ہوتا ہے قسمت کا ستارہ شبِ وصل
ڈھلتے سورج کی طرح ہجر میں ڈھل جاتے ہیں

اُس کی تصویرِ تصور کے تعاقُب میں کبھی
ہو کے مسحور بہت دور نکل جاتے ہیں

وقت پر کام نہیں آتا وہ اکثر میرے
آج جاتے ہیں ، کبھی کہتا ہے کل جاتے ہیں

غمزہ و ناز و ادا ہوش رُبا ہیں اُس کے
خود بخود جو مرے اشعار میں ڈھل جاتے ہیں

ہوش کھوتے نہیں، ہم جوشِ جنوں میں اپنے
گِرتے گِرتے بھی سرِ راہ سنبھل جاتے ہیں

جو ہیں شہزور وہ کمزور پہ کرتے ہیں ستم
حادثے عزمِ جواں دیکھ کے ٹل جاتے ہیں

محفلِ شعر وسُخن سے ہے جنہیں آج شغف
لے کے وہ زیرِ بغل میری غزل جاتے ہیں

وقت یکساں نہیں رہتا ہے ہمیشہ برقیؔ
دیکھتے دیکھتے حالات بدل جاتے ہیں

○○

○

اُسے پھر بُلانے کو جی چاہتا ہے
غمِ دل سنانے کو جی چاہتا ہے

جو اب تک مجھے آزماتا رہا ہے
اسے آزمانے کو جی چاہتا ہے

نہ جانے وہ کیوں مجھ سے روٹھا ہوا ہے
اُسے پھر منانے کو جی چاہتا ہے

چُراتا ہے نظریں مگر میرا اُس سے
’’نگاہیں ملانے کو جی چاہتا ہے‘‘

جہاں پر ابھی تک رسائی نہیں ہے
وہاں آنے جانے کو جی چاہتا ہے

ٹُلا ہے وہ مجھ کو رُلانے پہ لیکن
مرا مسکرانے کو جی چاہتا ہے

وہ رہ رہ کے اب یاد آتا ہے مجھ کو
جسے بھول جانے کو جی چاہتا ہے

نہیں مانتا تو مناؤں میں کیسے
جو کھویا ہے پانے کو جی چاہتا ہے

میں سوزِ دروں اپنا کس کو سناؤں
جو برقیؔ سنانے کو جی چاہتا ہے

○○

○

ساتھ ہے میرے مرا عزمِ جواں
چل رہا ہے زندگی کا کارواں

سُن سکیں گے آپ میری شرحِ حال
ہے نہایت تلخ اس کی داستاں

آپ کہئے سن کے میں دوں گا جواب
بول سکتا ہوں نہیں ہوں بے زباں

اعترافِ جُرم کروائیں گے آپ
کیا ملاؤں آپ کی میں ہاں میں ہاں

فطرتاً خاموش ہوں بُزدل نہیں
لے رہے ہیں آپ میرا امتحاں

خونِ ناحق کیوں بہاتے ہیں مرا
جائے گا ہرگز نہیں یہ رائگاں

سُرخیٔ خوں ہے مری یہ دیکھئے
جو چمکتی ہے بشکلِ کہکشاں

دیکھئے اپنا گریباں جھانک کر
آپ مت مُجھ پر اُٹھائیں اُنگلیاں

کہئے وہ بھی آپ پر کردوں نثار
آپ کیا اب لیں گے مُجھ سے میری جاں

آپ کے سرچشمۂ گفتار سے
موجزن ہیں تلخیاں ہی تلخیاں

نام ہے احمد علی برقؔی مرا
برق کی زد پر ہے میرا آشیاں

○○

○

پھر وہی شدتِ جذبات کہاں سے لاؤں
جیسے پہلے تھے وہ حالات کہاں سے لاؤں

لوحِ دل پر جو مری نقش ہیں یادوں کے ہجوم
آہ پھر سے وہی لمحات کہاں سے لاؤں

یادِ ماضی نہ مجھے چین سے جینے دے گی
روح پرور وہ خیالات کہاں سے لاؤں

اب بھی تصویرِ تصور ہے مری آنکھوں میں
بھولتی ہی نہیں جو بات کہاں سے لاؤں

دیکھتے دیکھتے پتھرا گئیں آنکھیں میری
جانے کب ہوگی ملاقات کہاں سے لاؤں

غمِ امروز ہے اور عشرتِ فردا کا خیال
اِن سوالوں کے جوابات کہاں سے لاؤں

دیکھنا اُس کا وہ دُزدیدہ نگاہوں سے مجھے
روح افزا وہ حجابات کہاں سے لاؤں

منتشر ہو گئے اوراقِ کتابِ ہستی
ساتھ دیتے نہیں حالات کہاں سے لاؤں

خانۂ دل میں سجائی تھی جو سوغات اُسے
ہو گئی نذرِ فسادات کہاں سے لاؤں

بھولتا ہی نہیں یادوں کا تسلسل برقیؔ
اب دوبارہ وہ حسیں رات کہاں سے لاؤں

○○

○

جنونِ شوق میں کیسے رہوں کہو تو کہوں
سناؤں کیسے میں سوزِ دروں کہو تو کہوں

شبِ فراق گزرتی ہے کس طرح میری
تمھیں بتاؤ میں کیسے سہوں کہو تو کہوں

میں تم سے ترکِ تعلق نہ کر سکوں کا کبھی
تمھارا فیصلہ یا ہے سنوں کہو تو کہوں

وفا شعار ہوں ہر حال میں تمھارا ہوں
تمھارا کیسے سہارا بنوں کہو تو کہوں

نہیں تضاد کوئی قول و فعل میں میرے
میں جیسے پہلے تھا ویسے ہی ہوں کہو تو کہوں

بہت سے میں نے نشیب و فراز دیکھے ہیں
گذر نہ جائے کہیں موجِ خوں کہو تو کہوں

نوائے شوق کبھی تلخ ہے کبھی شیریں
ملے کا قلبِ حزیں کو سکوں کہو تو کہوں

سفینہ موجِ حوادث میں گرچہ ہے برقی
نہیں میں ہونگا کبھی سرنگوں کہو تو کہوں

وہ تھکتا نہیں داستاں کہتے کہتے
میں عاجز ہوں اب ہاں میں ہاں کہتے کہتے

رہی بے اثر میری عرضِ تمنا
میں چُپ ہو گیا جانِ جاں کہتے کہتے

ہوا لب کُشا جیسے ہی میں یکایک
نہ جانے گیا وہ کہاں کہتے کہتے

نہ جانے کرے کب وہ احوال پُرسی
میں اب ہو گیا نیم جاں کہتے کہتے

ہمیشہ جو بھرتا تھا دم دوستی کا
وہ کیوں ہوگیا بدگماں کہتے کہتے

کہوں اُس کو اب کس طرح دشمنِ جاں
ہمیشہ اُسے مہرباں کہتے کہتے

بھرم کھو دیا تم نے میری وفا کا
لیا اُس نے یوں امتحاں کہتے کہتے

کرے گا وہ برقیؔ کی کب دستگیری
ہوئی خشک اُس کی زباں کہتے کہتے

○○

○

زندگی کا کارواں کل ہو نہ ہو
تیری عظمت کا نشاں کل ہو نہ ہو

خوب جی بھر کر منالے آج جشن
تجھ پہ کوئی مہرباں کل ہو نہ ہو

بجلیوں کی زد پہ ہے اب آشیاں
تیرے سر پر سائباں کل ہو نہ ہو

آج کرلے جو بھی کرنا ہے تجھے
یہ ترا عزمِ جواں کل ہو نہ ہو

چل رہی ہے ہر طرف بادِ سموم
پھر ترا نام و نشاں کل ہو نہ ہو

اوج پر ہے اب گلوبل وارمنگ
رونقِ بزمِ جہاں کل ہو نہ ہو

خوابِ غفلت سے جگاؤں کیا تجھے
تیرا یہ خوابِ گراں کل ہو نہ ہو

پاس کرلے امتحانِ زندگی
ایسا کوئی امتحاں کل ہو نہ ہو

کر لے برقیؔ آج اپنی عرضِ حال
منھ میں تیرے یہ زباں کل ہو نہ ہو

○○

○

میرے جنونِ شوق نے میرا وہ حال کردیا
حسرتِ دید نے مرا جینا مُحال کردیا

کردیا مُجھ کو دم بخود اُس کی نگاہِ ناز نے
جس کی نہ تھی کوئی اُمید ایسا سوال کردیا

بزمِ تصورات کے رنگ میں بھنگ ڈال کر
عیش و نشاط کو مرے خواب و خیال کردیا

مُجھ کو دکھا کے سبز باغ دیتا رہا فریب وہ
اوجِ کمال کو مرے جس نے زوال کردیا

ایسا لگا مُجھے مری نبضِ حیات رُک گئی
جسم کا میرے مُرتعش بال بال کردیا

تیرگئ شب کے بعد صُبحِ اُمید کی خبر
بادِ صبا نے آکے دی جس نے نہال کردیا

سامنے حُسن و عشق تھے صِرف حریمِ ناز میں
جس نے مرا بحال پھر ذوقِ جمال کردیا

سازِ حیات چھیڑ کر نغمۂ جانفزا سے پھر
برقی کا دور اُس نے سب حُزن و ملال کردیا

○○

○

رو پڑا ناگہاں مُسکرانے کے بعد
یاد آئی بہت اُس کی جانے کے بعد

میری آنکھیں کُھلی کی کُھلی رہ گئیں
وہ نظر آیا جب اِک زمانے کے بعد

روح پرور تھا اُس کا یہ طرزِ عمل
روٹھ جانا دوبارہ منانے کے بعد

روٹھنے اور منانے کی دلکش ادا
ہے بہت دلنشیں دل لگانے کے بعد

دل کو دل سے ملاتی ہے یہ دل لگی
اُس کا ہونا پشیماں ستانے کے بعد

تلخ و شیریں ہے رودادِ دلبستگی
مُنکشف یہ ہوا آزمانے کے بعد

حاصل زندگی تھا یہ میرے لئے
شمعِ دل کو جلانا بُجھانے کے بعد

کیفیت دل کی تھی میرے نا گُفتہ بہہ
جب نہ آیا تھا وہ،اُس کے جانے کے بعد

شخصیت کا مری بن گیا ایک جز
میرے قلب و جگر میں سمانے کے بعد

ہے یہ برتّی حسینوں کی فطرت کا جز
وعدہ کر کے نہ آنا بُلانے کے بعد

○○

○

آ گئی فصلِ خزاں ہیں فصلِ گُل جانے کے دن
غنچۂ اُمید کے آتے ہیں مُرجھانے کے دن

ہے شبِ فُرقت ابھی آئے گی کب صُبحِ اُمید
کتنے دلکش تھے وہ زُلفِ یار سُلجھانے کے دن

قدر و قیمت سے تھے جس کی آج تک نا آشنا
دیکھ کر اب آگئے ہیں اُس کو للچانے کے دن

جاتے جاتے کہہ گیا تھا آئے گا واپس ضرور
گِن رہا ہوں اُس کے اب میں لوٹ کر آنے کے دن

کیا تھی ذہنی کیفیت میری بتاؤں کیا تجھے
پہلے جب آیا نہ تھا وہ بعد ازآں جانے کے دن

وہ جو تھا نا عاقبت اندیش اب اُس کے لئے
آتے ہیں ہر ہر قدم پر ٹھوکریں کھانے کے دن

تھا بہت مسرور لیکن اب ہوں اُتنا ہی مُلول
جیسے جیسے آتے ہیں نزدیک تر جانے کے دن

آرہا ہے مُحتسب ہو خیر میخانے کی اب
ایسا لگتا ہے گئے اب جام و پیمانے کے دن

مُسکرا کر صُلح جوئی کا دیا اُس نے جواب
اب گئے برقیؔ سمجھنے اور سمجھانے کے دن

○○

○

تھی منتظر نگاہ یہ اُس گُلعذار کی
روداد ہے یہ میری شبِ انتظار کی

تھی حیثیت وہاں مری مُشتِ غبار کی
’’برباد خاک ہو گئی اس خاکسار کی‘‘

میں نے متاعِ زندگی جس پر نثار کی
اُس کو خبر نہیں ہے مرے حالِ زار کی

ناقابلِ بیاں ہے بتاؤں میں کس طرح
کیا کیفیت ہے میرے دلِ بیقرار کی

سب مصلحت پسند تھے جو بھی مجھ ملا
دیکھی نہیں ہے شکل کسی غمگسار کی

شہہ پر کسی کی مُجھ کو کیا ہے لہو لہان
ورنہ یہ کیا مجال تھی گُلشن میں خار کی

بزمِ سُخن قطر میں ہے اس بات کا ثبوت
وارفتگی وہاں بھی ہے اُردو سے پیار کی

میں دیکھتا ہی رہ گیا برقیؔ کھڑے کھڑے
فصل خزاں نے آکے جگہ لی بہار کی

○○

○

ہو گئی حسرتِ دل خواب و خیال
اِس مصیبت سے مجھے آکے نکال

آج حاصل ہے تجھے اوجِ کمال
دیر لگتی نہیں آنے میں زوال

عرش سے فرش پہ آجائے گا
دیرپا ہوتا نہیں جاہ و جلال

دامِ تزویر بچھا رکھا ہے
ٹوٹ جائے گا بہت جلد یہ جال

غمِ جاناں ہے بہت دور کی بات
غمِ دوراں سے طبیعت ہے نڈھال

یادِ ماضی نہیں جینے دیتی
حالِ دل کیسے کروں اپنا بحال

کرکے گرویدہ مجھے کہتا ہے
تو ملائے گا نظر تیری مجال

کیا کروں کیا نہ کروں کیسے جیوں
ہے یہ میرے لئے اب امرِ مُحال

عزتِ نفس ہے برقیؔ کو عزیز
وہ اُٹھائے گا نہیں دستِ سوال

○○

○

یہ حقیقت ہے کوئی خواب نہیں
''دل سے بہتر کوئی کتاب نہیں''

چھوڑ کر جب سے وہ گیا ہے اسے
خانۂ دل میں آب و تاب نہیں

ہے یہی زندگی کا سرچشمہ
آج کل جو بجز سراب نہیں

آج ہے کل رہے رہے نہ رہے
دیرپا حُسن اور شباب نہیں

تب سے بے خواب ہیں مری آنکھیں
جب سے وہ رشکِ ماہتاب نہیں

اُس کی آنکھوں میں ہے جو کیف و سرور
اس سے بہتر کوئی شراب نہیں

دل کی دُنیا ہے آج زیر و زَبَر
کون کہتا ہے انقلاب نہیں

اس کی فطرت ہے فطرتِ سیماب
دل نہیں جس میں اضطراب نہیں

صفحۂ دل پہ نقش ہیں جو نقوش
اُن کا برقیؔ کوئی جواب نہیں

○○

○

آتے ہو کہ ہم آجائیں کیا
گُھٹ گُھٹ کے یونہی مرجائیں کیا

تم سن نہ سکو گے ضد نہ کرو
ہم حالِ زبوں سنائیں کیا

کیا حال ہمارا ہجر میں ہے
خود سمجھ لو ہم سمجھائیں کیا

اب پاس ہمارے کیا ہے بچا
ہم کھوئیں کیا اور پائیں کیا

یہ روز کی ان کی عادت ہے
روٹھے ہیں انہیں منائیں کیا

حالات دگرگوں ہیں اپنے
کیا کھائیں اور کمائیں کیا

کشتی کا خدا محافظ ہے
طوفانوں سے ٹکرائیں کیا

اب سورج سر پر آپہنچا
اُٹھ جاؤ تمہیں اُٹھائیں کیا

وہ خانۂ دل میں تمہارے ہے
برقّی سے تمہیں ملائیں کیا

○○

○

رازداں کوئی نہ ہو آرامِ جاں کوئی نہ ہو
ہے بہت صبر آزما جب ہم زباں کوئی نہ ہو

ہے زباں جس پر ہے عرضِ مُدعا کا انحصار
اس لئے میری دعا ہے بے زباں کوئی نہ ہو

کوچۂ جاناں میں جس سے سابقہ ہم کو پڑا
سخت ایسا زندگی کا امتحاں کوئی نہ ہو

خانۂ دل یہ کرے کس کی ضیافت اب وہاں
میزبانی کے لئے جب میہماں کوئی نہ ہو

ہو گیا ہے اُس کو شاید بدگُمانی کا مَرَض
جیسا وہ بدظن ہے ایسا بدگماں کوئی نہ ہو

تنگ ہے اس دور میں فرشِ زمیں میرے لئے
جیسا میں ہوں ویسا زیرِ آسماں کوئی نہ ہو

کیا ملے گی آپ کو تاریخ میں ایسی مثال
دے کے قُربانی بھی زیبِ داستاں کوئی نہ ہو

کچھ ہیں ایسے جن کو مِل جاتی ہے بِن مانگی مراد
جس کا ان کو بھی کبھی وہم و گماں کوئی نہ ہو

کرتے ہیں فُٹ پاتھ پر وہ زندگی اپنی بسر
کیا کریں وہ جن کے سر پر سائباں کوئی نہ ہو

یہ جہانِ رنگ و بو میرے لئے کس کام کا
''رہیئے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو''

قلبِ مضطر کیا کرے ایسے میں برقیؔ اعظمی
شومئی قسمت سے جب آرامِ جاں کوئی نہ ہو

○○

○

پوچھا جو میں نے کیا ہوا اُس نے کہا کچھ بھی نہیں
مجھ سے ہو آخر کیوں خفا اُس نے کہا کچھ بھی نہیں

کیا ہے تمہارا مُدعا اُس نے کہا کچھ بھی نہیں
پھر ہو گئے کیوں بے وفا اُس نے کہا کچھ بھی نہیں

کوئی تو ہوگا ماجرا اُس نے کہا کچھ بھی نہیں
ہے دردِ دل کی کیا دوا اُس نے کہا کچھ بھی نہیں

کیوں توڑتے ہو رابطا اُس نے کہا کچھ بھی نہیں
میرے لئے ہے کچھ بچا اُس نے کہا کچھ بھی نہیں

میں نے کہا جو کچھ سُنا اُس نے کہا کچھ بھی نہیں
مجھ سے ہوئے پھر کیوں جُدا اُس نے کہا کچھ بھی نہیں

کرتے ہو کیوں جور و جفا اُس نے کہا کچھ بھی نہیں
کیا ہوگئی کوئی خطا اُس نے کہا کچھ بھی نہیں

کیا کچھ کسی نے کہہ دیا اُس نے کہا کچھ بھی نہیں
کرتے نہیں کیوں سامنا اُس نے کہا کچھ بھی نہیں

جو کام بگڑا تھا بنا اُس نے کہا کچھ بھی نہیں
کوئی تو ہوگا راستا اُس نے کہا کچھ بھی نہیں

کیوں ٹوٹا دل کا آئینہ اُس نے کہا کچھ بھی نہیں
آتی ہے کیسی یہ صدا اُس نے کہا کچھ بھی نہیں

کیا ہے تمہارا مشغلا اُس نے کہا کچھ بھی نہیں
گلشن میں کوئی گل کھلا اُس نے کہا کچھ بھی نہیں

کیسا ہے یہ محشر بپا اُس نے کہا کچھ بھی نہیں
کیا سامنے ہے جابجا اُس نے کہا کچھ بھی نہیں

ہے ماجرائے شوق کیا اُس نے کہا کچھ بھی نہیں
ہے صبر کی کچھ انتہا اُس نے کہا کچھ بھی نہیں

برقیؔ سے ہے کچھ رابطا اُس نے کہا کچھ بھی نہیں
ترکِ تعلق کیوں ہوا اُس نے کہا کچھ بھی نہیں

○○

○

کون ہے کس کا یہ پیغام ہے کیا عرض کروں
زندگی نامۂ گُمنام ہے کیا عرض کروں

دے کے وہ دعوتِ نظارہ جہاں پھر نہ ملا
یہ وہی جلوہ گہہِ عام ہے کیا عرض کروں

زندگی اُس نے بدل کر مری رکھ دی ایسی
نہ مجھے چین نہ آرام ہے کیا عرض کروں

حسرت و یاس کا مسکن ہے مرا خانۂ دل
سونا سونا یہ درو بام ہے کیا عرض کروں

آگے پیچھے ہے مرے ایک مصائب کا ہجوم
آج ناکامی بہرگام ہے کیا عرض کروں

میری قسمت میں لکھی تشنہ لبی ہے شاید
اُس کے ہاتھوں میں بھرا جام ہے کیا عرض کروں

جب سے وہ خانہ برانداز ہے سرگرمِ عمل
جس طرف دیکھئے کہرام ہے کیا عرض کروں

صبحِ اُمید کب آئے گی نہ جانے برقیؔ
مضطرب دل یہ سرِ شام ہے کیا عرض کروں

OO

O

کیسی یہ گردشِ ایّام ہے کیا عرض کروں
تیرہ و تار سرِ شام ہے کیا عرض کروں

کئی صدیوں سے جو تھی سجدہ گہہِ اہلِ ولا
اب وہی مرکزِ اصنام ہے کیا عرض کروں

نام تھا صفحۂ تاریخ میں جس کا روشن
عہدِ نو میں وہی گُمنام ہے کیا عرض کروں

جی حضوری میں لگا رہتا تھا پہلے جو مری
دے رہا اب وہی دُشنام ہے کیا عرض کروں

مل رہی ہے جسے ناکردہ گناہی کی سزا
بَد نہیں پھر بھی وہ بدنام ہے کیا عرض کروں

رہتا تھا شام و سحر جو مرے آگے پیچھے
پوچھتا ہے وہی کیا کام ہے کیا عرض کروں

اب شب و روز گذرتے ہیں نہ پوچھو کیسے
میں ہوں میرا دلِ ناکام ہے کیا عرض کروں

جس پہ کرتے ہیں وہ رسوا سرِ بازار مجھے
یہ وہی جلوہ گہہِ عام ہے کیا عرض کروں

آکے آباد کرے گا وہ مرا خانۂ دل
جس کا ویران درو بام ہے کیا عرض کروں

مجھے ہر حال میں جمعیتِ خاطر ہے نصیب
مجھ پہ قُدرت کا یہ انعام ہے کیا عرض کروں

میری وہ پُرسشِ احوال کرے گا برقیؔ
اُس نے بھیجا یہی پیغام ہے کیا عرض کروں

○○

○

ہے مزاجِ یار برہم کیا کریں
ہے دگرگوں دل کا عالم کیا کریں

اس قدرغالب ہے اس کا رعبِ حُسن
ڈگمگاتے ہیں قدم ہم کیا کریں

مُندمِل ہوتا نہیں زخمِ جگر
اب نہیں ہے تھا جو مرہم کیا کریں

شمعِ دل میں اب نہیں وہ آب و تاب
اُس کی لو ہے آج مدھم کیا کریں

دوستوں کی بیوفائی دیکھ کر
آنکھ ہو جائے اگر نم کیا کریں

ہم سمجھتے تھے جسے ننگِ وجود
ہے وہی اب محترم ہم کیا کریں

دیکھ کر گلشن میں گل کا حالِ زار
رو رہی ہے آج شبنم کیا کریں

داغؔ کی دلی میں اُن کے روبرو
خواہشِ لوح و قلم ہم کیا کریں

داغؔ وہ ہیں جن کے فن کے سامنے
اپنی گردن ہو گئی خم کیا کریں

جس میں دی ہو داغؔ نے دادِ سخن
اس زمیں میں کچھ رقم ہم کیا کریں

اُس نے برقیؔ اپنے طرزِ کار سے
کھو دیا اپنا بھرم ہم کیا کریں

○○

○

ملتے ہیں ہر ہر قدم پر اِس میں یوں ہی خار کیا
جادۂ اُلفت کبھی ہوتا نہیں ہموار کیا

سامنے اُس کے نہیں ہے میرا حالِ زار کیا
خوابِ غفلت سے نہیں ہے وہ ابھی بیدار کیا

کیوں ہے گُم سُم اور پریشاں کچھ بتاتا کیوں نہیں
تیرا یہ تیرِ نظر بھی ہو گیا بیکار کیا

دیکھنے والے مجھے یہ ہے ترا حُسنِ نظر
ورنہ میں کیا اور میری شوخیِ گفتار کیا

میرا اعجازِ قلم تو نے ابھی دیکھا نہیں
میں دکھاؤں تجھ کو اپنی قوتِ اظہار کیا

ہیں جہانِ فکروفن میں سب کے جو وِردِ زباں
تونے دیکھے ہیں بتا ایسے کبھی فنکار کیا

افضل الاشغال ہے یہ خدمتِ نوعِ بشر
ہیں سکونِ دل کا باعث درہم و دینار کیا

کچھ اثر ہوتا نہیں اُس پر اشاروں کا مرے
دیکھ اندھی ہوگئی ہے نرگسِ بیمار کیا

اب بھی کچھ بگڑا نہیں ہے چھوڑ دے بغض و نفاق
دیکھ تجھ سے کہہ رہی ہے وقت کی رفتار کیا

گردشِ رقاصۂ دوراں پہ رکھ برقی نظر
کہہ رہی ہے تجھ سے یہ پازیب کی جھنکار کیا

○○

○

میں سرِ نیاز جُھکاؤں کیوں
نہیں مانتا تو مناؤں کیوں

یہ بتا تجھے میں بُلاؤں کیوں
ترا بارِ ناز اُٹھاؤں کیوں

تری بزمِ ناز میں آؤں کیوں
وہاں بن بُلائے میں جاؤں کیوں

نہ لے میرے ظرف کا امتحاں
تجھے رازداں میں بناؤں کیوں

ہے ترا شعار ستمگری
میں بھلا کسی کو ستاؤں کیوں

ترا وار سینے پہ کھاؤں گا
تجھے اپنی پُشت دکھاؤں کیوں

مری جو بھی عزتِ نفس ہے
اُسے داؤں پر میں لگاؤں کیوں

مری لوحِ دل پہ جو ثبت ہے
نہ مٹے اگر تو مٹاؤں کیوں

ترا ظلم و جور و ستم مجھے
نہیں بھولتا تو بُھلاؤں کیوں

ابھی زندہ میرا ضمیر ہے
میں فریبِ حُسن یہ کھاؤں کیوں

میں ہوں برقیؔ تیرا مزاج داں
تری یاد دل میں بساؤں کیوں

○○

○

پردہ رُخِ روشن سے ہٹا کیوں نہیں دیتے
ہوش اہلِ نظارا کے اُڑا کیوں نہیں دیتے

وارفتگیٔ شوق بڑھا کر مری آخر
منزل کا مری مجھ کو پتا کیوں نہیں دیتے

حایل ہے اگر بیچ میں یہ امن وسکوں کے
تم ظلم کی دیوار کو ڈھا کیوں نہیں دیتے

کیوں بیٹھ گئے تھک کے وہ ہے سامنے منزل
دو چار قدم اور بڑھا کیوں نہیں دیتے

جب پیش کیا اپنا تعارف تو وہ بولا
تم عظمتِ رفتہ کو بُھلا کیوں نہیں دیتے

حق جو ہے مرا اُن سے وہی مانگ رہا ہوں
وہ میری وفاؤں کا صلا کیوں نہیں دیتے

اقبالؔ کی عظمت سے جو بے بہرہ ہیں اب تک
پڑھنے کو اُنھیں بانگِ درا کیوں نہیں دیتے

میں اُن کی نگاہوں میں کھٹکتا ہوں اگر وہ
بے جُرم و خطا مجھ کو سزا کیوں نہیں دیتے

حقدار کا حق جو بھی غصب کرتے ہیں برقیؔ
اوقات اُنھیں اُن کی بتا کیوں نہیں دیتے

○○

○

منظر ہے آج شام و سحر کا لہو لہو
قلبِ حزیں ہے نوعِ بشر کا لہو لہو

گُلشن میں گُل ہیں بادِ خزاں کے شکار آج
دامن کیا ہے کس نے شجر کا لہو لہو

کابل ہو ، کربلا ہو، فلسطین یا عراق
حاصل ہے آج فتنہ و شر کا لہو لہو

لعنت ہیں شرپسند یہ کُرۂ زمیں پر
ہے جن سے اشک دیدۂ تَر کا لہولہو

اِس کا کوئی جواب ہے ماں پوچھتی ہے یہ
ٹکڑا ہے کیوں یہ میرے جگر کا لہولہو؟

ہم ہیں شکارِ گردشِ آلام روزگار
ہر گوشہ ہے اِدھر کا،اُدھر کا لہو لہو

ریشہ دوانیاں یہ سبھی اہل زر کی ہیں
ہے رنگ آج اِس لئے زر کا لہو لہو

ہے اشکبار دیکھ کے برقیؔ یہ ماجرا
دامن کیا پسر نے پدر کا لہو لہو

○○

○

جینے کے اُسے بھی کبھی پڑ سکتے ہیں لالے
کہہ دو وہ مرے سامنے سِکّے نہ اچھالے

کیوں تجھ پہ اثر کرتے نہیں میرے یہ نالے
للہ مری ڈوبتی کشتی کو بچالے

ڈر ہے نہ کوئی چھین لے اب منہ سے نوالے
بہتر ہے خدا اب مجھے دُنیا سے اُٹھا لے

جو جیسا کرے گا وہ یہاں ویسا بھرے گا
ڈستے ہیں اسے اب وہی جو سانپ تھے پالے

کب تک میں کروں تیرے لئے دشت نَوَردی
کیا تجھ کو نہیں آتے نظر پاؤں کے چھالے

مزدور کا حق مار کے جو کی ہے اکٹھا
اب اس سے سنبھلتی نہیں دولت وہ سنبھالے

سینے میں دھڑکتا ہے جو دل وہ بھی ہے تیرا
اب کیا میں کروں تو ہی بتا تیرے حوالے

برقیؔ کے لئے اب سبھی مسدود ہیں راہیں
ہے کوئی جو اس قعرَ مزلت سے نکالے

○○

○

جو بھی پیغام ہو وہ بادِ سحر لے آئے
ہے جدھر جلوہ گہہِ ناز اُدھر لے آئے

میں سمجھ لوں گا اُسے نخلِ سعادت کا ثمر
کچھ نہیں ہے تو فقط برگِ شجر لے آئے

ٹوٹ جائے نہ بھرم اُس کی مسیحائی کا
داروئے قلب و جگر زود اثر لے آئے

دیکھ کر اُس کو سبھی قول و قسم بھول گئے
ہم نے سوچا تھا نہ لائیں گے مگر لے آئے

اِس طرح خانۂ دل میں تھا کبھی جلوہ نُما
ایسا لگتا تھا کہ ہم شمس و قمر لے آئے

جانے کب دے گا درِ دل پہ دوبارہ دستک
نامہ بر کاش کوئی اُس کی خبر لے آئے

کاش شرمندۂ تعبیر ہو یہ خواب مرا
نالۂ نیم شبی میرا اثر لے آئے

سُرمۂ چشم ہے اُس کے لئے بینائی کا
اُس سے کہہ دو وہ مری گردِ سفر لے آئے

کون اب پُرسشِ احوال کرے گا برقیؔ
کوئی ایسا نہیں جو اُس کی خبر لے آئے

○○

○

تلخ ہے گردشِ حالات لکھوں یا نہ لکھوں
ہیں پراگندہ خیالات لکھوں یا نہ لکھوں

جن کو میں اپنا سمجھتا تھا پرائے نکلے
اُن کی کیا کیا ہیں عنایات لکھوں یا نہ لکھوں

یادِ ماضی نہ مجھے چین سے جینے دے گی
کیوں ہوئی ترکِ ملاقات لکھوں یا نہ لکھوں

مُنتشر کیوں ہوئے اوراقِ کتابِ ہستی
کیا ہوئیں اس کی وجوہات لکھوں یا نہ لکھوں

زندگی نامۂ گمنام کی مانند ہے یہ
کس کو اور کیسے جوابات لکھوں یا نہ لکھوں

کیا دیا اُس نے مری عرضِ تمنا کا جواب
ہیں جو درپیش سوالات لکھوں یا نہ لکھوں

رگِ احساس پھڑکتی ہے مری رہ رہ کر
کیسی ہے شدتِ جذبات لکھوں یا نہ لکھوں

آپ رہ جائیں گے انگشت بدنداں سن کر
اُس نے بھیجی ہے جو سوغات لکھوں یا نہ لکھوں

امن کا کہتے ہیں جو خود کو پجاری برقیؔ
وہی کرتے ہیں خرافات لکھوں یا نہ لکھوں

○○

○

اُمید کا سورج ڈوب گیا
غم سہتے سہتے اوب گیا

بس ایک جھلک دیکھی اُس کی
کیا خوب آیا کیا خوب گیا

وہ خانۂ دل میں آیا تھا
مجھ سے ہوکر منسوب گیا

وہ گیا تو دل سے آئی صدا
محبوب گیا محبوب گیا

تم سن نہ سکو گے کیا بولوں
تھا جو بھی مجھے مطلوب گیا

میں ہوش و خرد سے در گُذرا
جیسے کوئی مجذوب گیا

میں جا کر اسے کہاں ڈھونڈوں
وہ جو تھا مجھے مرغوب گیا

وہ اپنی بصارت کھو بیٹھے
جب صبرِ دلِ یعقوب گیا

برقیؔ کا تھا جو کچھ لوٹ لیا
گھر میں دے کر جاروب گیا

○○

○

کیسے کروں میں گردشِ دوراں کی شرحِ حال
برپا ہے میرے ذہن میں اک محشرِ خیال

سوزِ دروں نے کردیا جینا مرا مُحال
قلب و جگر کے زخم کا کب ہوگا اِندمال

میرا یہی ہے کاتبِ تقدیر سے سوال
کیا ہوگی اپنی عظمتِ رفتہ کبھی بحال

ہم ہیں شکارگاہِ جہاں میں شکار آج
راہِ فرار کوئی نہیں ہے بچھا ہے جال

ملتے ہیں میر جعفرؔ و صادقؔ نئے نئے
ہے بھیڑیوں کے جسم پہ انساں کی آج کھال

جو آج زرخرید ہیں اُن کا عروج ہے
جو سربلند تھے اُنھیں درپیش ہے زوال

بیدار مغز جو ہیں وہ ہیں مصلحت پسند
قحط الرجال ایسا ہے جس کی نہیں مثال

محفوظ جو سمجھتے ہیں اپنے کو ایک دن
کردے گی اُن کو گردشِ دوراں یہ پایمال

ایک ایک کرکے سب کو بنائے گا وہ شکار
شطرنج کی بساط پہ جو چل رہا ہے چال

اب بھی ہے وقت ہوش میں آ ڈس نہ لیں تجھے
تو اپنی آستین میں یہ سانپ اب نہ پال

بے جا مداخلت سے رہیں اُن کی ہوشیار
کرتے ہیں ظلم امن کو جو اب بنا کے ڈھال

مٹتے ہی جا رہے ہیں جو عظمت کے تھے نشاں
محفوظ آج کچھ نہیں وہ جان ہو کہ مال

صُبحِ اُمید آئے گی کب تیرگی کے بعد
برقیؔ ہے آج ذہن میں سب کے یہی سوال

○○

○

ہوگا کیا بام پہ تو جلوہ نما میرے بعد
کون دیکھے گا ترا ناز و ادا میرے بعد

تختۂ مشق بنانا ہے اگر مُجھ کو بنا
ایسا کرنا نہ کبھی حشر بپا میرے بعد

تونے ناکردہ گناہی کی سزا دی ہے مجھے
اب بتا کس کو ملے گی یہ سزا میرے بعد

ہے دعا میری یہی ظلم و ستم سے تیرے
نہ کرے کوئی بھی اب آہ و بُکا میرے بعد

تھا مرے ساتھ ہمیشہ جو رویہ تیرا
ایسے دینا نہ کسی کو بھی دغا میرے بعد

وار ہنس ہنس کے ترا میں نے سہا ہے لیکن
پھر چلائے گا کہاں تیغِ ادا میرے بعد

عیش کرنا ہے تجھے جتنا وہ کرلے کیونکہ
زندگی کا نہ ملے گا یہ مزا میرے بعد

میرے قدموں کے نشاں تجھ کو ملیں گے ہر جا
''نہ رہی دشت میں خالی کوئی جا میرے بعد''

میں نے رکھا ہے تجھے اپنی رگِ جاں کے قریب
کون ہے تیرا بہی خواہ بتا میرے بعد

سب کو جانا ہے جہاں میں بھی چلا جاؤں گا
ہوگی ہمراہ ترے میری دعا میرے بعد

شہرِ دہلی میں ہوں گمنام میں لیکن برقیؔ
ضوفگن ہوگی مرے فن کی ضیاء میرے بعد

○○

○

رزمگاہِ زیست میں ہر گام پر خودسر ملے
راہزن تھے قافلے میں مجھ کو جو رہبر ملے

عمر بھر جن کو سمجھتا تھا میں اپنا خیر خواہ
آستینوں میں اُنہیں کی ایک دن خنجر ملے

آج کس کم ظرف کے ہاتھوں میں ہے اس کا نظام
میکدے میں نا منظّم شیشہ و ساغر ملے

جن مکینوں کو تھا اپنی خوبیِ قسمت پہ ناز
نذرِ آتش ایک دن ''گلبرگ'' میں وہ گھر ملے

لوٹ کر آئے وہاں جس وقت مرغانِ چمن
اُن کو اپنے آشیاں میں چند بال و پَر ملے

وہ دیارِ غیر سے آئے تھے آبائی وطن
جب وہاں پہنچے اُنہیں ویران بام و در ملے

سُرخرو تھے وہ نہ تھا جن کو شعورِ فکر و فن
گوشۂ عُزلت میں لیکن مجھ کو دیدہ ور ملے

جن کی راہوں میں بچھائے تھے کبھی برقیؔ نے پھول
وقت جب بدلا تو اُن کے ہاتھ میں پتھر ملے

○○

○

کرکے اسیرِ غمزہ و ناز و ادا مجھے
اے دلنواز تونے یہ کیا دے دیا مجھے

جانا تھا اتنی جلد تو آیا تھا کس لئے
ایک ایک پل ہے ہجر کا صبر آزما مجھے

بجھنے لگی ہے شمعِ شبستانِ آرزو
اب سوجھتا نہیں ہے کوئی راستا مجھے

آنکھیں تھیں فرشِ راہ تمہارے لئے سدا
تم آس پاس ہو یہیں ایسا لگا مجھے

یہ دردِ دل ہے میرے لئے اب وبالِ جاں
ملتا نہیں کہیں کوئی درد آشنا مجھے

کشتیٔ دل کا سونپ دیا جس کو نظم و نسق
دیتا رہا فریب وہی ناخدا مجھے

رہزن سے بڑھ کے اُس کا رویہ تھا میرے ساتھ
پہلی نگاہ میں جو لگا رہنما مجھے

اب میں ہوں اور خوابِ پریشاں ہے میرے ساتھ
کتنا پڑے گا اور ابھی جاگنا مجھے

کیا یہ جنونِ شوق گناہِ عظیم ہے
کس جُرم کی ملی ہے یہ آخر سزا مجھے

برقیؔ نہ ہو اُداس سرِ رہگذر ہے وہ
پیغام دے گئی ہے یہ بادِ صبا مجھے

○○

○

وہ ہمیں دیکھ کر مسکراتے رہے
ہم اُنھیں دیکھ کر مسکراتے رہے

ہوگئے نقش وہ صفحۂ ذہن پر
بعد از آں خواب میں آتے جاتے رہے

اس کو سرسبز و شاداب کرتے رہے
گلشنِ زیست میں گل کھلاتے رہے

روشنی بن کے قصرِ تمنا میں وہ
اس میں شمعِ محبت جلاتے رہے

ذہن میں جیسے بجتی ہوں شہنائیاں
نغمۂ جانفزا وہ سناتے رہے

ایک دن پھر ملے جب سرِ رہگذر
دیکھ کر ہم کو نظریں بچاتے رہے

ہیں یہ اشعار ایسا خیالی محل
ہم یوں ہی جو گِراتے بناتے رہے

لے کے برقیؔ کا دل دے گئے دردِ دل
اپنا جشنِ عروسی مناتے رہے

○○

○

اُس نے نظروں سے گرایا تو سنبھلنے نہ دیا
اور مجھ کو کفِ افسوس بھی ملنے نہ دیا

آتشِ شوق میں جلنا ہے مقدر میرا
میں نے اُس کو کبھی اس آگ میں جلنے نہ دیا

جیسا پہلے تھا وہی حال ہے اب بھی میرا
میرے حالات کبھی اُس نے بدلنے نہ دیا

کرکے رسوا سرِ بازار ہمیشہ مجھ کو
اُس نے اس قعرِ مذلت سے نکلنے نہ دیا

میری خواہش تھی مچلنے کی مگر کیا کرتا
کرکے محصور مجھے اُس نے مچلنے نہ دیا

تھا مرا سوزِ دروں اُس کے بہلنے کا سبب
میں نے جب چاہا کبھی اُس نے بہلنے نہ دیا

میں تھا غالب تو لگا رہتا تھا آگے پیچھے
اب ہوں مغلوب مری ایک بھی چلنے نہ دیا

اب وہی زہر اُگلتا ہے سدا میرے خلاف
جس کا سر میں نے زمانے کو کچلنے نہ دیا

اب گھلاتا ہے وہی سوزِ دروں سے مجھ کو
شمع کی طرح کبھی جس کو پگھلنے نہ دیا

○○

○

ارادوں میں ہمارے استقامت کیوں نہیں آتی
سکوں جس میں میسر ہو وہ ساعت کیوں نہیں آتی

ہمارے سامنے ہرروز ہے منظر قیامت کا
وہ ہم سے کہہ رہے ہیں یہ قیامت کیوں نہیں آتی

کب آخر اپنے وہ جوروستم سے باز آئے گا
ہیں کب سے منتظر ہم اُس کی شامت کیوں نہیں آتی

وہ کب پہونچے گا آخر کیفرِ کردار کو اپنے
عدالت میں یہ تاریخِ سماعت کیوں نہیں آتی

سمٹ کر رہ گئی ہے کیوں یہ دولت چند ہاتھوں میں
جو ہو سب کے لئے وجہہ سعادت کیوں نہیں آتی

نہ حالؔی ہیں نہ ہیں ڈپٹی نذیر احمؔد نہ سرسیّؔد
اب ایسی دورِ حاضر میں قیادت کیوں نہیں آتی

نہیں ہے شاعری میں سوزِ میرؔ و فانؔی و حسرتؔ
زبانِ داغؔ میں تھی جو سلاست کیوں نہیں آتی

تری طبعِ رسا میں یوں تو بیحد زودگوئی ہے
تجھے آخر روایت سے بغاوت کیوں نہیں آتی

تجھے یہ تیری خوئے بے نیازی مارڈالے گی
جوسب میں ہے وہ برقؔی تجھ میں عادت کیوں نہیں آتی

○○

○

تیور بھی نہیں بدلے لہجہ بھی نہیں بدلا
رشتہ بھی نہیں بدلا پیشہ بھی نہیں بدلا

دیتا ہے نگاہوں سے وہ دعوتِ مینوشی
ساغر بھی نہیں بدلا کاسہ بھی نہیں بدلا

گِر گِر کے سنبھلتا ہوں میں کوچۂ جاناں میں
''منزل بھی نہیں پائی رستہ بھی نہیں بدلا''

حیران ہوں میں اس کی اس دیدہ دلیری پر
چہرے پہ جو تھا اس کے پردہ بھی نہیں بدلا

جیسی تھی روش اس کی قایم ہے اسی پر وہ
شطرنج کا یہ اس نے مُہرہ بھی نہیں بدلا

وہ موت کا سوداگر اب بھی ہے تعاقب میں
خنجر بھی نہیں بدلا تیشہ بھی نہیں بدلا

گو اُس کے بظاہر ہیں چہرے پہ کئی چہرے
کہتا ہے کبھی اُس نے حُلیہ بھی نہیں بدلا

وہ ددیدہ و دانستہ کرتا ہے دل آزاری
اُس نے یہ کبھی اپنا شیوہ بھی نہیں بدلا

بدنامِ زمانہ وہ کرتا ہے مجھے برقیؔ
الزام تراشی کا حربہ بھی نہیں بدلا

○○

○

کروں میں لاکھ کوشش اُس کی من مانی نہیں جاتی
اسی باعث مری ذہنی پریشانی نہیں جاتی

دکھا کر اک جھلک روپوش ہو جاتا ہے آنکھوں سے
میں مثلِ آئینہ ہوں جس کی حیرانی نہیں جاتی

رواں اشکوں کا سیلِ بیکراں ہے میری آنکھوں سے
تلاطم خیز موجوں کی یہ طُغیانی نہیں جاتی

بہارِ بے خزاں تھی جس چمن میں آج تک اُس میں
نہ جانے کیوں گلوں کی چاک دامانی نہیں جاتی

اگر وہ تولتا میزانِ عدل و داد پر اُس کو
کبھی بھی رائیگاں میری یہ قربانی نہیں جاتی

ہے دعویٰ کھوکھلا اُس کا مری آبادکاری کا
مرے حق میں کوئی تجویز ہو،مانی نہیں جاتی

بہر صورت گوارا یہ نہیں ہے میری غیرت کو
یہ تشنہ لب ہے پھر بھی مانگنے پانی نہیں جاتی

مرے پیشِ نظر رہتی ہے ہردم عظمتِ رفتہ
تہی دستی میں بھی یہ خوئے سلطانی نہیں جاتی

نہیں معلوم ہے جن کو قرینہ ستر پوشی کا
چھپیں وہ لاکھ پردوں میں بھی عُریانی نہیں جاتی

نہ کرتا گر تجاوز اپنی حد سے دن کا شہزادہ
مرے پہلو سے اُٹھ کر رات کی رانی نہیں جاتی

ہمیشہ برق کی زد میں ہے میرا آشیاں برقیؔ
کروں آباد جتنا پھر بھی ویرانی نہیں جاتی

○○

○

بے درد زمانے سے ٹکرا بھی نہیں سکتے
اظہارِ محبت سے باز آ بھی نہیں سکتے

حالات کچھ ایسے ہیں نذرانۂ دل اُس کا
ہم لے بھی نہیں سکتے ٹھکرا بھی نہیں سکتے

دیتا ہے نگاہوں سے وہ دعوتِ مینوشی
’’ہم پی بھی نہیں سکتے چھلکا بھی نہیں سکتے‘‘

رہ رہ کے نہ جانے کیوں ہوتی ہے خلش دل میں
ہم سوزِ دروں اپنا دکھلا بھی نہیں سکتے

دستک کوئی دیتا ہے جب اپنے درِ دل پر
کیا ہم پہ گذرتی ہے بتلا بھی نہیں سکتے

اظہارِ ندامت ہم اب اُس سے کریں کیسے
ہم کھو بھی نہیں سکتے اور پا بھی نہیں سکتے

ناکردہ گناہی کی ملتی ہے سزا ہم کو
الزام ہے جو ہم پر جھٹلا بھی نہیں سکتے

یہ عقدۂ لاینحل ایسا ہے جسے برقیؔ
اُلجھا بھی نہیں سکتے سُلجھا بھی نہیں سکتے

○○

○

جس کو کہتے ہیں سب چاند کی چاندنی
چار دن کی ہے یہ زندگی چاندنی

چاند سے کم نہیں اُس کا روئے حسیں
روئے زیبا کی ہے دلکشی چاندنی

آج کل اس قدر ہے مکدر فضا
حال یہ دیکھ کر رو پڑی چاندنی

چاند اُس کا نہ جانے کہاں کھو گیا
دیکھتی رہ گئی یہ کھڑی چاندنی

چاند پر جب سے انساں کے پہنچے قدم
ہو گئی وقفِ سوداگری چاندنی

آج گھر کی فصیلوں میں محصور ہے
تھی جو محفل کی جلوہ گری چاندنی

جانے کس کی یہ برقیؔ نظر لگ گئی
تھی جو اپنی وہ ہے اجنبی چاندنی

○○

امیر خسرو کی فارسی غزل

نمی دانم چہ منزل بود شب جائیکہ من بودم
بہ ہر سو رقصِ بسمل بود شب جائیکہ من بودم

پرے پیکر نگاری سرو قدی لالہ رخساری
سراپا آفتِ دل بود شب جائیکہ من بودم

رقیباں گوش برآواز، او در ناز و من ترساں
سخن گفتن چہ مشکل بود شب جائیکہ من بودم

خدا خود میر مجلس بود اندر لامکاں خسرؔو
محمد شمعِ محفل بود شب جائیکہ من بودم

○○

منظوم اُردو ترجمہ

تھی وہ نا معلوم منزل تھا جہاں کل رات کو
ہر طرف تھا رقصِ بسمل تھا جہاں کل رات کو

لالہ رو اور سرو قد تھا اک پری پیکر وہاں
سر سے پا تک آفتِ دل، تھا جہاں کل رات کو

تھی مجھے وحشت وہاں موجود تھے میرے رقیب
بات بھی کرنی تھی مشکل ،تھا جہاں کل رات کو

میرِ مجلس لامکاں میں تھا وہاں خسرو خدا
تھے محمد شمعِ محفل تھا جہاں کل رات کو

○○

جب سے میں نے دیکھا ہے ایک خوشنما چہرہ
تب سے ہے نگاہوں میں اُس کا چاند سا چہرہ

صورت اور سیرت میں امتیاز مُشکل ہے
ہے ہر ایک چہرے پر ایک دوسرا چہرہ

ایک اور دو ہی میں ذہن تھا پراگندہ
آ گیا کہاں سے یہ ایک تیسرا چہرہ

با وفا سمجھتا تھا جس کو بے وفا نکلا
روز وہ بدلتا ہے اک نہ اک نیا چہرہ

تھا نقاب میں اب تک بے حجاب جب دیکھا
فاش ہو گیا آخر اُس کا بد نُما چہرہ

دور سے سمجھتے تھے جس کو چاند کا ٹکڑا
جب قریب سے دیکھا تھا وہ کُھردُرا چہرہ

میری چشمِ باطن سے کچھ نہیں ہے پوشیدہ
ہے زبانِ دل برقیؔ آئینہ نُما چہرہ

تو بجھانا چاہتا ہے میری قسمت کے چراغ
بجھ نہ جائیں دیکھ تیری شان وشوکت کے چراغ

آنے والا ہے ابابیلوں کا لشکر ہوشیار
دیرپا ہوتے نہیں ہیں جاہ و حشمت کے چراغ

ہو نہ جائے اُن سے گُل تیری بھی شمعِ زندگی
ہر طرف تو نے جلائے ہیں جو نفرت کے چراغ

آ جا راہِ راست پر اب بھی ہے میرا مشورہ
گُل نہیں ہوتے کبھی رشد وہدایت کے چراغ

کیوں بجھاتا ہے مری شمعِ شبستانِ حیات
کرنا ہے روشن تو روشن کر سعادت کے چراغ

نامساعد دور میں ہے اس کی لو مدھم ضرور
بجھ نہ پائیں گے کبھی شمعِ رسالت کے چراغ

دوستی سے بڑھ کے دُنیا میں کوئی دولت نہیں
ہیں مُضر تیرے لئے برقیؔ عداوت کے چراغ

نظر بچا کے وہ ہم سے گزر گئے چُپ چاپ
ابھی یہیں تھے نہ جانے کِدھر گئے چُپ چاپ

ہوئی خبر بھی نہ ہم کو کب آئے اور گئے
نگاہِ ناز سے دل میں اُتر گئے چُپ چاپ

دکھائی ایک جھلک اور ہو گئے روپوش
تمام خواب اچانک بکھر گئے چُپ چاپ

یہ دیکھنے کے لئے منتظر ہیں کیا وہ بھی
دیارِ شوق میں ہم بھی ٹھہر گئے چُپ چاپ

کریں گے ایسا وہ اِس کا نہ تھا ہمیں احساس
وہ قول و فعل سے اپنے مُکر گئے چُپ چاپ

فصیلِ شہر کے باہر نہیں کسی کو خبر
بہت سے اہلِ ہنر یوں ہی مر گئے چُپ چاپ

دکھا رہے تھے ہمیں سبز باغ وہ اب تک
اُنھیں جو کرنا تھا برقیؔ وہ کر گئے چُپ چاپ

کشتیٔ دل منجدھار میں اکثر چلتے چلتے چلتی ہے
جب آتی ہے کوئی مصیبت ٹلتے ٹلتے ٹلتی ہے

شاخِ تمنا خونِ جگر سے پھلتے پھلتے پھلتی ہے
شمعِ محبت خانۂ دل میں جلتے جلتے جلتی ہے

رعبِ حُسن سے قلب و جگر کو کر لیتا ہے وہ تسخیر
اُس کے سامنے دال کسی کی گلتے گلتے گلتی ہے

کہاں کہاں میں ساتھ میں لے کر جاؤں یادوں کی بارات
ذہن میں یہ تصویرِ تصور ڈھلتے ڈھلتے ڈھلتی ہے

کب دے گا دروازۂ دل پر وہ دستک معلوم نہیں
بادِ صبا پیغام یہ لے کر چلتے چلتے چلتی ہے

برقیؔ کب پروان چڑھے گا جوشِ جنوں معلوم نہیں
دیدہ و دل میں وصل کی خواہش پلتے پلتے پلتی ہے

○

کُھلا ہے میرا چلے آئیے دریچۂ دل
پڑھا نہیں ہے ابھی کیا مرا جریدۂ دل

دھڑک رہے ہیں فقط آپ اس کی دھڑکن میں
سوائے آپ کے کوئی نہیں وظیفۂ دل

ملی ہے آپ کی آمد کی جب سے اس کو خبر
ہے لب خموش کُھلا ہے مگر یہ دیدۂ دل

یہاں قیام کریں آ کے کچھ دنوں کے لئے
لکھیں گے بیٹھ کے فرصت سے پھر قصیدۂ دل

شرف تو دیجئے آپ اس کو میزبانی کا
پھر آپ دیکھیں گے کیسا ہے یہ سلیقۂ دل

نگاہِ ناز سے وارد ہوئے ہیں آپ اس میں
ملے ہیں آپ جو مجھ سے یہ ہے نتیجۂ دل

نشاطِ روح کا ساماں ہیں آپ اس کے لئے
نثار آپ پہ برقیؔ کا ہے صحیفۂ دل

○○

○

کیا نظر کے سامنے ہے جلوۂ جانانہ آج
"کس لئے تو جھومتا ہے اے دلِ دیوانہ آج"

صحنِ گلشن میں مرا آنا ہو جیسے فالِ نیک
کر رہی ہے خود سے بیخود نرگسِ مستانہ آج

خواب میں ہی وہ سہی آیا تو ملنے کے لئے
مجھ پہ واجب ہو گیا ہے سجدۂ شکرانہ آج

اس قدر سرشار ہوں اس کی نگاہِ مست سے
ہیچ اس کے سامنے ہے ساغر و پیمانہ آج

یہ سمجھنے سے ہوں قاصر کیا ہے اس میں مصلحت
جس کو میں اپنا سمجھتا تھا وہ ہے بیگانہ آج

گردشِ دوراں اثر انداز ہے کچھ اس طرح
خود سے ہے میرا دلِ درد آشنا بیگانہ آج

خوبیٔ قسمت پہ اپنی کیوں نہ مجھ کو ناز ہو
اوج پر ہے میری برقیؔ جُرأتِ رندانہ آج

○○

جو بھول چکے ہیں وہ پھر یاد دلا دیں تو
اپنی ہی طرح اُن کی نیندیں بھی اُڑا دیں تو

اوقات ہے کیا اُن کی یہ اُن کو بتا دیں تو
جو ہم کو سُناتے تھے ہم بھی وہ سُنا دیں تو

دیوانہ بنا ڈالا فُرقت نے ہمیں اُن کی
ہم بھی اُنہیں اب اپنا دیوانہ بنا دیں تو

ہیں جتنے گِلے شکوے باقی نہ رہیں گے وہ
پردہ رُخِ روشن سے وہ اپنے ہٹا دیں تو

بیتابیِٔ دل اپنی ہو جائے گی کم اِس سے
آئیں گے دوبارہ کب بس اِتنا بتا دیں تو

ہو جائے گا پھر روشن کاشانۂ دل اپنا
لَو شمعِ محبت کی کچھ اور بڑھا دیں تو

کم ظرف زمانے کی کرتے ہیں شکایت وہ
ہم بھی اُنہیں اے برقؔی آئینہ دکھا دیں تو

○○

دل کی ویرانی کبھی دیکھی ہے کیا
یہ پریشانی کبھی دیکھی ہے کیا

پاس رکھو اپنے اپنا مشورہ
اُس کی من مانی کبھی دیکھی ہے کیا

میری چشمِ نم میں ہے جو موجزن
ایسی طُغیانی کبھی دیکھی ہے کیا

آئنے میں شکل اپنی دیکھ کر
ایسی حیرانی کبھی دیکھی ہے کیا

دن کے شہزادے کا چھوڑو تذکرہ
رات کی رانی کبھی دیکھی ہے کیا

ہر طرف ہے آج جو پیشِ نظر
ایسی عُریانی کبھی دیکھی ہے کیا

جس طرح برقؔی پہ ہے وہ حکمراں
ایسی سُلطانی کبھی دیکھی ہے کیا

○○

میرے دل پر کیا گزرتی ہے بتانے دے مجھے
جو تجھے بارِ سماعت ہے سُنانے دے مجھے

جھیل کی مانند ہے تیری یہ چشمِ نیلگوں
اب مجھے مت روک اس میں ڈوب جانے دے مجھے

خیر مقدم کے لئے ہیں میری آنکھیں فرشِ راہ
رہگذر کو اپنی پھولوں سے سجانے دے مجھے

ہے بہت صبر آزما اب مجھ کو تیرا انتظار
تو مرے نزدیک آ ، یا پاس آنے دے مجھے

ایک مُدت سے ہنسی غائب تھی ہونٹوں سے مرے
خوبیٔ قسمت پہ اپنی مُسکرانے دے مجھے

اس قدر فرطِ خوشی سے دل ہے میرا باغ باغ
گل نئے گلزارِ ہستی میں کھلانے دے مجھے

قصر دل برقیؔ کا یہ تاریک تھا تیرے بغیر
اس کی اب شمعِ شبستاں کو جلانے دے مجھے

وہ آئے گا تجھ کو نظر دھیرے دھیرے
شبِ غم کی ہوگی سحر دھیرے دھیرے

نہ کر مرغِ دل اتنی اُڑنے کی عجلت
نکل آئیں گے بال و پَر دھیرے دھیرے

ابھی وہ تجھے دیکھ کر ہے گریزاں
وہ ہوگا ترا ہمسفر دھیرے دھیرے

تجھے کیا پتہ کیا گذرتی ہے مجھ پر
تو چلتا ہے کیوں نامہ بر دھیرے دھیرے

میں بے چین ہوں اپنے سوزِ دروں سے
نہ چل آج بادِ سحر دھیرے دھیرے

ہے نخلِ تمنا ابھی نارسیدہ
یہ دے گا بالآخر ثمر دھیرے دھیرے

ہے صبر آزما جو شبِ ہجر برقیؔ
وہ ہو جائے گی مختصر دھیرے دھیرے

○

یادِ ماضی کا تصور اور گرماتا ہے دل
اہلِ دل کے دل پہ کیسا یہ ستم ڈھاتا ہے دل

دل سے ملنا دل کا ہے اک ناگہانی اتفاق
مِل کے جب کوئی بچھڑتا ہے تو تڑپاتا ہے دل

دل کا دل سے جب بھی ہو جاتا ہے قطعِ رابطہ
ایک ناگن کی طرح اُس وقت بل کھاتا ہے دل

دل بآسانی ملا دیتی ہے یہ دل کی لگن
جب چلا جاتا ہے پھر مُشکل سے ہاتھ آتا ہے دل

آگے پیچھے کچھ نہیں آتا ہے پھر اس کو نظر
یاد میں اکثر کسی کی جب بھی کھو جاتا ہے دل

شامِ تنہائی یہ ہوتی ہے بہت صبر آزما
ملتا ہے جب دل سے کیفِ زندگی پاتا ہے دل

گردشِ دوراں سے ہوجاتا ہے برقیؔ بے نیاز
روئے زیبا پر کسی کے جب بھی آجاتا ہے دل

○○

○

ہے جوشِ جنوں کا یہ انداز جداگانہ
دیوانوں میں دیوانہ فرزانوں میں فرزانہ

اُس بزمِ نگاراں میں رکھا ہے قدم جب سے
آتا ہے نظر ہر سو بس جلوۂ جانانہ

ہے ذہن اِدھر میرا اور دل ہے اُدھر میرا
اک سمت حقیقت ہے اک سمت ہے افسانہ

معلوم نہ تھا مُجھ کو دُزدیدہ نگاہی سے
یہ دن بھی دکھائے گی یہ لغزشِ مستانہ

ہے طرزِ عمل اُس کا در اصل یہ مصنوعی
فطرت ہے غلامانہ انداز ہے شاہانہ

فیضانِ نظر اُس کا مُجھ پر یہ رہے قایم
ٹوٹے نہ کبھی اُس سے یہ رشتۂ یارانہ

ساقی کی نگاہوں سے مدہوش ہے دل میرا
میں بھول گیا برقیؔ اب ساغر و پیمانہ

○○

○

آئے تھے جو خطوط سبھی غائبانہ تھے
''بیشک ستم جناب کے سب دوستانہ تھے''

حق دوستی کا خوب کیا آپ نے ادا
تیرِ نظر کا صرف ہمیں بس نشانہ تھے

کیوں مجھ سے بدگماں ہیں بتا دیجئے مجھے
جذبات آپ کے لئے یہ مُخلصانہ تھے

حُسنِ عمل کا دیتے ہیں کیا ایسے ہی جواب
ردِ عمل جو آپ کے تھے جارحانہ تھے

سوہانِ روح میرے لئے تھے جو حادثات
وہ آپ کی نظر میں فقط اک فسانہ تھے

کیا میرے اس سوال کا کوئی جواب ہے
وعدے کئے جو آپ نے کیا وہ بہانہ تھے

مُشتاقِ دید آج بھی برقؔی ہے آپ کا
شکوے کئے تھے اُس نے جو،وہ دوستانہ تھے

○○

○

کفِ افسوس ملیں گے ہمیں کھونے والے
اُن کو ہونگے نہ میسر کبھی رونے والے

ناخُداؤں سے کہو خود کو نہ سمجھیں وہ خدا
''ڈوب جائیں نہ کہیں ہم کو ڈبونے والے''

یاد رکھیں کہ یہ چُبھ سکتے ہیں اُن کو بھی کبھی
خار پھولوں کی جگہ باغ میں بونے والے

حق پرستی ہمیں راس آئے نہ آئے ،لیکن
ساتھ باطل کے کبھی ہم نہیں ہونے والے

خلشِ سوزِ دروں کا ہے تجھے کیا احساس
دل میں تیرِ نگہہِ ناز چبھونے والے

میرا یہ حالِ زبوں تجھ کو نہ جینے دے گا
حلقۂ چشم کو اشکوں سے بھگونے والے

کارواں وقت کا سرگرمِ سفر ہے برقؔی
خوابِ غفلت سے اُٹھیں کہہ دو یہ سونے والے

○○

○

مجھے کیا نہیں راس آئے گی دُنیا
مجھے اور کتنا ستائے گی دُنیا

میں ہوں عالمِ رنگ و بو میں اکیلا
مجھے اور کتنا رُلائے گی دُنیا

مری کیا حقیقت ہے میں جانتا ہوں
بہت جلد یہ بھول جائے گی دُنیا

کسی کی ہوئی ہے کہ میری یہ ہوگی
مرا ساتھ کب تک نبھائے گی دُنیا

ابھی دیکھ لو یہ جو شمعِ محبت
جلائی ہے میں نے بجھائے گی دُنیا

بہت سنگ دل ہے یہ میں جانتا ہوں
مجھے دیکھ کر مسکرائے گی دُنیا

کرو فکر تم اپنے عقبیٰ کی برقیؔ
کسی کے نہیں ساتھ جائے گی دُنیا

○○

○

مری جانب نگاہیں اس کی ہیں دُزدیدہ دُزدیدہ
جنونِ شوق میں دل ہے مرا شوریدہ شوریدہ

نہ پوچھ اے ہمنشیں کیسے گذرتی ہے شبِ فُرقت
میں ہوں آزُردہ خاطر وہ بھی ہے رنجیدہ رنجیدہ

گُماں ہوتا ہے ہر آہٹ پہ مُجھ کو اُس کے آنے کا
تصور میں مرے رہتا ہے وہ خوابیدہ خوابیدہ

وہ پہلے تو نہ تھا ایسا اُسے کیا ہوگیا آخر
نظر آتا ہے وہ اکثر مُجھے سنجیدہ سنجیدہ

نہ پوچھو میری اِس وارفتگیٔ شوق کا عالم
خلش دل کی مجھے کردیتی ہے نمدیدہ نمدیدہ

بہت پُرکیف تھا اُس کا تصور شامِ تنہائی
نگاہِ شوق ہے اب مُضطرب نادیدہ نادیدہ

سفر دشتِ تمنا کا بہت دشوار ہے برقیؔ
پہنچ جاؤں گا میں لیکن وہاں لغزیدہ لغزیدہ

○○

○

کب ہوا بام پہ وہ جلوہ نما یاد نہیں
دم بخود ایسا تھا کچھ بھی بخدا یاد نہیں

مجھ سے دانستہ ہوئی کوئی خطا یاد نہیں
"جانے کس جُرم کی پائی ہے سزا یاد نہیں"

تختۂ مشق تھا معلوم ہے اتنا مجھ کو
کس قدر اس نے کیئے جورو جفا یاد نہیں

اُس کے آنے کا گماں ہوتا ہے ہر آہٹ پر
جانے کیا کہہ کے گئی بادِ صبا یاد نہیں

کہہ رہا ہے مری تائید تھی اُس کو حاصل
میں تھا ہر حال میں راضی بہ رضا یاد نہیں

اُس کے آتے ہی لرز اُٹھا مرا تارِ وجود
دیکھ کر ایسی ہوئی روح فنا یاد نہیں

وعدہ برقیؔ سے کیا تھا جو نبھایا کہ نہیں
اُس نے برجستہ کہا بھول گیا یاد نہیں

○○

○

اِک دلفریب خواب میں رکھا گیا مجھے
پھر مستقل عذاب میں رکھا گیا مجھے

بیدار کرکے شدتِ جذبات کو مری
یادوں کے اک سُراب میں رکھا گیا مجھے

ہے میرا ذہن فطرتِ سیماب کی طرح
ہر وقت اضطراب میں رکھا گیا مجھے

شیرازہ منتشر ہے کتابِ حیات کا
جس کے ہر ایک باب میں رکھا گیا مجھے

راہِ فرار کوئی نہیں ہے مرے لئے
یہ کیسے پیچ و تاب میں رکھا گیا مجھے

میں ڈھو رہا ہوں بارِ امانت جہان کا
فہرستِ انتخاب میں رکھا گیا مجھے

برقیؔ ہے آج ماہیٔ بے آب کی طرح
کیوں خانۂ خراب میں رکھا گیا مجھے

○○

ناقابلِ اظہار ہے جذبات کا عالم
اُس رشکِ نگاراں سے مُلاقات کا عالم

شرمانا مجھے دیکھ کے اُس کا پسِ پردہ
اور چہرۂ زیبا پہ حجابات کا عالم

ہر بات پہ وہ روٹھنا پھر میرا منانا
تاخیر سے آنے کی شکایات کا عالم

اب پُرسشِ احوال کو آئے ہو کہاں تھے
ملنے و بچھڑنے پہ سوالات کا عالم

رہ رہ کے اندھیرے میں وہ بجلی کا چمکنا
طوفانِ بلاخیز میں برسات کا عالم

ہے نقش مرے دل پہ وہ یادوں کا تسلسل
پُرکیف ہے گزرے ہوئے لمحات کا عالم

بھولا ہے نہ بھولے گا یہ احمد علی برقیؔ
دُزدیدہ نگاہوں سے اِشارات کا عالم

غنچے چمن میں آج ہیں یہ سر بُریدہ کیوں
گُل پیرہن ہیں باغ میں دامن دریدہ کیوں

آتا مجھے نظر ہے یہ رنگِ پریدہ کیوں
ہیں قید و بند میں یہ گُلِ نا رسیدہ کیوں

یہ کون باغباں ہے یہ کیسا نظام ہے
بارِ الم سے برگ و شجر ہیں خمیدہ کیوں

گلہائے رنگا رنگ سے زینت چمن کی ہے
گُل میرے بوستاں کے ہیں آفت رسیدہ کیوں

جمہوریت میں سب کے مساوی حقوق ہیں
میں کیوں ستم زدہ ہوں، وہ ہیں برگزیدہ کیوں

ناظر کے فکر و فن کا مرقع ہو جو غزل
سَر اُس کے سامنے نہ ہو میرا خمیدہ کیوں

برقیؔ تمھیں بتاؤ کریں کس سے باز پُرس
مُرغانِ خوشنوا ہیں یہاں آبدیدہ کیوں

○

خیال اُس کا مرے ذہن میں جب آتا ہے
تصورات کے گلشن میں گل کھلاتا ہے

ہیں آج دیدہ و دل فرشِ راہ اُس کے لئے
''کہ روز روز لبِ بام کب وہ آتا ہے''

یہ دیکھنے کے لئے میں ہوں سخت جاں کتنا
وہ اپنا تیرِ نظر مُجھ پہ آزماتا ہے

تصور اُس کا ہے پُر لطف خواب ہی میں سہی
وہ آکے خانۂ دل کو مرے سجاتا ہے

بہار بن کے وہ آتا ہے باغِ ہستی میں
سکونِ قلب مرا ساتھ لے کے جاتا ہے

وہ اپنے ناز و ادا اور بیوفائی سے
کبھی ہنساتا ہے مُجھ کو کبھی رُلاتا ہے

نہ تابِ ہجر ہے اُس کی نہ تابِ نظّارہ
نہ جانے کیسا یہ برقیؔ سے اُس کا ناتا ہے

○○

○

پاس آتے بھی نہیں اور بلاتے بھی نہیں
روٹھ جانے پہ مرے مجھ کو مناتے بھی نہیں

بدگمانی کا سبب کیا ہے بتاتے بھی نہیں
میری سُنتے بھی نہیں اپنی سُناتے بھی نہیں

منتشر کر کے وہ شیرازۂ ہستی میرا
خانۂ دل کو مرے آکے سجاتے بھی نہیں

کیا کروں جاؤں کہاں کس سے کہوں حالِ زبوں
دل میں وہ غنچۂ اُمید کھلاتے بھی نہیں

روح فرسا ہے جدائی کا تصور اُن کی
پہلے آتے تھے خیالوں میں اب آتے بھی نہیں

شعلۂ عشق کو دیتے ہیں ہوا رہ رہ کر
دل میں وہ آگ لگاتے ہیں بجھاتے بھی نہیں

کرکے دزدیدہ نگاہوں سے اشارے برقیؔ
''صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں''

○○

○

وہ شمعِ آرزو کو بجھا کر چلے گئے
"آنکھوں میں بس کے دل میں سما کر چلے گئے"

راتوں کی نیند میری اُڑا کر چلے گئے
خوابیدہ حسرتوں کو جگا کر چلے گئے

جانا اگر تھا اُن کو تو آئے تھے کس لئے
سوزِ دُروں وہ میرا بڑھا کر چلے گئے

وہ اپنے ساتھ لے گئے میرا سکونِ قلب
اِک سبز باغ مجھ کو دکھا کر چلے گئے

جو کچھ کیا اُنھوں نے وہ اچھا نہیں کیا
میں ہنس رہا تھا مجھ کو رُلا کر چلے گئے

وہ مصلحت پسند تھے اِس کا نہ تھا گماں
اوقات میری مجھ کو بتا کر چلے گئے

میں دم بخود تھا دیکھ کے برقیؔ یہ ماجرا
آیا جو کچھ زباں پہ سُنا کر چلے گئے

○○

○

مرے خواب جو تھے بکھر گئے کچھ اِدھر گئے کچھ اُدھر گئے
وہ دکھا کے ایک جھلک مجھے مرے سامنے سے گذر گئے

نہ تھا وصل میرے نصیب میں مجھے دے رہے تھے فریب وہ
میں تھا منتظر کہ وہ آئیں گے وہ تو وعدہ کرکے مُکر گئے

مرے گِردوپیش حصار ہے نہیں کوئی راہِ فرار ہے
میں ہوں سادہ لوح یہ جان کر پسِ پُشت وار وہ کر گئے

مرا دل خزاں کا شکار تھا مجھے انتظارِ بہار تھا
مگر آئی فصلِ بہار جب مرے بال و پر وہ کتر گئے

جو بوقتِ عیش تھے آشنا وہ چلے گئے مجھے چھوڑ کر
سرِ راہ جب ہوا سامنا تو نظر بچا کے گزر گئے

تھا ستارہ میرا عروج پر تھے حریف خوف زدہ مرے
مگر آیا مجھ پہ زوال جب تو نصیب اُن کے سنور گئے

جسے دیکھئے وہ ہے غمزدہ میں ہوں برقیؔ شاعرِ بینوا
جو تھے میرے ہمدم و ہمنشیں وہ نہ جانے آج کدھر گئے

○○

○

''اگر نہ زہرہ جبینوں کے درمیاں گزرے''
تو میری شامِ طرب اور پھر کہاں گزرے

کروں تو کس سے کروں گفتگوئے راز و نیاز
دیارشوق سے اُن کا جو کارواں گزرے

جلو میں اپنے لئے شوخیِ بہارِ چمن
وہ گلعذار جب آئے تو گلفشاں گزرے

شمیمِ زُلف سے اُن کی فضا تھی عطر بدوش
مشامِ جاں تھی معطر جہاں جہاں گزرے

خمارِ خواب سے بیدار ہو گئیں آنکھیں
وہ میرے کوچۂ دل سے جو ناگہاں گزرے

خرامِ ناز تھا غارتگرِ سکوں اُن کا
جو اُن کی راہ سے گزرے وہ نیم جاں گزرے

غزل سرائی میں ہے پیروِ جگر برقیؔ
نہ اِس کا طرز کسی کو کبھی گراں گزرے

○○

○

میں سمجھتا تھا جسے دراصل اپنا ہمسفر
نذرِ آتش کر دیا اُس نے بالآخر میرا گھر

اُس کے شر سے بھاگ کر جاؤں تو میں جاؤں کدھر
جرم خود جس نے کیا الزام آیا میرے سر

اپنا چارہ گر سمجھتا تھا جسے میں عمر بھر
میرے حالِ زار کی اُس کو نہیں کوئی خبر

کیا نہ آئے گی مرے گلزارِ ہستی میں بہار
میرا نخلِ آرزو کب تک رہے گا بے ثمر

ااُس کا یہ طرزِتغافل مار ڈالے گا مجھے
کچھ نہیں ہوتا مری عرضِ تمنا کا اثر

کر دیا ہے گردشِ حالات نے بے دست و پا
میں پہنچ جاتا وہاں اُڑکرجو ہوتے بال و پر

کچھ نہ آئی کام میرے اشکباری ہجر میں
سو صفر جوڑے مگر برقیؔ نتیجہ تھا صفر

○○

اِدھر جانے والے اُدھر جانے والے
''برابر سے بچ کر گذر جانے والے''

کدھر جا رہا ہے نگاہیں بچا کر
اِدھر دیکھ لے اِک نظر جانے والے

ترے ہجر میں کیا گذرتی ہے مُجھ پر
تجھے اِس کی ہے کچھ خبر جانے والے

مرے دلربا تو کب آئے گا آخر
فلک پر ہیں شمس و قمر جانے والے

بتا دے یہ از راہِ لُطف اُس کو جا کر
یہ حالِ زبوں نامہ بر جانے والے

یہ دردِ جُدائی ہے نا گفتہ بہ اب
سُنا دے یہ با چشمِ تر جانے والے

ہے صبر آزما اُس کا طرزِ تغافل
ہیں برقی کے قلب و جگر جانے والے

میں اُنھیں اپنا بناؤں تو بناؤں کیسے
وہ تو روٹھے ہیں مناؤں تو مناؤں کیسے

حالِ دل اپنا سناؤں تو سناؤں کیسے
زخمِ دل اپنا دکھاؤں تو دکھاؤں کیسے

مُجھ سے شرمندہ ہیں وہ میں ہوں پشیماں اُن سے
اُن سے ملنے میں اگر جاؤں تو جاؤں کیسے

روح فرسا ہے جُدائی کا تصور اُن کی
یادِ ماضی میں بھلاؤں تو بھلاؤں کیسے

میرا سرمایہ ہے دیرینہ رفاقت اُن کی
اُسے غیروں پہ لُٹاؤں تو لُٹاؤں کیسے

میں اکیلے ہی سُبکدوش نہیں ہو سکتا
بارِ غم اُن کا اُٹھاؤں تو اُٹھاؤں کیسے

لوحِ دل پر جو مری نقش ہیں یادوں کے نقوش
اُن کو برقی میں مٹاؤں تو مٹاؤں کیسے

○

شمعِ اُمید جلا کرتی ہے
دل میں اِک حشر بپا کرتی ہے

کبھی شعلہ کبھی شبنم بن کر
خانۂ دل میں رہا کرتی ہے

سر سے پا تک مجھے خود سے بیخود
اُ س کی ہر ایک ادا کرتی ہے

بدگمانی کے سوا کچھ بھی نہیں
''جو مجھے تجھ سے جُدا کرتی ہے''

ہر گھڑی موردِ الزام مجھے
کیوں وہ بے جرم و خطا کرتی ہے

زندگی بارِ امانت ہے مری
اپنا جو حق ہے ادا کرتی ہے

یاد جب آتی ہے اُس کی برقیؔ
زخمِ دل میرا ہرا کرتی ہے

○○

○

نہ راس آیا کبھی مجھ کو میرا پیار مجھے
''بہت کیا مری وحشت نے شرمسار مجھے''

بہت عزیز تھا وہ شوخ گلعذار مجھے
تھا اُس کے وعدۂ فردا پہ اعتبار مجھے

کہاں ہے اور کب آئے گا کچھ نہیں معلوم
ہے صبرآزما اب اُس کا انتظار مجھے

یہیں سے گذرا ہے شاید وہ اشہبِ دوراں
دکھائی دیتا ہے اب دور سے غبار مجھے

نشاطِ روح تھا جس کا خیال آج وہی
غمِ حیات سے کرتا ہے ہمکنار مجھے

نگاہِ ناز میں تھا اُس کی کیف و سرمستی
ہے دلخراش بہت آج یہ خمار مجھے

نگاہِ شوق ہے برقیؔ ہمیشہ چشم براہ
خیال آتا ہے اب اُس کا بار بار مجھے

○○

○

ہو گیا شرمندۂ تعبیر خواب
سامنے جب آ گیا وہ بے نقاب

ہو گئیں میری دعائیں مستجاب
مل گیا میرے سوالوں کا جواب

جاگ اُٹھیں خوابیدہ جو تھیں حسرتیں
اب نہیں ہے دل میں کوئی پیچ و تاب

ہوگئے روشن اُمیدوں کے دیے
جب نظر آیا مجھے وہ بے نقاب

عشق ہے سود و زیاں سے بے نیاز
ہے نشاطِ روح یہ دورِ شباب

عشق ہے دراصل حُسنِ زندگی
عشق سے ہے زندگی میں آب و تاب

ہے مجھے اِس بات کا برقیؔ یقیں
دور ہو جائے گا ظلمت کا سحاب

○○

○

آپ کا حُسنِ عمل حُسنِ بیاں تک پہنچے
دِل میں جو بات نہاں ہے وہ زباں تک پہنچے

آئیے ایسی فضا امن کی ہموار کریں
حُسنِ نیت جو یہاں ہے وہ وہاں تک پہنچے

دوستی جب بھی کریں جذبۂ اخلاص کے ساتھ
کہیں ایسا نہ ہو وہ سود و زیاں تک پہنچے

دل میں روشن کریں وہ شمعِ محبت جس کی
روشنی ایسی ہو دونوں کے مکاں تک پہنچے

دشمنی شعلۂ نفرت کو ہوا دیتی ہے
کہیں ایسا نہ ہو وہ آہ و فغاں تک پہنچے

اس سے بچنے کی تدابیر کو رکھیں ملحوظ
اِس سے پہلے کہ کوئی تیر کماں تک پہنچے

ہے مشن میرا فقط ''امن کی آشا'' برقیؔ
''میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے''

○○

○

راہ اپنے لئے بے خوف و خطر پیدا کر
"جو کسی در پہ نہ جھکتا ہو وہ سر پیدا کر"

بڑھ کے چومے گی قدم منزلِ مقصود ترا
شرط ہے اِس کے لئے عزمِ سفر پیدا کر

خود بخود دعوتِ نظّارہ وہ دینگے تجھ کو
سامنے آئیں گے وہ ذوقِ نظر پیدا کر

بحرِ ذخّار میں امواجِ حوادث سے نہ ڈر
ہے اگر ذوقِ طلب لعل و گہر پیدا کر

ہے اگر راہِ ترقی میں تری یہ حائل
عزمِ محکم ہے تو دیوار میں در پیدا کر

اُسوۂ حیدرِ کرّار کو رکھ پیشِ نظر
رزم میں سینۂ اغیار میں ڈر پیدا کر

وقت یکساں نہیں رہتا ہے ہمیشہ برقیؔ
شبِ تاریک کے دامن سے سحر پیدا کر

○○

○

ناقابلِ اظہار تھا پہلے غمِ جاناں
اب درپئے آزار ہے یہ گردشِ دوراں

کرتا نہیں کوئی بھی مری پُرسشِ احوال
افسانۂ ہستی کا یہی ہے مرے عُنواں

میں خانماں برباد ہوا اُس کی وجہ سے
وہ خانہ بر انداز ہے اِس بات پہ نازاں

معلوم نہیں کچھ بھی وہ گزرے گا کہاں سے
ہے اُس کے تعاقب میں مری دیدۂ حیراں

رہبر جسے سمجھا تھا میں دراصل تھا رہزن
اُس نے ہی کہا ہے مجھے یہ بے سر و ساماں

موضوعِ سخن ہے مرا رودادِ زمانہ
ہیں وقت کی آواز یہ افکارِ پریشاں

سائے سے گُریزاں ہیں مرے اب مرے ہمزاد
برقیؔ ہوں میں یہ دیکھ کے انگشت بدنداں

○○

○

میں جدائی تری کس طرح سہوں شام کے بعد
بِن ترے تو ہی بتا کیسے رہوں شام کے بعد

دن کسی طرح گذر جاتا ہے لیکن ہمدم
اور بڑھ جاتا ہے یہ سوزِ دروں شام کے بعد

جز ترے کون کرے گا مری وحشت کا علاج
کس سے میں اپنا کہوں حالِ زبوں شام کے بعد

یاد آتے ہیں مجھے جب کبھی گذرے لمحات
کیا کہوں کس سے کہوں کیسے کہوں شام کے بعد

کیا کروں جاؤں کہاں کون سنے گا میری
حالِ دل اپنا کہوں یا نہ کہوں شام کے بعد

آتا رہتا ہے مرے ذہن میں اکثر یہ خیال
کیا ملے گا کبھی مجھ کو بھی سکوں شام کے بعد

ضبط کرتا ہوں بہت احمد علی برقیؔ مگر
بڑھنے لگتا ہے مرا جوشِ جنوں شام کے بعد

○○

○

غنچے چمن میں آج ہیں یہ سربریدہ کیوں
گل پیرہن ہیں باغ میں دامن دریدہ کیوں

آتا مجھے نظر ہے یہ رنگِ پریدہ کیوں
ہیں قید و بند میں یہ گُلِ نارسیدہ کیوں

یہ کون باغباں ہے یہ کیسا نظام ہے
بارِ الم سے برگ و شجر ہیں خمیدہ کیوں

گلہائے رنگا رنگ سے زینت چمن کی ہے
گُل میرے بوستاں کے ہیں آفت رسیدہ کیوں

جمہوریت میں سب کے مساوی حقوق ہیں
میں کیوں ستم زدہ ہوں، وہ ہیں برگزیدہ کیوں

اپنی سلامتی کی سبھی کو ہے فکر آج
پُشتِ پدر پسر کے ہے غم میں خمیدہ کیوں

برقیؔ تمہیں بتاؤ کریں کس سے بازپُرس
مُرغانِ خوشنوا ہیں یہاں آبدیدہ کیوں

○○

○

سکونِ قلب کسی کو نہیں میسر آج
شکستِ خواب ہے ہر شخص کا مقدر آج

ہے وضعِ حال مری کیوں یہ بد سے بدتر آج
امیرِ شہر کے بدلے ہوئے ہیں تیور آج

ہر ایک شخص ہے اپنے حصار میں محصور
ہے سب کے درپئے آزار وہ ستمگر آج

کیا ہے گردشِ دوراں نے دربدر سب کو
جو سر میں پہلے تھا وہ پاؤں میں ہے چکر آج

سمجھ رہا تھا جسے خیر خواہ میں اپنا
وہی ہے دشمنِ جاں میرا سب سے بڑھ کر آج

فصیلِ شہر کے اندر تھے کتنے اہلِ ہُنَر
نہیں ہے جن سے شناسا کوئی بھی باہر آج

دکھا رہا ہے مجھے سبز باغ جو برقیؔ
وہ لے کے پھرتا ہے کیوں آستیں میں خنجر آج

○○

○

خزاں چلی گئی فصلِ بہار ہے آجا
ہر ایک سانس رگِ جاں پہ بار ہے آجا

نہیں ہے تیرے سوا میرا مدعا کچھ بھی
متاعِ شوق یہ تجھ پر نثار ہے آجا

نشاطِ روح ہے تیرا نیاز و ناز مجھے
ہر اک ادا سے تری مجھ کو پیار ہے آجا

سکونِ قلب میسر نہیں ہے تیرے بغیر
ترے فراق میں دل بیقرار ہے آجا

تجھے عزیز ہے جو کچھ یہاں میسر ہے
فضائے صحنِ چمن خوشگوار ہے آجا

ہے صبر آزما تیرا یہ وعدۂ فردا
دلِ حزیں کو ترا انتظار ہے آجا

نہیں کرے گا گلے شکوے تجھ سے کچھ برقیؔ
اگر ذرا بھی تجھے اعتبار ہے آجا

○○

○

شرق ہے اب غرب کی آماجگاہ
اِس کے شرسے دے خدا سب کو پناہ

آج ہے جِن کی زباں پر واہ واہ
کل یہی بُزدل بھریں گے سرد آہ

نام لے کر امن کا کرتے ہیں جنگ
بنتے ہیں نوعِ بشر کے خیرخواہ

ہیں بظاہر امنِ عالم کے نقیب
ہر جگہ ہے تیل پر اِن کی نگاہ

ہے تن آسانی ابھی اِن کا شعار
خوابِ غفلت میں ابھی ہیں کج کُلاہ

اِن کے شر سے کوئی بچ سکتا نہیں
ایک دن سب کو کریں گے یہ تباہ

درسِ عبرت ہے یہ برقیؔ کی غزل
کوہ تھا جو پہلے ہے وہ آج کاہ

○○

○

وہ حسبِ وعدہ نہ آیا تو آنکھ بھر آئی
مجھے تماشا بنایا تو آنکھ بھر آئی

سجا کے رکھتا تھا پلکوں پہ جس کو میں اکثر
نظر سے اُس نے گرایا تو آنکھ بھر آئی

ہمیشہ کرتا تھا میری جو ناز برداری
اُسی کا ناز اُٹھایا تو آنکھ بھر آئی

جسے سمجھتا تھا میں دلنواز جب اُس سے
سکونِ قلب نہ پایا تو آنکھ بھر آئی

وہ مجھ سے بھرتا تھا دم دوستی کا لیکن جب
عدو سے ہاتھ ملایا تو آنکھ بھر آئی

نہ تھا یہ وہم و گُماں مجھ کو وہ بلائے گا
اچانک اُس نے بُلایا تو آنکھ بھر آئی

نہیں ہے شکوہ کوئی دشمنوں سے اے برقیؔ
فریب دوست سے کھایا تو آنکھ بھر آئی

○○

○

''اے نگارانِ خوبرو آؤ''
خانۂ دل ہے مشکبو آؤ

تم ہو مشاطۂ عروسِ غزل
ہو تمھیں اس کی آبرو آؤ

گلشنِ دل تمھیں سے ہے آباد
ہو تمھیں جانِ رنگ و بو آؤ

چھوٹ جائے کہیں نہ دامنِ صبر
چشمِ نَم ہے لہو لہو آؤ

ختم کب ہوگا یہ حجاب آخر
گفتگو ہوگی روبرو آؤ

ہے ضروری اگر طہارتِ قلب
ہے ابھی تک یہ با وضو آؤ

تم نے برقیؔ کا ساتھ چھوڑ دیا
ہے یہی ذکر کو بکو آؤ

○○

○

نہایت مختصر ہے زندگی آؤ ذرا ہنس لیں
اگرچہ عارضی ہے یہ ہنسی آؤ ذرا ہنس لیں

ہمارے واسطے ہے درسِ عبرت زندگی گُل کی
کِھلی ہے مثلِ گُل دل کی کلی آؤ ذرا ہنس لیں

ذرا سی ٹھیس سے یہ شیشۂ دل ٹوٹ جاتا ہے
تمناؤں کی محفل ہے سجی آؤ ذرا ہنس لیں

جہانِ رنگ و بو کی زیب و زینت دیکھ لیتے ہیں
ابھی باقی ہے کچھ کچھ دلکشی آؤ ذرا ہنس لیں

کریں گے پیش اُس کے سامنے رودادِ دل اپنی
وہ سن کر بھی نہ کردے اَن سُنی آؤ ذرا ہنس لیں

نہ جانے کب وہ صادر کردے پھر حُکمِ زباں بندی
ابھی کچھ دن کی ہے مُہلت ملی آؤ ذرا ہنس لیں

مزاجِ یار ہے برقیؔ کبھی شعلہ کبھی شبنم
نہ جانے کب کرے پھر دل لگی آؤ ذرا ہنس لیں

○○

○

اور بھی ہوں گے مہ جبیں آپ کی بات اور ہے
آپ فلک ہیں وہ زمیں آپ کی بات اور ہے

اپنا موازنہ بھلا آپ نے کس سے کردیا
وہ تو ہے مارِ آستیں آپ کی بات اور ہے

حُسن و جمال آپ کا دلکش و دلنواز ہے
خاتمِ حُسن کے نگیں آپ کی بات اور ہے

مُجھ کو بہت عزیز ہے ناز و نیاز آپ کا
جو ہے حیات آفریں آپ کی بات اور ہے

آپ کی جلوہ گاہ ہے خانۂ دل یہ جانِ من
آپ یہیں رہیں مکیں آپ کی بات اور ہے

کس کی مجال ہے بھلا آپ سے ہمسری کرے
کس نے کہا نہیں نہیں آپ کی بات اور ہے

ہوگا رقیب آپ کا جس نے اُڑائی یہ خبر
برقیؔ پہ کیجئے یقیں آپ کی بات اور ہے

○○

○

میں تیرا گلشنِ ہستی سجانے آیا ہوں
نئے شگوفے نئے گل کھلانے آیا ہوں

وفا شعار ہوں وعدہ شکن نہیں ہوں میں
جو عہد تجھ سے کیا تھا نبھانے آیا ہوں

اُڑا کے نیند مری سو رہا ہے چین سے تو
خمارِ خواب سے تجھ کو جگانے آیا ہوں

مجھے نہ تیری خبر ہے تجھے نہ میری خبر
میں تیری سننے اور اپنی سنانے آیا ہوں

گزر رہے ہیں شب و روز کس طرح میرے
براہِ راست تجھے یہ بتانے آیا ہوں

جہاں نما ہے مرے دل کا آئینہ اِس میں
جو میں نے دیکھا تجھے بھی دکھانے آیا ہوں

نہ دے گا اور کوئی امتحان اب برقیؔ
میں تیرا ظرف یہاں آزمانے آیا ہوں

○○

تیرہ و تار زندگی ہے ابھی
''جانے کس چیز کی کمی ہے ابھی''

کب کرے گا وہ پُرسشِ احوال
کتنی ویران زندگی ہے ابھی

صُبح ہونے میں ہے ابھی تاخیر
پھر چلے جانا تیرگی ہے ابھی

مُنتشر ہے ہمارا شیرازہ
کس قدر ہم میں بے حسی ہے ابھی

دے گا دستک وہ کب درِ دل پر
اوج پر اُس کی بے رُخی ہے ابھی

کیا ملے گا اُجاڑ کر تم کو
دل کی دُنیا مرے بسی ہے ابھی

میں بہت سخت جان ہوں برقیؔ
روح میں میری تازگی ہے ابھی

حُسن میں اُس کے دلکشی ہے ابھی
دلنشیں شانِ دلبری ہے ابھی

روح پرور ہے اُس کا حُسن و جمال
دیکھ کر اُس کو بیخودی ہے ابھی

ہے مرے سامنے وہ جانِ غزل
جس سے سرشار زندگی ہے ابھی

میں ابھی تک ہوں تیرا شیدائی
یہ بتا مُجھ میں کیا کمی ہے ابھی

بھر دے پیمانہ میرا اے ساقی
اور دے اور تشنگی ہے ابھی

اُس کی ریشہ دوانیاں مت پوچھ
کتنا کم ظرف آدمی ہے ابھی

نہیں برقیؔ کو ہے سکونِ قلب
''جانے کس چیز کی کمی ہے ابھی''

○

اُس کا عرضِ مدعا میں نے سنا اچھا لگا
جو بھی اس کے دل میں تھا اُس نے کہا اچھا لگا

دل کو دل سے راہ ہوتی ہے یہ ہے ضرب المثل
رابطہ اُس نے دوبارہ کرلیا اچھا لگا

ہوگیا تھا منتشر شیرازۂ ہستی مرا
پھر بڑھایا اُس نے میرا حوصلا اچھا لگا

تھا بہت صبر آزما اُس سے یہ قطعِ رابطہ
درمیاں کوئی نہیں اب فاصلا اچھا لگا

تیرہ و تاریک تھی شمعِ شبستانِ وجود
میری دلجمعی کا ساماں ہوگیا اچھا لگا

کررہا تھا بزمِ دل آراستہ وہ اس طرح
آئینے کے تھا مقابل آئینا اچھا لگا

جاتے جاتے حسرتِ دیدارِ برقیؔ تھی اسے
پھر کنکھیوں سے وہ اُس کا دیکھنا اچھا لگا

○○

○

خانۂ دل میں تھے مہماں آپ تو ایسے نہ تھے
کردیا کیوں اِس کو ویراں آپ تو ایسے نہ تھے

آپ توافسانۂ ہستی کا عنواں تھے مرے
دیکھ کر اب ہیں گریزاں آپ تو ایسے نہ تھے

توڑ ڈالا زندگی بھر ساتھ دینے کا بھرم
کیا ہوئے وہ عہد و پیماں آپ تو ایسے نہ تھے

میرے دل میں کچھ نہیں ہے بھول جائیں آپ بھی
کس لئے ہیں اب پشیماں آپ تو ایسے نہ تھے

آپ کے لب پر ہے آخر آج کیوں مُہرِ سکوت
سازِ دل پر تھے غزلخواں آپ تو ایسے نہ تھے

کیف و سرمستی کا ساماں آپ تھے میرے لئے
مثلِ آئینہ ہیں حیراں آپ تو ایسے نہ تھے

کچھ بتائیں تو سہی اِس بدگمانی کا سبب
کیوں ہیں اب برقیؔ سے نالاں آپ تو ایسے نہ تھے

○○

○

آج جیسی اُس کی ہے چاہت کبھی ایسی نہ تھی
''غم کبھی ایسا نہ تھا، راحت کبھی ایسی نہ تھی''

میرے گلزارِ تمنا میں کب آئے گی بہار
اُف خزاں دیدہ کوئی ساعت کبھی ایسی نہ تھی

اُس نے بھیجا ہے مجھے پیمانِ تجدیدِ وفا
آج ہے جیسی مری حالت کبھی ایسی نہ تھی

تیرہ و تاریک ہے یہ زندگی اُس کے بغیر
شومئ تقدیر سے ظُلمت کبھی ایسی نہ تھی

اُس کا یہ طرزِ تغافل مارڈالے گا مجھے
مجھ سے غافل تھا مگر غفلت کبھی ایسی نہ تھی

ہے بہت صبرآزما میرے لئے یہ انتظار
پہلے تو میری شبِ فُرقت کبھی ایسی نہ تھی

ڈاکٹر احمد علی برقیؔ کا ہے جو حالِ زار
باعثِ آزردگی اُلفت کبھی ایسی نہ تھی

○○

○

اے غنچہ دہن رشکِ چمن ماہ جبیں اور
اللہ کرے تجھ کو تو ہوجائے حسیں اور

مسکن ہے ترا صرف مرے خانۂ دل میں
محفوظ جگہ اس سے نہیں کوئی کہیں اور

آرائش و تزئینِ مکاں کی ہے مکیں سے
تجھ سا نہیں مرغوب مجھے کوئی مکیں اور

آنا ہے تو آ میرے لئے آ مرے گھر آ
جینے نہیں دینگے تجھے یہ اہلِ زمیں اور

اُس بزمِ نگاراں میں نہ تھا کوئی بھی تجھ سا
کہنے کو تو دیکھے ہیں وہاں میں نے حسیں اور

زینت ہیں سبھی ماہ و نجوم عرشِ بریں کی
ہے جلوہ گہہِ ناز تری فرشِ زمیں اور

احمد علی برقیؔ سے تغافل نہیں اچھا
ہوتا ہے اُسے دیکھ کے کیوں چیں بہ جبیں اور

○○

○

مرے سامنے سے گزر گئے، مجھے سبز باغ دکھا گئے
''وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے''

مجھے اک جھلک وہ دکھا گئے، مرے ذہن و فکر پہ چھا گئے
نہیں بھول سکتا میں عمر بھر،مجھے دے کے ایسی دغا گئے

مری خوابگاہ میں آ کے وہ،مجھے خواب ایسا دکھا گئے
میں تھا اُن کو دیکھ کے دم بخود،مجھے اُنگلیوں پہ نچا گئے

مرے سوزِ دل کو بڑھا گئے،مری زندگی سے وہ کیا گئے
مری شمعِ دل کو جلا کے پھر،اُسے ناگہاں وہ بجھا گئے

مجھے جس کا وہم و گماں نہ تھا ،مجھے دے کے ایسی سزا گئے
جو متاعِ دل اُنھیں سونپ دی،تو نظر سے اپنی گرا گئے

مری سادہ لوحی تھی جو مجھے،وہ شکار اپنا بنا گئے
اُنھیں ڈھونڈنے میں جہاں گیا،وہیں جال اپنا بچھا گئے

میں ہوں برقیؔ ایسا ستم زدہ،جسے جیتے جی وہ اُٹھا گئے
مجھے یاد تھے مجھے یاد ہیں،جو نقوش دل سے مٹا گئے

○○

○

پیغامِ محبت کی صدا بن کے رہیں
سرچشمۂ آئینِ وفا بن کے رہیں

آئے ہیں اگر خانۂ دل میں تو یہاں
اس شمعِ شبستاں کی ضیا بن کے رہیں

کردار ہے جو اپنا ادا اُس کو کریں
پاکیزگیٔ شرم و حیا بن کے رہیں

ہو آپ کا گلزارِ تمنا سرسبز
گلزارِ محبت کی فضا بن کے رہیں

اقصائے جہاں جس سے معطر ہو جائے
گلشن میں رہیں بادِ صبا بن کے رہیں

ہو حسنِ عمل آپ کا منظورِ نظر
ہر شخص کے ہونٹوں پہ دعا بن کے رہیں

سننے کے لئے جس کو سبھی ہیں مشتاق
سازِ دلِ برقیؔ کی نوا بن کے رہیں

○○

○

بات اب سب کی زباں پر نگہِ یار کی ہے
غمزہ و ناز و ادا شوخیٔ گفتار کی ہے

دیکھنے والوں کا ہے چاروں طرف ایک ہجوم
قابلِ دید فضا رونقِ بازار کی ہے

خوبروئی میں نہیں اُس کا کوئی بھی ہمسر
بات اب حُسنِ دل آرام کی بیکار کی ہے

جب سے دیکھا ہے اُسے بھول گیا ہوں خود کو
آزمائش مری اب قوتِ اظہار کی ہے

ہے نظر شافعِ محشر کی طرف سب کی وہاں
''دھوم ہی دھوم فقط حشر میں دیدار کی ہے''

اب کوئی پُرسشِ احوال کو کیوں آئے گا
آج کل اوج پہ قسمت مرے اغیار کی ہے

سابقہ جس سے پڑا مصلحت اندیش تھے سب
آج برقیؔ کو ضرورت کسی غمخوار کی ہے

○○

○

گزرے نہ وہ کسی پہ جو مجھ پر گزر گیا
شیرازۂ حیات اچانک بکھر گیا

سوہانِ روح میرے لئے تھا یہ سانحہ
دے کر پیامِ دربدری نامہ بر گیا

میرا خیالِ خام تھا وہ یا کچھ اور تھا
ہمزاد ساتھ ساتھ رہا میں جدھر گیا

دل تھا مزارِ حسرت و ارماں مرے لئے
میرا نہالِ آرزو بے موت مر گیا

فضلِ خدا سے وار سبھی بے اثر رہے
تیرِ قضا قریب سے ہوکر گزر گیا

مفلوج ہوکے رہ گیا تخلیق کا عمل
سر سے خمارِ شاعری میرے اُتر گیا

برقیؔ کی آپ بیتی ہے پیشِ نظر غزل
سیلابِ ابتلا تھا جو سر سے گزر گیا

○○

میرے اظہارِ تمنا کی خبر ہے کہ نہیں
نخلِ اُمید میں اب کوئی ثمر ہے کہ نہیں

کب تک آخر میں سہوں صدمۂ دردِ دوری
میری قسمت میں وہ منظورِ نظر ہے کہ نہیں

تیرہ و تار ہے کب سے یہ شبستانِ حیات
کچھ تو بولو ابھی امکانِ سحر ہے کہ نہیں

کون ہوں ،کیا ہوں ،کہاں ہوں نہیں کچھ اس کی خبر
میرے پہلو میں جو رہتا تھا وہ سر ہے کہ نہیں

ایک مدت سے نہیں اُس سے کوئی گفت و شنید
جذبۂ شوق اِدھر جو ہے اُدھر ہے کہ نہیں

جس کی نظروں میں کھٹکتا ہے سدا میرا وجود
آج وہ خانہ برانداز اِدھر ہے کہ نہیں

ہوگی آخر اثر انداز یہ برقیؔ کب تک
’’میری آہوں سے جہاں زیرو زَبَر ہے کہ نہیں‘‘

○○

بہارِ گلشنِ ہستی، نقوشِ جاوداں ہوجا
تو حُسنِ خُلق سے سب کے دلوں پر حُکمراں ہوجا

بھروسہ رکھ ہمیشہ قوتِ بازو پہ تو اپنے
میں تیرے ساتھ ہوں چل،اور میرِ کارواں ہوجا

تری شیرینیٔ گُفتار اور کردار کی خوشبو
بکھر جائے گی عالم میں ،چمن میں گُلفشاں ہوجا

بقولِ خُسروؔ آ، ہوجائیں ہم یک جان و دوقالب
میں تیرا ہم زباں ہوں تو بھی میرا ہم زباں ہوجا

نشاطِ روح ہے میری بہارِ بے خزاں اِس کی
ضرورت ہے تری آ،اِس چمن کا باغباں ہوجا

اگر اُردو سے تجھ کو عشق ہے ’’اُردو جہاں‘‘ پر آ
شریکِ بزم ہوکر اِس کی تو روحِ رواں ہوجا

شعورِ معرفت مضمر ہے برقیؔ خودشناسی میں
’’خودی کا رازداں ہوجا، خدا کا ترَجماں ہوجا‘‘

○○

○

بہارِ جاں فزا آنا خزاں کا دور ہو جانا
ہے فالِ نیک عرضِ مدعا منظور ہو جانا

بسی ہے اُس کی تصویرِ تصور میری آنکھوں میں
غم و رنج و اَلم دل سے مرے کافور ہوجانا

مرا دل جانتا ہے کس قدر یہ روح فرسا تھا
ترے تیرِ نظر کے زخم کا ناسور ہو جانا

قضا و قدر پر ہے مُنحصر شیرازۂ ہستی
کبھی مختار ہو جانا کبھی مجبور ہوجانا

تجاوز اپنی حد سے مت کرو پچھتاؤ گے ورنہ
نہیں دیتا ہے تم کو زیب یہ مغرور ہوجانا

عروجِ ابنِ آدم پیش خیمہ ہے تباہی کا
مضر ہے اس کا طاقت کے نشے میں چور ہوجانا

یہی ہے حدِ فاصل عابد و معبود میں برقیؔ
''خُدا کا قُرب کیا شے ہے خودی سے دور ہوجانا''

○○

○

جنونِ انتہائے شوق میں وہ کام ہو جائے
کہیں ایسا نہ ہو یہ راز طشت از بام ہو جائے

ہر اِک ظلم و ستم سہہ کر کبھی اُف تک نہیں کرتا
مجھ اِس بات کا ڈر ہے نہ وہ بدنام ہو جائے

چلو مل کر منائیں ساتھ جشنِ کامرانی ہم
''تمہارے نام کی اِک خوبصورت شام ہو جائے''

کہاں پھرتے ہو لے کر ساتھ چلتا پھرتا میخانہ
اِدھر دیکھو نگاہِ ناز سے اِک جام ہوجائے

اسی سے عظمتِ رفتہ کا ہے میری بھرم قایم
نہ یہ اَسلاف کی میراث بھی نیلام ہو جائے

مٹانا چاہتے ہیں صفحۂ ہستی سے وہ ہم کو
کہیں اب جان کا دشمن نہ یہ الزام ہوجائے

سُنا ہے بد ہے اچھا اور بُرا بدنام ہوتا ہے
کہیں ثابت نہ یہ برقیؔ خیالِ خام ہوجائے

○○

○

ہم نشین و ہم خیال و ہم زباں ہو جائے گی
آج جو نامہرباں ہے مہرباں ہو جائے گی

ہونے دے تجھ سے گُریزاں ہو رہی ہے وہ اگر
ایک دن تیری وہی روحِ رواں ہو جائے گی

رفتہ رفتہ ہوں گے یہ حالات تیرے سازگار
یہ خزاں اک دن بہارِ جاوداں ہو جائے گی

حوصلہ رکھ نذرِ طوفانِ حوادث ہے ابھی
پار تیری کشتیٔ عمرِ رواں ہو جائے گی

جلد ہوگا تجھ کو حاصل میزبانی کا شرف
خانۂ دل میں وہ تیرے میہماں ہو جائے گی

آج جو بزمِ سخن میں تیرہ و تاریک ہے
کل سپہرِ فکر و فن پر کہکشاں ہو جائے گی

پوچھتا کوئی نہیں بزمِ سخن میں آج اسے
شاعری برقیؔ کی زیبِ داستاں ہو جائے گی

○○

○

جیسے میں تنہا ہوں ویسے وہ بھی تنہا ہو نہ ہو
سوچتا ہوں میں جو اس نے بھی وہ سوچا ہو نہ ہو

مجھ کو ایسا ہے گُماں در اصل ایسا ہو نہ ہو
جاگتے گزری مری شب، وہ بھی سویا ہو نہ ہو

آتے ہیں ہر سو نظر گندم نما کچھ جو فروش
آنکھ پر میری طرح اُس کی بھی پردا ہو نہ ہو

ہوتا ہے اکثر گذر میرا دیارِ شوق سے
دیکھتا ہوں میں اُسے اُس نے بھی دیکھا ہو نہ ہو

میرے دل پر جو گذرتی ہے مجھے معلوم ہے
حالِ دل میری طرح اُس کا بھی اچھا ہو نہ ہو

اُس کی خوئے بے نیازی سے یہ آتا ہے خیال
کچھ نہیں اُس کی خبر مجھ سے وہ روٹھا ہو نہ ہو

آج کل ہوں حاسدوں کی زد میں برقیؔ اس لئے
میں سرِ بازار رسوا ہوں وہ رسوا ہو نہ ہو

○○

○

آپ میرے ہمنوا میں آپ کا ہمراز ہوں
آپ کی مضرابِ خوش آہنگ کا میں ساز ہوں

بندہ پرور آپ کی ٹوٹے کی کب مُہرِ سکوت
کچھ سُنائیں تو سہی میں گوش بر آواز ہوں

مُنحصر ہے آپ پر یہ عشرتِ خواب و خیال
آپ کے مُرغِ تخیّل کا پرِ پَرواز ہوں

آپ رہتے ہیں سدا جس کی رگِ جاں کے قریب
میں وہی حلقہ بگوشِ غمزۂ غمّاز ہوں

آپ کی قُربت نشاطِ روح ہے میرے لئے
آپ ہیں انجام جس کا میں وہی آغاز ہوں

آپ ہیں میرے لئے آئینۂ عکسِ جمال
آپ جس سے دیکھتے ہیں وہ نگاہِ ناز ہوں

ڈاکٹر احمد علی برقیؔ مُجھے کہتے ہیں سب
آپ گُل، میں عندلیبِ گلشنِ شیراز ہوں

○○

○

قحط الرجال ایسا ہے اب کس کو ہوش ہے
پہلے تھا جیسے اب وہ کہاں آج جوش ہے

سرسیدؔ اور حالیؔ و شبلیؔ نہیں رہے
اوجِ کمال پر ہے جو ملت فروش ہے

بارِ سماعت آج ہے اُن کو سخن مرا
تارِ نَفَس یہ سوچ کے میرا خموش ہے

آماجگاہِ غرب ہے برقیؔ دیارِ شرق
جو محوِ خواب ہیں انھیں کب اس کا ہوش ہے

کابل گیا، عراق گیا، لیبیا گیا
اب آج اُن کا دیدنی جوش و خروش ہے

غالبؔ نے شاید اس لئے پہلے ہی کہہ دیا
''اک شمع رہ گئی ہے، سو وہ بھی خموش ہے''

ایک ایک کرکے سب کو بنائیں گے وہ شکار
برقیؔ غزل یہ میری نوائے سروش ہے

○○

○

دلدار نے یہ دل کا سودا نہ کیا ہوتا
اِس طرح مجھے اُس نے دھوکا نہ دیا ہوتا

وہ اپنے حریفوں میں شامل نہ مجھے کرتا
نام اُس نے سرِ محفل میرا نہ لیا ہوتا

جو زخم دیئے اُس نے مشکل سے بھریں گے وہ
وہ میرے رقیبوں سے چھپ کر نہ ملا ہوتا

پوری جو ہوئی ہوتی یہ حسرتِ دل میری
بے موت نہیں مرتا، کچھ اور جیا ہوتا

دل جوئی ہی کرلیتا، کرتا نہ دل آزاری
''یارب غمِ ہجراں میں اتنا تو کیا ہوتا''

گر میری وفاؤں کا وہ مجھ کو صلہ دیتا
جو حال ہے اب میرا ایسا نہ ہوا ہوتا

مشکل تھا اگر آنا برقیؔ کو بلا لیتا
یہ خونِ تمنا تو اُس نے نہ کیا ہوتا

○○

○

یہ تیرِ نظر اُس کا ہرگز نہ خطا ہوتا
وہ مُجھ سے ملا ہوتا میں اُس سے ملا ہوتا

کچھ اپنی سناتا میں کچھ میری بھی وہ سنتا
ہوتا نہ اُسے شکوہ مجھ کو نہ گِلا ہوتا

اس وعدہ خلافی سے ہے سخت مجھے نفرت
گر اُس کو نہ آنا تھا وعدہ نہ کیا ہوتا

میں نے ہی تراشا ہے ہیرے کی طرح اُس کو
پتھر کی طرح ورنہ راہوں میں پڑا ہوتا

کیا میں نے بگاڑا تھا کیوں اُس نے کیا ایسا
اے کاش مجھے اُس نے دھوکا نہ دیا ہوتا

بجلی نہ گراتا وہ گر اپنی نگاہوں سے
یہ خانۂ دل ہرگز میرا نہ جلا ہوتا

ہرحال میں اے برقیؔ راضی بہ رضا ہوں میں
اُس کا نہ بُرا ہوتا، میرا نہ بھلا ہوتا

○○

○

نہ تو ملتا ہے وہ مجھ سے نہ جُدا ہوتا ہے
کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا ہوتا ہے

ہو گئی ہے مری تدبیر پہ حاوی تقدیر
''وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے''

دل کی کردیتا ہے دُنیا وہ مرے زیر و زَبَر
روز کوئی نہ کوئی حشر بپا ہوتا ہے

دیکھتے دیکھتے ہوجاتا ہے روپوش کبھی
ناگہاں پیشِ نظر جلوہ نما ہوتا ہے

دیکھتا رہتا ہوں میں ساکت و صامِت اس کو
جب کبھی شوئیٔ قسمت سے خفا ہوتا ہے

کس قدر ریشہ دوانی میں ہے ماہر مت پوچھ
جو بھی الزام ہے بے جُرم و خطا ہوتا ہے

جب نہیں دیتا درِ دل پہ وہ دستک برقیؔ
کیا بتاؤں میں تمھیں ایسے میں کیا ہوتا ہے

○○

○

اُس پری پیکر سے جب میری شناسائی ہوئی
بعد ازآں میرے لئے دشوار تنہائی ہوئی

اُس کا رعبِ حسن تھا غارتگرِ ہوش و خرد
دیکھتے ہی سلب اُس کو تابِ گویائی ہوئی

اُس کا آنا زندگی میں تھا مری اک فالِ نیک
کِھل اُٹھی دل کی کلی وہ جو تھی مُرجھائی ہوئی

شامتِ اعمال میری مُجھ کو لے آئی وہاں
''ہائے کیسی اس بھری محفل میں رسوائی ہوئی''

زالِ دُنیا نے دیا ہرگام پر مجھ کو فریب
جس کو میں اپنا سمجھتا تھا وہ ہرجائی ہوئی

اُن میں آپس میں نہ جانے کیا ہوئی گفت وشنید
میں نے دیکھا اُس کی تھی آواز بھرّائی ہوئی

میرا منظورِ نظر مُجھ سے رہا ناآشنا
بے نتیجہ میری برقیؔ خامہ فرسائی ہوئی

○○

○

عہدِ حاضر میں ہے ہر شخص پریشاں جاناں
نہیں انسان سے بڑھ کر کوئی حیواں جاناں

جس طرف دیکھو اُدھر دوست نُما دشمن ہیں
آ گیا دام میں جن کے دلِ ناداں داناں

غمِ دوراں سے ہو فرصت تو میں سوچوں کچھ اور
روح فَرسا ہے مری تنگیِٔ داماں جاناں

میری غزلوں میں ہے جو سوزِ دُروں آج نہاں
میری رودادِ محبت کا ہے عُنواں جاناں

مجھ پہ جو گزری ہے اب تک نہ کسی پر گزرے
آئینہ دیکھ کے اب مجھ کو ہے حیراں جاناں

آپ بیتی ہیں مری میری غزل کے اشعار
سن کے سب لوگ ہیں انگشت بدنداں جاناں

ذہن ماؤف ہے برقیؔ کا غمِ دوراں سے
''دل پکارے ہی چلے جاتا ہے جاناں جاناں''

○○

○

تھا مرا خانۂ دل بے سر و ساماں جاناں
اِس میں وحشت کے تھے آثار نمایاں جاناں

تو ہی افسانۂ ہستی کا ہے عنواں جاناں
سازِ دل دیکھ کے تجھ کو ہے غزلخواں جاناں

کیا ہوا کچھ تو بتا کیوں ہے پریشاں جاناں
آئینہ دیکھ کے کیوں آج ہے حیراں جاناں

شکریہ یاد دہانی کا میں ہوں چشم براہ
یاد ہے وعدۂ فردا ترا ہاں ہاں جاناں

تجھ سے پہلے تھا یہاں صرف خزاں کا منظر
تیرے آنے سے ہے اب فصلِ بہاراں جاناں

بال بانکا نہیں کرسکتا ترا کوئی کبھی
میں ترے ساتھ ہوں تو مت ہو ہراساں جاناں

مُرتعش پہلے تھا برقیؔ یہ مرا تارِ وجود
جانے کیوں آج پھڑکتی ہے رگِ جاں جاناں

○○

○

ہیں یہ افکارِ پریشاں مظہرِ سوزِ دروں
گردشِ حالات پر میں تبصرہ کیسے کروں

لوحِ دل پر مُرتسم ہیں یہ جو یادوں کے نقوش
سوچتا ہوں کیا لکھوں کیسے لکھوں اور کیوں لکھوں

یادِ ماضی فکرِ امروز اور فردا کا ہجوم
دیکھئے کیا کیا دکھاتا ہے مجھے جوشِ جنوں

بحرِ امواجِ حوادث میں سفینہ ہے مرا
جس طرف بھی دیکھتا ہوں سامنے ہے موجِ خوں

ساکت و صامت قلم ہے گُنگ ہے میری زباں
ساتھ دیتے ہی نہیں الفاظ میرا کیا کہوں

آج کل ہے نا مساعد گردشِ لیل و نہار
ہو گیا ہے قصۂ پارینہ اب ذہنی سکوں

پہلے میں بھی تھا اُنہیں کی طرح برقؔی سربلند
گردشِ حالات نے اب کردیا ہے سرنگوں

○○

○

فیض سے عاری ہیں جو فیضان کہلاتے ہیں لوگ
جو ہیں دانا آج کل نادان کہلاتے ہیں لوگ

ایسے بھی دیکھے ہیں میں نے صاحبِ علم و ہُنر
نام رکھتے ہیں مگر انجان کہلاتے ہیں لوگ

جن میں کوئی بھی نہیں ہے آدمیت کا نشاں
''جانے کس بُنیاد پر انسان کہلاتے ہیں لوگ''

نوعِ انسان کے لئے جو باعثِ آزار ہیں
شیطنت سے اپنی وہ شیطان کہلاتے ہیں لوگ

چاردن کی چاندنی ہے گرچہ خود ان کا وجود
جانے پھر کس زعم میں بھگوان کہلاتے ہیں لوگ

صفحۂ ہستی پہ ہیں جو ایک نقشِ داغدار
اب کتابِ زیست کا عنوان کہلاتے ہیں لوگ

جان سے بڑھ کر نہیں ہے بے وفا برقؔی کوئی
جانے کیوں ایسے میں پھر بھی جان کہلاتے ہیں لوگ

○○

○

جو ہیں اہل ظرف اُن کو کم نظر کہنے لگے
اب زمانہ ساز کو بھی دیدہ ور کہنے لگے

فکر و فن پر جن کو حاصل ہے مکمل دسترس
اُن کو اربابِ نظر نا معتبر کہنے لگے

آج کل بزمِ سُخن میں ہے اسے حاصل عروج
جو بھی مترنم ہے اب اس کو جگرؔ کہنے لگے

ہیں جو منظورِ نظر اربابِ حل و عقد کے
اُن کو نخلِ علم و دانش کا ثمر کہنے لگے

پوچھتا کوئی نہیں اہلِ نظر کو آج کل
سنگِ خارا کو بھی اب لعل و گُہر کہنے لگے

تھا جو رسوائے زمانہ روسیاہی کے لئے
لوگ اُس کو آج کل رشکِ قمر کہنے لگے

شہرِ دہلی میں ہے برقیؔ شاعرِ گوشہ نشیں
اُس کے ہمسائے کو سب اہلِ نظر کہنے لگے

○○

○

رنج و غم کتنے سہوں
کیا کروں کیا نہ کروں

اپنا یہ حالِ زبوں
کس سے میں جا کے کہوں

کتنا ہے ہوش رُبا
اُس کی آنکھوں کا فسوں

کھیل ہے اُس کے لئے
میرے ارمانوں کا خوں

سر پہ ہے بارِ گراں
میرا یہ جوشِ جنوں

مار ڈالے گا مجھے
میرا یہ سوزِ دروں

تو ہی برقیؔ یہ بتا
بن ترے کیسے رہوں

○○

آج کل کیسے ہیں حالات کہوں یا نہ کہوں
اپنی بیتابیِ جذبات کہوں یا نہ کہوں

ہیں تذبذُب میں خیالات کہوں یا نہ کہوں
وہ سنے گا بھی مری بات کہوں یا نہ کہوں

کیا ہے تنہائی کا احساس اُسے کیا معلوم
ایسے میں شوقِ ملاقات کہوں یا نہ کہوں

زندگی ایسی ہے اِک بارِ گراں ہو جیسے
ساتھ دیتے نہیں حالات کہوں یا نہ کہوں

میں کروں بھی تو کروں عرضِ تمنا کیسے
کب ہٹیں گے یہ حجابات کہوں یا نہ کہوں

اُس کی فطرت ہے نکالے گا وہ پھر بال کی کھال
ہے ہر اک بات میں اک بات کہوں یا نہ کہوں

بھولتا ہی نہیں یادوں کا تسلسل برقؔی
آتی ہے جب کبھی برسات کہوں یا نہ کہوں

کیوں روٹھی ہے مُجھ سے مری قسمت کئی دن سے
ناساز ہے اب میری طبیعت کئی دن سے

وہ پُرسشِ احوال کو کب آئے گا آخر
دل میں ہے مرے بس یہی حسرت کئی دن سے

پہلے تو وہ ایسا نہ تھا کیا ہو گیا اُس کو
ہے باعثِ تشویش یہ غفلت کئی دن سے

تصویرِ تصور بھی نہیں اُس کی یہاں پر
دل ہے مرا آئینۂ حیرت کئی دن سے

میٹھا ہے بہت صبر کا پھل صبر کرو تم
کرتا ہے مجھے وہ یہ نصیحت کئی دن سے

سب کہتے ہیں حسرتؔ کو شہنشاہِ تغزل
اب میں بھی ہوں گرویدۂ حسرتؔ کئی دن سے

تھا خواب کی برقؔی کے جو تعبیر ہمیشہ
اُس کی نظر آتی نہیں صورت کئی دن سے

○

سنتا نہیں وہ حرفِ شکایت کئی دن سے
ناساز ہے یوں ہی مری حالت کئی دن سے

معلوم نہیں کیوں مری یہ عرضِ تمنا
ہے اُس کے لئے بارِ سماعت کئی دن سے

ہے پیشِ نظر میرے مری شامتِ اعمال
اب اُس کو نہیں ہے مری چاہت کئی دن سے

جاؤں تو کہاں جاؤں مرا ذہن ہے ماؤف
آرام مُیسر ہے نہ راحت کئی دن سے

کچھ پاس نہیں ہے اُسے کردار کا اپنے
کرتا ہے روایت سے بغاوت کئی دن سے

پہلے جو رفاقت تھی وہ اب ہو گئی کافور
پیش آتا ہے ازروئے عداوت کئی دن سے

ہر وقت وہ رہتا ہے مرے درپئے آزار
برقؔ ہے یہی میری حکایت کئی دن سے

○○

○

میں اُنھیں اپنا بناؤں تو بناؤں کیسے
وہ تو روٹھے ہیں مناؤں تو مناؤں کیسے

حالِ دل اپنا سناؤں تو سناؤں کیسے
زخمِ دل اپنا دکھاؤں تو دکھاؤں کیسے

مجھ سے شرمندہ ہیں وہ میں ہوں پشیماں اُن سے
اُن سے ملنے میں اگر جاؤں تو جاؤں کیسے

روح فرسا ہے جُدائی کا تصور اُن کی
یادِ ماضی میں بھلاؤں تو بھلاؤں کیسے

میرا سرمایہ ہے دیرینہ رفاقت اُن کی
اُسے غیروں پہ لُٹاؤں تو لُٹاؤں کیسے

میں اکیلے ہی سُبکدوش نہیں ہو سکتا
بارِ غم اُن کا اُٹھاؤں تو اُٹھاؤں کیسے

لوحِ دل پر جو مری نقش ہیں یادوں کے نقوش
اُن کو برقؔ میں مٹاؤں تو مٹاؤں کیسے

○○

○

تو کیوں ہے خوابِ غفلت میں تجھے ہوش آئے گا کیسے
تو یہ کھویا ہو اعزاز اپنا پائے گا کیسے

ہے قول و فعل سے واقف جو تیرے ایک مدت سے
فریبِ وعدۂ فردا وہ تیرا کھائے گا کیسے

یہ بچے آج کل بالغ نظر ہیں وقت سے پہلے
"تو مٹی کے کھلونوں سے اُنہیں بہلائے گا کیسے"

ملے گا کیا تجھے تاراج کر کے اپنا یہ مسکن
گِرا کر قصرِ دل میرا بتا بنوائے گا کیسے

مجھے اُلجھا کے تو نے رکھ دیا ہے کس جھمیلے میں
جو سلجھانا پڑا تجھ کو تو پھر سلجھائے گا کیسے

کہیں کا بھی نہ چھوڑا جس کو تو نے یہ بتا آخر
دکھا کر اُس کو یہ خوابِ حسیں بہلائے گا کیسے

نہیں ہے تجھ کو اِذنِ باریابی جب وہاں برقیؔ
تو اُس کی انجمن میں بِن بُلائے جائے گا کیسے

○○

○

عجب دورِ زمانہ ہے کرے کوئی بھرے کوئی
یہ کیسا تازیانہ ہے کرے کوئی بھرے کوئی

ہمیشہ رہتا ہے جو برق و بادِ تُند کی زد پر
وہ میرا آشیانہ ہے کرے کوئی بھرے کوئی

یہاں مجھ کو سزا ملتی ہے ناکردہ گناہی کی
یہی میرا ٹھکانہ ہے کرے کوئی بھرے کوئی

میں ہوں جس کی بدولت آج اِس قعرِ مُزلت میں
یہی وہ آب و دانہ ہے کرے کوئی بھرے کوئی

پتنگوں کو جلا کر شمعِ محفل رو رہی ہے جو
دکھاوا ہے بہانہ ہے کرے کوئی بھرے کوئی

بہت منہگا پڑا اُن کا مجھے اظہارِ ہمدردی
اُنہیں کا شاخسانہ ہے کرے کوئی بھرے کوئی

گزرتا ہوں میں جن حالات سے احمد علی برقیؔ
یہی میرا فسانہ ہے کرے کوئی بھرے کوئی

○○

○

فضا کو اور بھی پھولوں سے مُشکبار کرے
''کہو صبا سے بہاروں کا کاروبار کرے''

مزاجِ اہلِ گلستاں ہے آج کل ناساز
فضائے صحنِ چمن آ کے سازگار کرے

نہیں ہے صبر و تحمل کسی میں اب اتنا
کہ اُس کے وعدۂ فردا کا انتظار کرے

مجھے بنانا ہدف ہے تو سامنے آئے
یہ کہہ دو اُس سے مری پُشت پر نہ وار کرے

میں بے گناہی کا اپنی ثبوت کیسے دوں
کوئی نہ جب مری باتوں کا اعتبار کرے

نظر ملا نہ سکا کوئی اُس نے جب یہ کہا
گناہگار نہ ہو جو وہ سنگسار کرے

جسے عزیز ہے برقیؔ خرامِ ناز اُس کا
متاعِ شوق وہ اُس پر نہ کیوں نثار کرے

○○

○

دُزدیدہ نگاہوں سے اُن کا چُھپ چُھپ کے نظارا کرتے ہیں
وہ ہم کو اشارہ کرتے ہیں ہم اُن کو اشارا کرتے ہیں

ہم جوشِ جنوں میں بھول گئے یہ پہلے کیا تھے آج ہیں کیا
وہ کرتے ہیں جو بھی ظُلم و ستم ہنس ہنس کے گوارا کرتے ہیں

سوچا تھا ملیں گے نہ پھر اُن سے دل اپنا نہیں اپنے بس میں
وہ وعدہ شکن ہیں جان کے بھی یہ کام دوبارہ کرتے ہیں

جب سامنے ہوتے ہیں اپنے وہ مُہر بلب ہوتے ہیں سدا
غیروں کی وہ محفل میں لیکن اب ذکر ہمارا کرتے ہیں

اظہارِ تمنا کرتے ہی ہو جاتے ہیں وہ چیں بہ جبیں
اور سامنے رکھ کر آئینہ بس زلف سنوارا کرتے ہیں

ہے بارِ سماعت دونوں کو جیسی کرنی ویسی بھرنی
وہ ہم کو پکارا کرتے ہیں ہم اُن کو پکارا کرتے ہیں

کی بارِ گراں کی شکایت جب برقیؔ نے جواب ملا اُس کو
''جب کشتی ڈوبنے لگتی ہے تب بوجھ اُتارا کرتے ہیں''

○○

○

نگاہِ شوق ترا انتظار کرتی ہے
''مری نظر ترے پردے سے پیار کرتی ہے''

تری اداؤں پہ وہ جاں نثار کرتی ہے
دلِ حزیں پہ جو چُھپ چُھپ کے وار کرتی ہے

یہ جانتے ہوئے وعدہ شکن ہے تو لیکن
نہ جانے کیوں وہ ترا اعتبار کرتی ہے

دکھا کے ایک جھلک ہو گیا کہاں روپوش
سوال تجھ سے یہی بار بار کرتی ہے

شبِ فراق میں دے کر پیامِ صُبحِ اُمید
ستم یہ مُجھ پہ نسیمِ بہار کرتی ہے

کبھی وفا نہ ہوا اُس کا وعدۂ فردا
ہزار بار یہ قول و قرار کرتی ہے

سرِ نیاز نہ خم کرسکے گی برقیؔ کا
طوافِ گردشِ لیل و نہار کرتی ہے

○○

○

بہت سیر کی عالمِ رنگ و بو کی
نہ پایا اُنہیں گو بہت جستجو کی

ہے ساقی کی جن پر نگاہِ عنایت
ضرورت اُنہیں کیا ہے جام و سبو کی

دریدہ ہیں اِس درجہ جیب و گریباں
نہ باقی رہی کوئی حاجت رفو کی

خزاں دیدہ کب تک یونہی یہ رہے گا
ضرورت ہے گلشن کو رُشد و نمو کی

یہ سُرخی تمہیں جو نظر آرہی ہے
کبھی رنگ لائے گی میرے لہو کی

وہ ہوتا ہے جب لب کُشا کچھ نہ پوچھو
ہے کیا بات شیرینیٔ گفتگو کی

کیا اُس نے برقیؔ کی خود چارہ جوئی
دعا بیٹھ کر اس نے جب قبلہ رو کی

○○

○

اب تک نہیں کچھ سوچا ہے سوچیں گے کسی دن
تم آؤ تو پھر ساتھ میں بیٹھیں گے کسی دن

ہم اپنی سنائیں گے تمھاری بھی سنیں گے
کیا صورتِ حالات ہے دیکھیں گے کسی دن

تم روٹھے ہو کس بات پہ اب مان بھی جاؤ
پھر اور کسی بات پہ روٹھیں گے کسی دن

ہم ساتھ تھے ہم ساتھ ہیں اور ساتھ رہیں گے
کیا اُس میں ہے دم خم اُسے دیکھیں گے کسی دن

ہم لقمۂ تر ہیں کہ وہ کھا جائے گا ہم کو
کیا سمجھا ہے اُس نے ہمیں سمجھیں گے کسی دن

اِس شہرِ پُرآشوب کی تصویرِ حقیقی
آئینۂ ایّام میں دیکھیں گے کسی دن

اشعار کے پیکر میں اسے ڈھال کے برقیؔ
گذری ہے جو کچھ ہم پہ وہ لکھیں گے کسی دن

○○

○

تھا جو منظورِ نظر میرا بہاروں کی طرح
چبھ رہا ہے وہ مرے قلب میں خاروں کی طرح

در حقیقت وہ مرادوست نما دشمن تھا
مجھ سے اکثر جو ملا کرتا تھا یاروں کی طرح

پہلے مسمار کیا خانۂ دل پھر اُس نے
خاک اُڑائی ہے سرِ راہ غباروں کی طرح

وار اس طرح کیا تیغِ زباں سے اُس نے
ایک ہی ضرب لگی اس کی ہزاروں کی طرح

اس کے انداز سے ظاہر ہیں جنوں کے آثار
خاک اُڑاتا ہے وہ اب عشق کے ماروں کی طرح

کتنی ویرانی ہے اب اس میں نہ پوچھو مجھ سے
میرا کاشانۂ دل اب ہے مزاروں کی طرح

وہ رلاتا ہے مجھے خون کے آنسو برقیؔ
''اشک پلکوں پہ چمکتے ہیں ستاروں کی طرح''

○○

O

سہہ لوں گا ترا تیرِ نظر وار کئے جا
بس شرط یہی ہے کہ مجھے پیار کئے جا

آ آ کے بصد ناز و ادا خانۂ دل میں
سوئے ہوئے جذبات کو بیدار کئے جا

آباد تجھی سے ہے یہ کاشانۂ ہستی
ہے مجھ سے محبت تجھے اقرار کئے جا

اچھے نہیں لگتے ہیں مجھے اُن کے ارادے
اغیار اگر پوچھیں تو انکار کئے جا

اِس طرزِ تغافل کا سبب کوئی تو ہوگا
کیا مجھ سے شکایت ہے یہ اظہار کئے جا

حالات مساعد نہیں رہتے ہیں ہمیشہ
ہموار نہیں راہ تو ہموار کئے جا

ہے مصلحت اندیشی کا برقیؔ یہ تقاضا
دُزدیدہ نگاہی سہی دیدار کئے جا

OO

O

سناؤں کیسے میں حالِ زبوں زمانے کو
''رہا نہ لب پہ کوئی ماجرا سنانے کو''

ہمیشہ کرتا تھا جو دوسروں کی چارہ گری
ترَس رہاہے وہی آج آب و دانے کو

کیا ہے جس نے مجھے دربدر وطن سے مرے
وہ کہہ رہا ہے نیا آشیاں بنانے کو

سمجھ رہا ہوں بخوبی میں اُس کی عیاری
ہے اُس کا وعدۂ فردا مجھے لُبھانے کو

وہ زود رنج بہت جلد روٹھ جاتا ہے
دوبارہ کیسے میں جاؤں اُسے منانے کو

میں مثلِ خار کھٹکتا ہوں جس کی آنکھوں میں
پیام بھیجا ہے اُس نے مجھے بُلانے کو

جلا کے شمع پتنگوں کو سب کو اے برقیؔ
بہا رہی ہے اب آنسو فقط دکھانے کو

OO

کیا کہا میں نے سنا؟ اُس نے کہا کچھ بھی نہیں
میں نے پوچھا بارہا اُس نے کہا کچھ بھی نہیں

روٹھ جاتا ہے ذرا سی بات پر وہ زود رنج
میں نے پوچھا کیا ہوا اُس نے کہا کچھ بھی نہیں

لے لیا جب جائزہ سب اُس نے گرد و پیش کا
میں نے پوچھا کیا ملا اُس نے کہا کچھ بھی نہیں

کچھ بتاؤ تو سہی کیا ہے ''گلوبل وارمنگ''
کیوں ہے یہ محشر بپا اُس نے کہا کچھ بھی نہیں

کررہا تھا اپنے عدل و داد کا وہ تذکرہ
فیصلے کا کیا ہوا؟ اُس نے کہا کچھ بھی نہیں

دے رہا تھا درس مُجھ کو نازبرداری کا وہ
اِس کا کیا ہوگا صِلا؟ اُس نے کہا کچھ بھی نہیں

○○

''وہی میں ہوں اور وہی انجمن مگرآج ہے مرا حال کیا''
تو نظر بچا کے کہاں چلا نہیں تجھ کو میرا خیال کیا

اُسے دیکھ کر ہوں میں دم بخود مجھے قُرب جس کا نصیب ہے
کسی اور میں ہے تو ہی بتا کہیں ایسا حُسن و جمال کیا

ترے پاس عقلِ سلیم ہے جو سمجھ سکے تو سمجھ لے خود
مرا حال ہے ترے سامنے کروں تجھ سے اور سوال کیا

میں ہوں رزمگاہِ حیات میں جسے دیکھو میرا حریف ہے
سبھی آج رو بہ زوال ہے مری جان کیا مرا مال کیا

نہیں فرق کچھ مرے حال میں، میں جہاں تھا کل وہیں آج ہوں
مجھے اس کی کچھ بھی نہیں خبر کہ عروج کیا ہے زوال کیا

کہیں رنگِ میؔر کہیں جگؔر مرے فکر وفن سے ہے جلوہ گر
سبھی اُن کی کرتے ہیں پیروی ہے کسی میں ایسا کمال کیا

میں ہوں اُن کے فن پہ فریفتہ نہیں ایسا کوئی غزل سرا
وہ تھے برؔقی شاعرِ خوشنوا ہے جگر کی کوئی مثال کیا

○○

○

وہ اپنے طرزِ عمل کا حساب کیا دے گا
''سلام تک نہیں کرتا جواب کیا دے گا''

نہیں ہے اُس سے توقع کوئی مجھے ہرگز
جو خار دے نہیں سکتا گلاب کیا دے گا

زبانِ حال سے کہتا ہے آج یہ بھوپال
وہ کرکے اب مجھے خانہ خراب کیا دے گا

کتابِ زیست کے میری ہیں مُنتشر اوراق
جو بے نصاب ہے خود وہ نصاب کیا دے گا

بہت سے میں نے نشیب و فراز دیکھے ہیں
اگر وہ آ بھی گیا انقلاب کیا دے گا

حجابِ ظاہر و باطن ہے حُسن کا زیور
نہیں ہے پاسِ حیا تو نقاب کیا دے گا

جسے نہیں ہے خبر اپنے کل کی خود برقیؔ
وہ مُجھ کو اب مری تعبیرِ خواب کیا دے گا

○○

○

جو وعدہ کرکے نہ آئے تو اُس کو کیا کہئے
جو سبز باغ دکھائے تو اُس کو کیا کہئے

ابھی تو آیا تھا کہتا ہے جا رہا ہوں میں
دوبارہ جاکے نہ آئے تو اُس کو کیا کہئے

نظامِ زندگی کرکے جو درہم و برہم
خوشی کا جشن منائے تو اُس کو کیا کہئے

جو اپنے آگے کسی کی نہ کوئی بات سُنے
جو صرف اپنی سُنائے تو اُس کو کیا کہئے

کرائے اپنی ہمیشہ جو نازبرداری
نہ بارِ ناز اُٹھائے تو اُس کو کیا کہئے

جو دوسروں کی ہمیشہ کرے دل آزاری
بس اپنا حُکم چلائے تو اُس کو کیا کہئے

یہ جانتے ہوئے وعدہ شکن ہے جو، برقیؔ
فریبِ زندگی کھائے تو اُس کو کیا کہئے

○○

○

بزم میں نغمۂ جاں بخش سنانے لگ جائیں
جوہرِ حسنِ بیاں اپنا دکھانے لگ جائیں

ہے ارادہ یہ بیاں آج کروں سوزِ دروں
سن کے ایسا نہ ہو وہ اشک بہانے لگ جائیں

اِس سے پہلے کہ خزاں کے ہوں نمایاں آثار
باغِ ہستی میں نیا پھول کھلانے لگ جائیں

عزتِ نفس کا سودا نہ کروں گا ہرگز
کہیں ایسا نہ ہو وہ مجھ کو ستانے لگ جائیں

جان میں جان ہے جب تک رہیں سرگرمِ عمل
وہ گراتا ہے اگر آپ بنانے لگ جائیں

آپ کے ساتھ اگرکوئی کرے حُسنِ سلوک
آپ بھی حُسنِ عمل اُس سے نبھانے لگ جائیں

آج ہے جشن کا ماحول نہ کیوں اے برقیؔ
''ہم پرندوں کی طرح باغ میں گانے لگ جائیں''

○○

○

زلفِ مشکیں وہ مرے شانے پہ لہراتے رہے
آتشِ شوق کو رہ رہ کے وہ بھڑکاتے رہے

کبھی آباد کیا اور کبھی ویران کیا
خانۂ دل میں مرے آتے رہے ،جاتے رہے

بجلیاں دل پہ گراتا تھا تبسم ان کا
نگہہِ ناز جُھکائے ہوئے شرماتے رہے

بھول پانا اُنھیں ہرگز نہ تھا میرے بس میں
یاد جب آئے مسلسل مجھے یاد آتے رہے

کبھی شبنم تھے شبِ وصل کبھی وہ شعلہ
کبھی ناگن کی طرح طیش میں بل کھاتے رہے

وعدۂ حشر تھا یہ وعدۂ فردا اُن کا
دلِ شوریدہ کو بے وجہہ وہ تڑپاتے رہے

حال سیماب کی صورت رہا اُن کا برقیؔ
اُن کو ہم کھوتے رہے اور کبھی پاتے رہے

○○

○

جس کو وہ پڑھتا رہے گا عمر بھر لکھ جاؤں گا
خط میں اُس کے نام ایسا نامہ بر لکھ جاؤں گا

تونے دیکھا ہی نہیں ہے میرا اعجازِ قلم
جس کا اک اک لفظ ہو لعل و گُہر لکھ جاؤں گا

ایسا ہوگا میری اس تحریر میں سوز و گداز
موم ہو جائے گا پتھر کا جگر لکھ جاؤں گا

میری قدرو منزلت معلوم ہوگی میرے بعد
یاد میں میری رہے گا نوحہ گر لکھ جاؤں گا

جس کی گلزارِ محبت میں نہ ہو کوئی مثال
''بس اُسی تنہا شجر کو میں شجر لکھ جاؤں گا''

بزمِ کیفی اعظمی میں جب پڑھا جائے گا وہ
ہوں گے تب سب لوگ مجھ سے باخبر لکھ جاؤ گا

مصلحت اندیش میں احمد علی برقیؔ نہیں
دل میں جو آئے گا بے خوف و خطر لکھ جاؤں گا

○○

○

ہم اُن کو ڈھونڈتے ہیں یہ محضر لئے ہوئے
اندر لئے ہوئے کبھی باہر لئے ہوئے

تعبیرِ خواب کے لئے پھرتے ہیں در بدر
ہم اپنی خوابگاہ کا منظر لئے ہوئے

سودائے عشق کے سوا جس میں نہیں ہے کچھ
خانہ بدوش پھرتے ہیں وہ سر لئے ہوئے

اب تک سمجھ رہے تھے جنھیں اپنا خیر خواہ
آئے ہیں آستین میں خنجر لئے ہوئے

ہے وحدت الوجود کے دریا میں موجزن
''قطرہ ہے بیقرار سمندر لئے ہوئے''

سوچا ہے پیش اب کریں اُس گُلعذار کو
گُلہائے فکر و فن کا یہ دفتر لئے ہوئے

شاید اسے قبول ہو برقیؔ کی پیشکش
سب کو دکھائے چہرۂ انور لئے ہوئے

○○

○

ہم نوائے شوق کے اس زیر و بم پر لُٹ گئے
جادۂ اُلفت میں جا کر ہر قدم پر لُٹ گئے

ہم کو کیا معلوم تھا اس کا ہے یہ دامِ فریب
دیکھتے ہی اُس کی زُلفِ خم بہ خم پر لُٹ گئے

جلوہ گاہِ ناز میں پڑتے ہی اُس پر اک نظر
اس کی چشمِ نازنیں کے جامِ جم پر لُٹ گئے

غمزہ و ناز و ادا کے ہو گئے اُس کے شکار
بادلِ ناخواستہ اس چشمِ نَم پر لُٹ گئے

ہم کو بھی ہونا پڑا دوچار اُن حالات سے
رہروانِ شوق جس نقشِ قدم پر لُٹ گئے

فیس بک پر اِس زمیں میں پڑھ کے شاہدؔ کی غزل
اُن کے ہم بیساختہ زورِ قلم پرلُٹ گئے

جانتے تھے سنگ دل ہوتے ہیں پتھر کے صنم
جانے ہم کس دُھن میں برقیؔ اُس صنم پرلُٹ گئے

○○

○

میرا یہ عزمِ سفر در بدری مانگے ہے
جذبۂ شوق یہ آشفتہ سری مانگے ہے

کیسے اس شدتِ جذبات کو برداشت کروں
شبِ تنہائی مری دردِ سری مانگے ہے

آبیاری کی ضرورت ہے مگر کیسے کروں
گلشنِ زیست یہ خونِ جگری مانگے ہے

فصلِ گُل مین بھی نمایاں ہیں خزاں کے آثار
شاخِ دل میری وہ ہر وقت ہری مانگے ہے

میں ہوں ہر حال میں راضی بہ رضائے دلبر
نوحہ گر مُجھ سے یہ کیوں نوحہ گری مانگے ہے

میرا یہ مرحلۂ مشقِ سخن ہے جاری
پھر بھی یہ حُسنِ بیاں دیدہ وری مانگے ہے

سامنا کیسے کروں اس کا میں آخر برقیؔ
آئینہ ذوقِ نظر، خود نگری مانگے ہے

○○

○

ہے محبت زندگی کا ماحصل
جس کا کوئی بھی نہیں نعم البدل

دور کرنا ہے اگر جنگ وجدل
سب مسائل کا یہی ہے ایک حل

ہے یہی سب کے دلوں پر حکمراں
دیتی ہے جو دعوتِ حُسنِ عمل

ہے محبت زندگی کا وہ شجر
تلخ بھی ہیں اور شیریں جس کے پھل

وقت آنے پر تجھے مل جائے گی
کر نہ عُجلت اے دلِ ناداں سنبھل

گامزن ہے زندگی کا قافلہ
چل رہا ہوں ساتھ میرے تو بھی چل

زادراہِ آخرت تیار رکھ
جانے کب آجائے اے برقیؔ اَجَل

○○

○

حالات سے یوں برسرِ پیکار ہوں میں بھی
جیسے کہ کوئی ریت کی دیوار ہوں میں بھی

گُمنام ہے جو ایسا ہی فنکار ہوں میں بھی
بیکار اگر تو ہے تو بیکار ہوں میں بھی

اظہارِ محبت پہ ندامت نہیں مجھ کو
یہ جُرم اگر ہے تو گنہگار ہوں میں بھی

جو دیکھ رہا ہوں وہ بیاں کر نہیں سکتا
تیری ہی طرح محرمِ اسرار ہوں میں بھی

دھمکی نہ دے یوں ترکِ تعلق کی مجھے تو
ہرروز کی تکرار سے بیزار ہوں میں بھی

ہر حال میں ہوں تیری رضا کا میں طلبگار
آمادہ اگر تو ہے تو تیار ہوں میں بھی

اس دورِ پُرآشوب میں احمد علی برقیؔ
اِک کشتۂ تیرِ نگہہِ یار ہوں میں بھی

○○

○

ظُلمتِ شب کے فرسودہ ستور کو، میں نہیں مانتا میں نہیں جانتا
جو نشانہ بناتا ہو مزدور کو، میں نہیں مانتا میں نہیں جانتا

صُبحِ اُمید ہے میرے پیشِ نظر، گامزن ہوں رہِ شوق میں بے خطر
کچھ سمجھتا نہیں ایسے مغرور کو، میں نہیں مانتا میں نہیں جانتا

روشنی کی کرن جس میں کافور ہو، خانۂ قلب جس سے نہ پُرنور ہو
ایسی ویسی کسی صُبحِ بے نور کو، میں نہیں مانتا میں نہیں جانتا

خدمتِ خلق بس میرا دستور ہے، جو کہ حرص و ہوس سے بہت دور ہے
اپنا سب کچھ سمجھتا ہو جو حور کو، میں نہیں مانتا میں نہیں جانتا

جس کا ہیں کارنامہ یہ ویرانیاں، بچ کے جائے گا برقیؔ وہ آخر کہاں
وقت دے گا سزا ایسے مفرور کو، میں نہیں مانتا میں نہیں جانتا

○○

○

گلے وہ ٹوٹ کے مجھ سے مِلا مِلا نہ مِلا
مرا یہ چاکِ گریباں سِیا سِیا نہ سِیا

کیا ہے وعدۂ فردا ہوں منتظر اُس کا
یہ کام اُس نے دوبارہ کیا کیا نہ کیا

اُمید و بیم کی اک روشنی ہے آنکھوں میں
غمِ حیات کا مارا جیا جیا نہ جیا

کیا ہے میں نے تو یوں عرضِ مدعا اُس سے
صلا وفاؤں کا میری دیا دیا نہ دیا

جسے سمجھتا تھا آبِ حیات زہر تھا وہ
یہ زہر ہاتھوں سے اُس کے پیا پیا نہ پیا

تھا اُس کا روئے سخن کس طرف نہیں معلوم
پھر اُس نے کوئی اشارہ کیا کیا نہ کیا

جو لے رہا تھا وہ برقیؔ لرزتے ہونٹوں سے
وہ نام اُس نے دوبارہ لیا لیا نہ لیا

○○

منحصر آپ پہ ہے آپ ملیں یا نہ ملیں
میرے اِس چاک گریباں کو سیئیں یا نہ سیئیں

آپ کی نذر ہے خوابوں کا حسیں تاج محل
قصرِ دل آپ کا ہے آپ رہیں یا نہ رہیں

ہاتھ میں دے کے کہا اس نے غمِ ہجر کا جام
آپ کے نام ہے یہ آپ پیئیں یا نہ پیئیں

زندگی بارِ گراں تھی تو اُٹھایا کیوں تھا
لے کے جانا ہے اسے آپ سہیں یا نہ سہیں

کہئے اب کاتبِ تقدیر سے جا کر ورنہ
اب تو ہر حال میں جینا ہے جیئیں یا نہ جیئیں

ناگوار آپ کو شاید ہے مری عرضِ طلب
آپ کے رُخ سے یہ ظاہر ہے کہیں یا نہ کہیں

مجھ کو کہنا تھا جو کچھ کہہ دیا برقیؔ میں نے
اختیار آپ کو اِس کا ہے سنیں یا نہ سنیں

تھا جو تصویرِ تصور میں وہ شانہ مل جائے
میں نے جو دیکھا تھا وہ خواب سُہانہ مل جائے

لوحِ دل پر جو مری ثبت ہیں یادوں کے نقوش
کاش پھر مُجھ کو وہی گذرا زمانہ مل جائے

جس سے ملنے کا ہے مُشتاق مرا قلبِ حزیں
نہ رہے اُس کے لئے کوئی بہانہ مل جائے

گونجتا رہتا ہے رہ رہ کے مرے ذہن میں جو
مثلِ شہنائی، وہ سننے کو ترانہ مل جائے

دلِ آوارہ یہ سرگرداں رہے گا کب تک
مُستقل اُس کے لئے کوئی ٹھکانہ مل جائے

نہ ملے کوئی نیا میری بلا سے نہ ملے
مجھے کھویا ہوا اعزاز پُرانہ مل جائے

اس کا حاصل ہوا برقیؔ کو تقرب ایسے
گُمشدہ جیسے کوئی ایک خزانہ مل جائے

○

میں آپ کو دیتا ہوں یہ پیغامِ محبت
آجائیے پینا ہے اگر جامِ محبت

نذرانۂ دل یوں نہیں ٹھکراتے کسی کا
لیتے نہیں کیوں آپ یہ انعامِ محبت

آجائے گی پھر یاد اگر یاد کریں گے
کیا بھول گئے آپ مری شامِ محبت

ہے کوچۂ جاناں کا سفر باعثِ تسکیں
چل کر تو ذرا دیکھئے اک گامِ محبت

ناکام بھی ہو جائے تو رہتا ہے زباں پر
گُمنام نہیں ہوتا ہے ناکامِ محبت

وہ میری وفاؤں کا صلہ کیوں نہیں دیتے
کیا ہوتا ہے ایسا ہی یہ انجامِ محبت

جذبہ ہے محبت کا جہانگیر یہ برقیؔ
لیتے ہیں جدھر جائیے سب نامِ محبت

○○

○

کہو یہ اُس سے ابھی چھوڑ کر نہ جائے مجھے
مرا قصور ہے کیا پہلے یہ بتائے مجھے

وہ پہلے اپنے گریباں میں جھانک کر دیکھے
پھر اُس کے بعد کہو اُس سے آزمائے مجھے

نظر کسی سے وہ اپنی ملا نہیں سکتا
کہو یہ اُس سے نہ وہ آئینہ دکھائے مجھے

نہ جائے چھوٹ کہیں صبر و ضبط کا دامن
بہت ستا چکا اب تو نہ وہ ستائے مجھے

مرا شعار نہیں جاؤں بن بُلائے کہیں
ضرور جاؤں گا پہلے تو وہ بُلائے مجھے

ہمیشہ میں ہی مناتا رہوں گا کیا اُس کو
یہ اُس کا فرض نہیں ہے کہ وہ منائے مجھے

میں بھول جاؤں اُسے یہ نہیں مرے بس میں
وہ بھول سکتا ہے برقیؔ تو بھول جائے مجھے

○○

○

فریب دیتا رہے گا وہ آزما کے مجھے
نہ دے گا دعوتِ نظارہ پھر بُلا کے مجھے

سفید پوش ہے لیکن سیا ہ قلب ہے وہ
پتہ چلا ہے یہ اُس کے قریب جا کے مجھے

میں اُس کے بارے میں ابتک تھا خوابِ غفلت میں
بتا دیا ہے یہ حالات نے جگا کے مجھے

میں بھول جاؤں یہ کیسے ہوا تھا جن کا شکار
کرشمے یاد ہیں یہ غمزہ و ادا کے مجھے

نہیں ہے میرے لئے اب کہیں بھی جائے فرار
عجیب موڑ پہ چھوڑا ہے اُس نے لا کے مجھے

کرے گا ایسا وہ وہم و گماں نہ تھا مجھ کو
بنایا اپنا ہدف اس نے مُسکرا کے مجھے

نظر میں اس کی اب اوقات کیا ہے برقؔی کی
بتا دیا ہے یہ آئینہ اب دکھا کے مجھے

○○

○

پھیر لی اُس نے نظر جس پر تھا سب کچھ منحصر
ہو گیا شیرازۂ ہستی اچانک منتشر

میں سمجھتا تھا جسے اپنا اُسی نے یہ کہا
کس نے اس قعرِ مزلت میں کہا تھا جا کے گر

دیدہ و دل آج تک جس کے لئے تھے فرشِ راہ
جاتے جاتے کہہ گیا تھا لوٹ کر آؤں گا پھر

کارگر صورت نہ تھی کوئی کشودِ کار کی
داروئے زخمِ جگر ثابت ہوئی بیحد مضر

میری خوئے بے نیازی ہے مجھے بیحد عزیز
اپنی بیجا بات منوانے پہ کیوں ہے وہ مُصر

اُس کا طرزِ کار ہے میرے لئے سوہانِ روح
وہ نہ آیا لوٹ کر برقؔی تھا جس کا منتظر

○○

○

کب وہ دے گا دعوتِ دیدار میں ہوں منتظر
ڈر ہے مجھ کو ٹل نہ جائے وعدۂ فردا نہ پھر

میں نہیں روکوں گا تجھ کو اُس نے یہ مُجھ سے کہا
گِر رہا ہے تو اگر تقصیر ہے تیری یہ گِر

تیرا یہ ترکِ تعلق مارڈالے گا مجھے
دعوتِ نظارہ دے دے تو مجھے اِک بار پھر

اُس نے یہ عرضِ تمنا کا دیا میری جواب
کان میرے ہوگئے آہ و فغاں سے تیری کِر

میں نے بھی تُرکی بہ تُرکی کہہ دیا یہ صاف صاف
تجھ کو گِرنا ہی اگر ہے گِر مگر اتنا نہ گِر

فیض ہے برقیؔ اعظمی کا ورنہ برقیؔ کچھ نہیں
ہے متاعِ شاعری اس کی اُنھیں پر منحصر

○○

○

دریائے محبت کا کنارا نہیں ہوتا
وہ کون ہے جو عشق کا مارا نہیں ہوتا

کیا شدتِ جذبات کا عالم ہے نہ یہ پوچھ
''عاشق کا تو چھٹی پہ گزارا نہیں ہوتا''

معلوم نہ ہوتا مجھے یک چشم ہے معشوق
چشمہ اگر آنکھوں سے اُتارا نہیں ہوتا

جو حال ہے میرا نہیں ہوتا اگر اس نے
مجھ کو نگہہِ ناز سے مارا نہیں ہوتا

کُھلتا نہ بھرم تنگیٔ داماں کا یہ اُس کی
یہ ہاتھ اگر اُس نے پسارا نہیں ہوتا

ہے طنز و ظرافت میں یہ پہلی مری کاوش
حق اس کا ادا مجھ سے یہ یارا نہیں ہوتا

پٹتا نہ اگر کوچۂ جاناں میں وہ برقیؔ
منھ سوج کے اُس کا یہ غبارا نہیں ہوتا

○○

○

در پردہ یہ اقرار ہے انکار نہیں ہے
جھوٹا ہے جو کہتا ہے مجھے پیار نہیں ہے

انعام ہے قدرت کا یہ احساسِ محبت
کم ظرف ہے جو عشق سے سرشار نہیں ہے

کب ہوگا مرا خواب یہ شرمندۂ تعبیر
مایل بہ کرم آج مرا یار نہیں ہے

اب سوزِ دروں سے ہے لہو آتشِ سیال
قسمت میں مری سایۂ دیوار نہیں ہے

پتھر کا کلیجہ بھی پگھل جائے گا سُن کر
یہ حالِ زبوں قابلِ اظہار نہیں ہے

میں جاؤں کہاں کس سے کروں عرضِ تمنا
تنہا ہوں کوئی مونس و غمخوار نہیں ہے

یہ زندگی بے سود ہے احمد علی برقیؔ
جب پیشِ نظر جلوہ گہہِ یار نہیں ہے

○○

○

جب وہ جلوہ نما نہیں ہوتا
کیا بتاؤں میں کیا نہیں ہوتا

آتا ہے تو جُدا نہیں ہوتا
جاتا ہے تو پتا نہیں ہوتا

ذہن ہے محشرِ خیال مرا
کاش اُس سے ملا نہیں ہوتا

ایسا ہوتا ہے میں نے یہ مانا
ہاں مگر بارہا نہیں ہوتا

جیسا ہے وہ ہے سامنے اُس کے
آئینہ بد نُما نہیں ہوتا

سرِ تسلیم خم کروں کیوں میں
"صنم آخر خدا نہیں ہوتا"

اُس کا درد آشنا ہوں میں برقیؔ
کیوں وہ درد آشنا نہیں ہوتا

○○

○

وہ اگر آرہا نہیں ہوتا
خانۂ دل سجا نہیں ہوتا

وہ مرا خضرِ راہ ہوتا ہے
جب کوئی رہنما نہیں ہوتا

رُخِ گُلگوں کو دیکھ لیتے ہیں
جب کوئی گُل کھلا نہیں ہوتا

لے گا کب تک وہ امتحاں میرا
کیوں یہ وعدہ وفا نہیں ہوتا

کیوں نظر آرہا ہے وہ گُم سُم
آج کیوں لب کُشا نہیں ہوتا

وقت کی یہ ستم ظریفی ہے
کوئی اچھا بُرا نہیں ہوتا

کیوں کرے اُس سے التجا سارا
"صنم آخر خُدا نہیں ہوتا"

○○

○

کروں کیا اب دلِ مضطر کو بہلایا نہیں جاتا
"کسی صورت سے یہ نادان سمجھایا نہیں جاتا"

وہ دے کر دعوتِ نظارہ مجھ کو ہو گیا غائب
اب اُس کا دور تک نام و نشاں پایا نہیں جاتا

نہیں ہے کوئی خضرِ راہ جاؤں تو کہاں جاؤں
معما ہے یہ ایسا جو کہ سلجھایا نہیں جاتا

کیا کرتا ہے وہ اٹھکھیلیاں اس خانۂ دل میں
کبھی کھویا نہیں جاتا کبھی پایا نہیں جاتا

لبِ دریائے جمنا ہے محبت کی نشانی جو
یہ ہے وہ تاج جو ہر روز بنوایا نہیں جاتا

سبھی دُنیا میں خالی ہاتھ آتے اور جاتے ہیں
کوئی بھی ساتھ لے کر اپنا سرمایا نہیں جاتا

فریبِ رنگ و بو دے کر دیارِ شوق میں برقیؔ
کسی کو یوں تمناؤں میں الجھایا نہیں جاتا

○○

○

کسی کا جینا حرام ہم نے نہیں کیا ہے نہیں کیا ہے
کہیں یہ کیسے یہ کام ہم نے نہیں کیا ہے نہیں کیا ہے

تجھے یہ تیری روش مبارک شعار اپنا ہے دلنوازی
تری طرح قتلِ عام ہم نے نہیں کیا ہے نہیں کیا ہے

ہے نفس پر اپنے ہم کو قابو، عزیز ہے خوئے بے نیازی
نگاہ و دل کو غلام ہم نے نہیں کیا ہے نہیں کیا ہے

رواں دواں کاروانِ ہستی ہے جادۂ شوق میں مسلسل
کبھی وہاں پر قیام ہم نے نہیں کیا ہے نہیں کیا ہے

دعا یہی ہے رہے سلامت متاعِ جوشِ جنوں ہماری
کسی کے دل اپنا نام ہم نے نہیں کیا ہے نہیں کیا ہے

جو بات تحت الشعور میں تھی وہ رفتہ رفتہ اُبھر رہی ہے
شعور کو بے لگام ہم نے نہیں کیا ہے نہیں کیا ہے

نیازمندی کی حد سے برقیؔ کبھی تجاوز نہیں کیا ہے
ستمگروں کو سلام ہم نے نہیں کیا ہے نہیں کیا ہے

○○

○

کوئی بھی میری یہاں اور وہاں نہیں سُنتا
امیرِ شہر ہو یا حُکمراں نہیں سنتا

لگا تھا بیخ کنی میں مری پسِ پردہ
سمجھ رہا تھا جسے مہرباں نہیں سنتا

میں بے نیاز ہوں سود و زیاں سے لیکن وہ
اگر نہ ہو کوئی سودو زیاں نہیں سنتا

کہوں تو کس سے کہوں سب ہیں مصلحت اندیش
جسے سمجھتا تھا آرامِ جاں نہیں سنتا

دیارِشوق میں تنہا ہوں ایسی منزل پر
جہاں کوئی مری آہ و فغاں نہیں سنتا

ہے تیری کارگُزاری سبھی کے وِردِ زباں
''کہاں کہاں میں تری داستاں نہیں سنتا''

مِلا رہے ہیں سبھی اُس کی ہاں میں ہاں برقیؔ
کوئی بھی حالِ دلِ ناتواں نہیں سنتا

○○

ہوتا وہ نہیں مائل بہ کرم نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے
جائیں تو کہاں اب جائیں ہم نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

سب وعدہ شکن ہوتے ہیں صنم نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے
سہتے ہی رہے ہم اُن کے ستم نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

چبھتے رہے دل میں خارِ اَلم نہ ادھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے
سب بھول گئے وہ قول وقسم نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

قائم نہ رہا کچھ اُن کا بھرم نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے
بھرتے تھے محبت کا جو دم نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

ہم جن کو سمجھتے تھے اپنا غیروں سے بھی نکلے وہ بدتر
یہ دیکھ کے ہوگئیں آنکھیں نَم نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

جو ہم پر اب تک گذری ہے ہے اُس کا بیاں نا گُفتہ بہ
اب اس کو کریں ہم کیسے رقم نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

ہم عرضِ تمنا اے برقیؔ اُس سے نہ کریں تو کس سے کریں
ہو جاتا ہے سُن کر وہ برہم نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

بَروقت کوئی کام نہ آیا نہ میں نہ تو
قلب و جگر میں آکے سمایا نہ میں نہ تو

ترکِ تعلقات میں دونوں شریک تھے
عقلِ سلیم کام میں لایا نہ میں نہ تو

چُپ چاپ دیکھتے رہے از روئے مصلحت
سچ بات کیا ہے سامنے لایا نہ میں نہ تو

اِک دوسرے سے کردیا حالات نے جُدا
دونوں میں تھا نہ کوئی پَرایا نہ میں نہ تو

حایل تھی جو خلیج وہ بڑھتی چلی گئی
کوئی کسی کے دل کو نہ بھایا نہ میں نہ تو

جوشِ جنوں میں دشت نوردی نہ آئی کام
دیوانہ وار کوئی نہ آیا نہ میں نہ تو

دونوں ہی خود فریبی کا برقیؔ شکار تھے
کوئی بھی کچھ سمجھ نہیں پایا نہ میں نہ تو

○

آشوب روزگار سے دامن دریدہ ہوں
گلزارِ زندگی کا گُلِ نا رسیدہ ہوں

ناسازگار میرے لئے ہے فضائے دہر
بارِ گراں سے خم ہے جو، پشتِ خمیدہ ہوں

ناگفتنی ہے گردشِ دوراں کی شرحِ حال
سنتا نہیں جسے کوئی وہ ناشنیدہ ہوں

اِس طرح قطعِ رابطہ حایل ہے درمیاں
گُلشن میں جیسے میں کوئی شاخِ بریدہ ہوں

سرسبز تھا جو پہلے خزاں کا شکار ہے
شاخِ شجر کو دیکھ کے میں آبدیدہ ہوں

سوزِ دروں سے جس میں نہیں ہے کوئی رَمَق
بے آب و تاب ایسا وہ رنگِ پریدہ ہوں

پڑھتے ہیں ذوق و شوق سے برقیؔ جسے سبھی
عالم میں انتخاب اک ایسا جریدہ ہوں

○○

○

کیا ہم پہ گزرتی ہے اُس سے ہم کہتے کہتے کہہ نہ سکے
سوچا تھا رہیں خاموش مگر چُپ رہتے رہتے رہ نہ سکے

ہم عرضِ تمنا کرتے رہے اُس پر نہ ہوا کوئی بھی اثر
تھا اتنا زیادہ صدمۂ غم ہم سہتے سہتے سہہ نہ سکے

آنکھوں سے بجائے آنسو کے اب بہتا ہے میرا خونِ جگر
باقی ہیں جو اشکوں کے قطرے وہ بہتے بہتے بہہ نہ سکے

ویران ہے میرا قصرِ دل اب کوئی نہیں رہتا ہے وہاں
بس باقی بچے ہیں چند کھنڈر جو ڈھہتے ڈھہتے ڈھہ نہ سکے

دُنیا یہ سرائے فانی ہے اک روز سبھی کو جانا ہے
جو آئے یہاں رہنے کے لئے وہ رہتے رہتے رہ نہ سکے

معلوم تھا پہلے سے ہم کو پتھر کا کلیجہ ہے اُس کا
کیا کہتے اپنا حالِ زبوں ہم کہتے کہتے کہہ نہ سکے

تھا خانۂ دل میں جو برقیؔ اک روز یہ کہہ کر چلا گیا
کیا رہتے اکیلے ایک جگہ ہم رہتے رہتے رہ نہ سکے

○○

○

عشق کی فطرتِ سیماب سے ناواقف ہیں
''کچھ تو ہم رونے کے آداب سے ناواقف ہیں''

جب سے آیا ہے نظر جلوہ گہہِ ناز میں تو
تب سے آنکھیں یہ مری خواب سے ناواقف ہیں

سابقہ جن سے پڑا مصلحت اندیش تھے سب
جو ہوں بے لوث، اُن احباب سے ناواقف ہیں

دیکھنا ہے جو اسے میری نظر سے دیکھیں
آپ اُس حُسنِ جہاں تاب سے ناواقف ہیں

جو ہیں کم ظرف وہ رندانِ بلانوش ابھی
چشمِ ساقی کی مئے ناب سے ناواقف ہیں

بہرہ ور دولتِ عرفاں سے نہیں ہیں جو ابھی
علم کے گوہرِ نایاب سے ناواقف ہیں

جادۂ شوق میں برقیؔ جو ہیں سرگرمِ سفر
وہ کسی بسترِ کمخواب سے ناواقف ہیں

○○

○

مجھ سے ملنے کو وہ بیتاب نظر آتے ہیں
آگے پیچھے مرے احباب نظر آتے ہیں

دیکھ کر مجھ کو بدل لیتے تھے رستہ جو کبھی
اب وہ کرتے ہوئے آداب نظر آتے ہیں

سنگ ریزوں سے بھی کمتر جو سمجھتے تھے اُنھیں
مُجھ میں اب گوہرِ نایاب نظر آتے ہیں

دم بخود تھا میں اُسے دیکھ کے جب اس نے کہا
آپ تو مجھ کو جہاں تاب نظر آتے ہیں

میں نے سینچا ہے انہیں خونِ جگر سے اپنے
برگ و گُل آج جو شاداب نظر آتے ہیں

دیکھئے ہوتے ہیں شرمندۂ تعبیر یہ کب
''آج تو خواب فقط خواب نظر آتے ہیں''

وقت کے ساتھ بدل جاتا ہے برقیؔ سب کچھ
بے وفا ماہئ بے آب نظر آتے ہیں

○○

○

غارتگرِ سکوں ہے یہ اُس دلربا کی نیند
ٹوٹے گی جانے کب مرے دردآشنا کی نیند

آنکھیں ہیں فرشِ راہ مری کب وہ آئے گا
کتنا مجھے جگائے گی اُس بے وفا کی نیند

اُس کا پیام دے کے وہ جو چاہے سو کرے
ٹوٹی نہیں ہے کیا ابھی بادِ صبا کی نیند

کیسا ہے خوابِ ناز کہ آنکھیں ہیں نیم باز
ہے دلنواز اس کی یہ ناز و ادا کی نیند

اوراق منتشر ہیں کتابِ جمال کے
صبر آزما ہے کتنی یہ اُس بے ردا کی نیند

جاگے تو جا کے اس سے کروں عرضِ مدعا
آنکھوں میں اس کی رہتی ہے برقیؔ بَلا کی نیند

○○

○

نشانِ روشنی کوئی دکان میں بھی نہ تھا
''چراغ سامنے والے مکان میں بھی نہ تھا''

تمام شہر تھا وحشت زدہ اندھیرے میں
کہاں ہے کون کسی کے یہ دھیان میں بھی نہ تھا

امیرِ شہر کے شر سے نہ بچ سکا کوئی
کرے گا ایسا وہ وہم و گمان میں بھی نہ تھا

کوئی بھی ٹوکتا بڑھ کر اُسے سرِ محفل
یہ حوصلہ کسی پیروجوان میں بھی نہ تھا

جسے تھا ناز کبھی اپنے زورِ بازو پر
وہ طمطراق اب اُس کی زبان میں بھی نہ تھا

دکھا کے ایک جھلک ایسا وہ ہوا روپوش
نہ تھا زمیں پہ کہیں آسمان میں بھی نہ تھا

دیارِ شوق میں برقیؔ تھا ایسی منزل پر
سکونِ قلب زمان و مکان میں بھی نہ تھا

○○

نگاہِ ناز کے جلوے دکھا دئے تونے
''چراغ عقل و خرد کے بجھا دئے تونے''

طلسمِ ہوش ربا ہیں جو اہلِ دل کے لئے
یہ کیسے غمزہ و ناز و ادا دئے تونے

بناکے محرمِ اسرارِ راہ سیر و سلوک
تمام فرقِ من و تو مِٹا دئے تونے

سرورِ بادۂ عرفاں سے اب ہوں میں سرشار
مئے نشاط کے ساغر پلا دئے تونے

مِٹا کے صفحۂ دل سے نقوشِ وہم و گُماں
چراغِ رشد و ہدایت جلا دئے تونے

کِھلا کے پھول محبت کے گلشنِ دل میں
نگارخانۂ ہستی سجا دئے تونے

حریمِ ناز میں برقیؔ کو دے کے اِذنِ ورو
حجابِ بے خودی سارے ہٹا دئے تونے

کبھی نہ آیا وہ حسبِ وعدہ، مجھے ہمیشہ بُلا بُلا کے
سہوں کہاں تک میں تھک گیا ہوں، یہ ناز اُس کے اُٹھا اُٹھا کے

میں اس کی آمد کا منتظر تھا، نگاہ تھی فرشِ راہ میری
گزر گیا سامنے سے میرے، وہ مجھ سے نظریں بچا بچا کے

فریب میں آ گیا میں اُس کے، نہ تھا یہ وہم و گماں میں میرے
دکھائے گا سبز باغ پھر وہ، نئے نئے گل کھلا کھلا کے

لیا نہ پھر نام لوٹنے کا، گیا تو ایسا گیا یہاں سے
ہمیشہ رکھتا تھا اُس کی خاطر، میں خانۂ دل سجا سجا کے

ہمیشہ کانوں میں گونجتی ہیں، ابھی بھی سرگوشیاں وہ اُس کی
بنا دیا اُس نے مُجھ کو پاگل، سرودِ اُلفت سُنا سُنا کے

پڑا ہوں میں رہ گزر میں اُس کی، کبھی تو گزرے گا وہ یہاں سے
میں ڈھونڈتا ہوں اُسے ابھی تک، چراغِ دل کو جلا جلا کے

مجھے یہ اُمید تھی وہ آ کر، ہنسائے گا پھر دوبارہ مُجھ کو
پتہ نہیں تھا وہ آ کے جائے گا، مُجھ کو برقیؔ رُلا رُلا کے

○

اُس نے کہا یہ چلتے چلتے
گلے گی دال یہ گلتے گلتے

قلب و جگر میں بپا ہے محشر
وعدۂ فردا ٹلتے ٹلتے

ڈر لگتا ہے گُلبدنوں سے
آتشِ گُل سے جلتے جلتے

ٹوٹی کمندِ شوق اچانک
رہ گیا ہاتھ میں مَلتے مَلتے

بامِ عروج سے آ گیا نیچے
ڈھل گیا سورج ڈھلتے ڈھلتے

آ گئی زد میں فصلِ خزاں کے
شاخِ تمنا پھلتے پھلتے

موجِ حوادث میں رہ رہ کر
پَل گیا برقیؔ پلتے پلتے

○○

○

حال ہے دشتِ جنوں میں مرا جیسے فتراک
’’مے چکاں لب، نظر آوارہ، گریباں صد چاک‘‘

اشہبِ وقت نے یہ لاکے کہاں چھوڑ دیا
غمِ ایام سے ہے چشمِ غزالاں نمناک

مُرغِ دل دام میں آنا نہیں اُس کے ہرگز
ایسا لگتا ہے یہ ہیں اُس کے عزائم ناپاک

کب ہوا جشنِ بہاراں نہ تھی کچھ مجھ کو خبر
آ گئی فصلِ خزاں، جب ہوا مجھ کو ادراک

باغباں کون ہے کیا اُس کو نہیں کچھ معلوم
غُنچہ و گل کا یہ عالم ہے ہوں جیسے خاشاک

ہے کہاں پُرسشِ احوال کو کب آئے گا
کرتا ہے خونِ تمنا مرا برقیؔ بیباک

○○

○

سب کچھ لٹا کے ہوش میں آنا پڑا مجھے
یوں اُس کا بارِ ناز اُٹھانا پڑا مجھے

تیرِ نگاہِ ناز سے اُس نے کیا شہید
اپنے لہو میں آپ نہانا پڑا مجھے

دن رات جو کہ میری ملاتا تھا ہاں میں ہاں
اپنا تعارف اُس سے کرانا پڑا مجھے

آیا نہ باز وعدہ خلافی سے وہ کبھی
عہدِ وفا ہمیشہ نبھانا پڑا مجھے

کرتا ہے آج مجھ پہ ملامت مرا ضمیر
وہ مانتا نہیں تھا منانا پڑا مجھے

نذرِ منیرؔ سیفی میں کرتا ہوں یہ غزل
رحلت پہ جن کی اشک بہانا پڑا مجھے

تھا تیرگی پسند وہ برقیؔ اسی لئے
شمعِ اُمید اپنی بجھانا پڑا مجھے

○○

○

رقاصۂ دوراں گھایل ہے
الجھی ہوئی اس کی پایل ہے

تا حدِ نظر ہے حشر بپا
ہرسو انبوہِ مسایل ہے

میں جس کو سمجھتا تھا اپنا
غیروں کی طرف وہ مایل ہے

دیدار کے طالب ہیں دونوں
دیوار درمیاں حایل ہے

میں لاکھ کہوں اس سے کچھ بھی
ہوتا ہی نہیں وہ قایل ہے

برقیؔ کی نواؤں میں اب تک
تاثیر تھی جو وہ زایل ہے

○○

پھینک کر مجھ پہ وہ کہتا ہے یہ کالے پتھر
نہ ملیں گے تمہیں پھر ایسے نرالے پتھر

گُل فشانی سے دیا میں نے اُسے اِس کا جواب
جو ہے معصوم وہی مُجھ پہ اُچھالے پتھر

دُم دبا کر مری نظروں سے ہوا وہ غائب
میں نے بھی جیب سے جب اپنی نکالے پتھر

درو دیوار کو کردے نہ کھنڈر میں تبدیل
اب زمانے سے نہ ڈر تو بھی سجا لے پتھر

سنگباری کا اگر شوق اسے ہے تو نہ ڈر
کس نے روکا ہے تجھے تو بھی اُٹھا لے پتھر

ہے ابھی وقت انہیں روک دے جمنے سے وہاں
ورنہ ٹالے سے ٹلیں گے نہیں ٹالے پتھر

اُس نے برقیؔ کو سمجھ رکھا ہے شاید بُزدل
اُس کا شیوہ نہیں خاموشی سے کھالے پتھر

’’اگرچہ سمت نئی ہے مری مگر پھر بھی‘‘
ہے میرا جاری و ساری یونہی سفر پھر بھی

اُمید و بیم کی اک کشمکش سے ہوں دوچار
ہے فرشِ راہ مری آج چشمِ تر پھر بھی

ہے آبیاری میں شامل مرا بھی خونِ جگر
ملا نہ نخلِ تمنا سے کچھ ثمر پھر بھی

میں اُس کی یاد سے رہتا نہیں کبھی غافل
وہ میرے حال سے رہتا ہے بیخبر پھر بھی

کھڑا ہے پیکِ اجل روح قبض کرنے کو
علاج کے لئے کوشاں ہے چارہ گر پھربھی

کرے گا پُرسشِ احوال میری وہ آکر
نہیں ہے میری نواؤں میں کچھ اثر پھر بھی

اگرچہ کرتا ہوں برقیؔ میں خامہ فرسائی
ہیں میرے فن کے طلبگار دیدہ ور پھر بھی

○

محفلِ ماہ وشاں میں نے سجالی پھر سے
اپنے سر آفتِ جاں میں نے بُلالی پھر سے

کرلے تو مشقِ ستم میں تو ہوں عادی اس کا
تو نے دیوار گرائی تھی بنالی پھر سے

مُنحصر تجھ پہ ہے تو مجھ سے ملے یا نہ ملے
آیا ہوں در پہ ترے بن کے سوالی پھر سے

بڑی مشکل سے بھرا تھا اسے رہنے دو یونہی
نہ کرو دامنِ اُمید کو خالی پھر سے

اپنی عادت سے کبھی باز نہیں آؤ گے
دشمنی تم نے یہ کیوں مجھ سے نکالی پھر سے

میرا سرمایہ تھی یہ نقدِ محبت میری
تونے دُزدیدہ نگاہی سے چُرالی پھر سے

ہوا ناکام وہ کِردار کُشی میں اس کی
عظمتِ رفتہ یہ برقیؔ نے بچالی پھر سے

○○

○

آواز کا اُس کی زیر و بَم کچھ یاد رہا کچھ بھول گئے
کتنا دلکش تھا میرا صنم کچھ یاد رہا کچھ بھول گئے

کس درجہ حسیں تھا وہ لمحہ جو قصۂ پارینہ ہے اب
جب اُس کی نظر میں تھے بس ہم کچھ یاد رہا کچھ بھول گئے

گو ایسے لمحے کم آئے لیکن ہیں وہ میرا سرمایہ
کب کب وہ ہوا مایل بہ کرم کچھ یاد رہا کچھ بھول گئے

وہ روٹھنے اور منانے کا احساس ابھی تک باقی ہے
کیا کیا تھے اُس کے قول وقسم کچھ یاد رہا کچھ بھول گئے

وہ خواب دکھاتا تھا مجھ کو میں اس پہ بھروسہ کرتا تھا
قایم نہ رہا وعدوں کا بھرم کچھ یاد رہا کچھ بھول گئے

آئے ہو ابھی جاتے ہو کہاں اُس کا یہ کہنا ابھی آیا
کر دینا مری پھر ناک میں دم کچھ یاد رہا کچھ بھول گئے

یہ بھولی بِسری یادیں ہیں سرمایۂ زیست مرا برقیؔ
کس طرح کروں میں اس کو رقم کچھ یاد رہا کچھ بھول گئے

○○

نہ تو ہے سراغِ منزل ہے طویل رہگذر بھی
ہوں عجیب کشمکش میں نہیں کوئی ہمسفر بھی

نہ وہ آیا حسبِ وعدہ نہ تو بھیجی کچھ خبر بھی
مرے طائرِ نظر کے ہیں شکستہ بال و پَر بھی

نہ ملا کہیں وہ مُجھ کو میں گیا جِدھر جِدھر بھی
نہیں دسترس میں میری کہیں آج نامہ بر بھی

ہے عجیب سنگدل وہ میں کروں تو کیا کروں اب
مری آہِ آتشیں کا نہ ہوا کوئی اثر بھی

سرِ راہ آتے جاتے ہوا سامنا جو اُس سے
کبھی مڑ کے بھی نہ دیکھا مجھے اُس نے اک نظر بھی

ہے سکونِ قلب عُنقا نہیں غمگسار کوئی
مرے نخلِ آرزو کا نہ ملا کوئی ثمر بھی

جو گزر رہی ہے مُجھ پر میں ہی جانتا ہوں برقیؔ
ہے دل و جگر میں سوزش نہیں کوئی چارہ گر بھی

یادِ رفتگاں

بیادشاعرمشرق علامہ اقبالؔ

شاعری اقبالؔ کی ہے فکرو فن کا شاہکار
شہرۂ آفاق ہیں اُن کے یہ دُرِ شاہوار

''پس چہ باید کرد'' ہو یا اُن کی ہو''بانگِ درا''
ہے جہانِ فکرو فن میں اُن کو حاصل افتخار

''بالِ جبریل'' اور ہیں ''جاوید نامہ'' بے مثال
اُن کے افکارِ درخشاں کے ہیں جو آئینہ دار

روح پرور ہیں 'پیام مشرق'' اور ''ضربِ کلیم''
جن کے ہیں مداح اقصائے جہاں میں بے شمار

ہیں وہ یکساں آبروئے سرزمینِ ہند و پاک
جو بھی اربابِ نظر ہیں اُن کے ہیں منت گذار

کھولے ہیں ہم پر اُنھوں نے بابِ علم وفضل کے
جن کی تہذیبی روایت ہے نہایت شاندار

درسِ عبرت ہے ہمارے واسطے اُن کا کلام
دیتا ہے دادِ شجاعت جو ہمیں مردانہ وار

مشوروں پر اُن کے ہم کرتے اگر لبیک آج
سر پہ ہم سب کے نہ ہوتا اشہبِ دوراں سوار

جنت الفردوس میں درجات ہوں اُن کے بلند
اُن پہ نازل ہو ہمیشہ رحمتِ پروردگار

اُن سا کوئی ہو سکا پیدا نہ ہوگا حشر تک
میرا یہ نذرِ عقیدت اُن پہ ہے برقیؔ نثار

○○

بیادِ اصغرؔ گونڈوی

باغِ اُردو کے گُلِ بے خار اصغرؔ گونڈوی
بادۂ عرفاں سے تھے سرشار اصغرؔ گونڈوی

سب کا منظورِ نظر ہے اُن کا معیاری کلام
فکروفن کا تھے حسیں معیار اصغرؔ گونڈوی

شاعری ہے اُن کی نورِ معرفت سے ضوفگن
سربسر تھے مطلعِ انوار اصغرؔ گونڈوی

وہ تھے استادِ جگرؔ جن کا نہیں کوئی جواب
یعنی تھے پروردۂ فنکار اصغرؔ گونڈوی

گلشنِ اُردو میں اُن کی ذات تھی مثلِ بہار
رشکِ گل تھے رونقِ گلزار اصغرؔ گونڈوی

رہتی دُنیا تک کریں گے اُن سے حاصل وہ خراج
اہلِ دانش کے معین و یار اصغرؔ گونڈوی

اُن کی غزلوں میں ہے برقیؔ ایک روحانی سرور
کیونکہ تھے اِک محرمِ اسرار اصغرؔ گونڈوی

○○

بیادِ فراقؔ گورکھپوری

(حسبِ فرمائش: مراد جیپوری)

''گُلِ نغمہ'' فراقؔ کی ہے شناخت
''گُلِ رعنا '' ہے سوز و سازِ حیات
''مشعل'' و ''روپ'' اور ''سرگم'' میں
ہے عیاں اُن کا حُسنِ ذات و صفات
شعر ہیں اُن کے کائنات کی روح
ہے ''شبستاں'' میں سوزِ ہجر کی بات
مختلف اُن کا تھا لب و لہجہ
دے دی جس میں اُنھوں نے سب کو مات
ضوفگن تھے سپہرِ اُردو پر
جس سے روشن تھی نظم و نثر کی رات
ہیں ادب میں وہ زندۂ جاوید
ختم ہوگی کبھی نہ ان کی بات
محو ہوگی کبھی نہ وہ برقیؔ
ذہن میں جو ہے یادوں کی بارات

○○

بیادِ خواجہ الطاف حسین حالیؔ

مظہرِ علم و فضل حالیؔ کا
نام اُردو ادب میں ہے ممتاز

اُن کی نظمیں ہیں شہرۂ آفاق
اُن کی غزلیں ہیں وقت کی آواز

ہے مُسدّس جو شاہکار اُن کا
اُن کے زورِ قلم کا ہے اعجاز

نقدِ شعر و سخن تھی متوازن
اُن کے ذوقِ سلیم کی غمّاز

رسمِ جدّت پسندی اُردو میں
اُن کی تحریروں سے ہوئی آغاز

نبضِ دوراں پہ تھی گرفت اُن کی
جب تھے حالاتِ حاضرہ ناساز

تھے رفیقوں میں اُن کے سر سید
کارنامے ہیں جن کے مایۂ ناز

کرکے قائم انھوں نے دانشگاہ
درِ دانش کیا ہے ہم پر باز

وقت کی یہ اہم ضرورت ہے
ہم بھی اپنائیں اُن کا ہی انداز

اُن کی فکرِ جمیل میں برقیؔ
ہے کہیں سوز اور کہیں ہے ساز

○○

بیادِ ابن انشاء مرحوم

ابنِ انشاؔء کا نہیں کوئی جواب
اُن کا حُسنِ فکرو فن ہے لاجواب

اُن کی غزلوں میں ہے وہ سوز و گداز
کھا رہے ہیں لوگ جس سے پیچ وتاب

اُن کا طرزِ فکر تھا سب سے جُدا
اُن کا فن روشن ہے مثلِ آفتاب

اُن کا اسلوبِ بیا ںتھا دلنشیں
وہ تھے اقصائے جہاں میں انتخاب

وہ سپہرِ علم کی تھے کہکشاں
ہو رہے ہیں لوگ جس سے فیضیاب

ہے درخشاں جس سے عصری آگہی
زندگی تھی اُن کی وہ روشن کتاب

اُن سے تھا سرسبز گلزارِ سخن
گلشنِ اُردو کے تھے برقیؔ گلاب

○○

بیادِ جگرؔ مرادآبادی

تھے شہنشاہِ تغزل شاعرِ اعظم جگرؔ
متفق اِس بات پر ہیں ناقدینِ معتبر

میری نظروں میں تھے وہ اُردو غزل کی آبرو
اُن کی غزلوں سے حدیثِ دلبری ہے جلوہ گر

اُن کا اندازِ بیاں مقبولِ خاص و عام ہے
اُن کے گلہائے سخن ہیں سب کے منظورِ نظر

اُن کی غزلوں میں نہاں ہے زندگی کا سوز و ساز
اس لئے اشعار کرلیتے ہیں اُن کے دل میں گھر

اُن کا اُسلوبِ سُخن ہے اُن کی لافانی شناخت
ہو سکا اب تک نہ پیدا دوسرا کوئی جگرؔ

باغِ اُردو میں تھی اُن کی شخصیت مثلِ بہار
شعری سرمایہ ہے اُن کا نخلِ دانش کا ثمر

شعر میں اُن کا لب و لہجہ ہے برقیؔ مُنفرد
اُن کا طرزِ فکر تھا آئینۂ نقد و نظر

○○

بیادِ ابنِ صفیؔ

ابنِ صفیؔ سپہرِ ادب کے تھے ماہتاب
اُردو ادب میں جن کا نہیں ہے کوئی جواب

وہ اپنے دوستوں کے دلوں میں ہیں آج تک
ویب سائٹ اُن کی کیوں نہ ہو عالم میں انتخاب

جاسوسی ناولوں میں جو ہیں اُن کے شاہکار
اپنی مثال آپ ہیں وہ اور لاجواب

کرداروں کی زبان سے اپنے سماج کے
وہ کررہے تھے تلخ حقایق کو بے نقاب

ناول نگار یوں تو بہت آئے اور گئے
پیدا ہوا نہ آج تک اُن کا کوئی جواب

جو اُن کا حق تھا آج تک ان کو نہ مل سکا
زندہ ہیں اپنے کام سے وہ ہم ہیں محوِ خواب

اہلِ نظر ہیں جو اُنھیں اس کا ہے اعتراف
جاسوسی شاہکار ہے اُن کی ہر اک کتاب

اُن کے نقوشِ جاوداں پھیلے ہیں ہر طرف
احسان اُن کے اُردو ادب پر ہیں بے حساب

موجود اُن کے سینے میں تھا دردمند دل
ہیں اُن کی شاعری سے عیاں جو تھے اُن کے خواب

برقیؔ جو اُن کا فرض تھا وہ تو نبھا گئے
ہے اقتضائے وقت کریں اُس کا احتساب

○○

بیادِ جوشؔ ملیح آبادی

شاعرِ فکر و نظر جوشؔ ملیح آبادی
نخلِ اُردو کے ثمر جوشؔ ملیح آبادی

سن بیاسی میں ہوئے بزمِ جہاں سے رخصت
باندھ کر رختِ سفر جوشؔ ملیح آبادی

اُن کے افکار ہیں اِس طرح منور جیسے
مشعلِ شمس و قمر جوشؔ ملیح آبادی

اہلِ دانش میں تعارف کے نہیں ہیں محتاج
دیدہ ور اہلِ نظر جوشؔ ملیح آبادی

صفحۂ ذہن پہ اب نقش ہیں یادوں کے نقوش
دل میں کر لیتے تھے گھر جوشؔ ملیح آبادی

نذر ہیں میرے یہ گلہائے عقیدت اُن کی
سب کی رکھتے تھے خبر جوشؔ ملیح آبادی

شخصیت شہرۂ آفاق ہے اُن کی برقیؔ
جو تھے مانندِ گہر جوشؔ ملیح آبادی

○○

بیادِ کیفیؔ اعظمی

عندلیبِ گلشنِ گُفتار کیفی اعظمی
اہلِ دانش کے معین و یار کیفی اعظمی

گلشنِ شبلی دیارِ شرق کی ہے آبرو
اُس چمن کے تھے گُلِ بے خار کیفی اعظمی

تھے ستم دیدہ دلوں کے دل کی دھڑکن عمر بھر
چارہ سازِ مُفلس و نادار کیفی اعظمی

اُن کی اُردو شاعری ہے مظہرِ سوزِ دروں
دردِ دل کا کرتے تھے اظہار کیفی اعظمی

نقشِ اوّل سے ہی اپنے ہوگئے ہردل عزیز
شاعرِ مجموعۂ ''جھنکار'' کیفی اعظمی

اُن کے اعجازِ قلم کا ہے زمانہ معترف
بزم میں تھے مطلعِ انوار کیفی اعظمی

اُن کے علمی اور فلمی کارنامے ہیں عظیم
تھے ادب کے ایک خدمتگار کیفی اعظمی

جیسے ہیں جاوید اختر سب کے منظورِ نظر
ویسے ہی تھے زندہ دل فنکار کیفی اعظمی

دس مئی کو ''آخرِ شب'' کا مسافر چل بسا
ہیں دلوں میں اب بھی جلوہ بار کیفی اعظمی

ہیں شبانہ اعظمی اُن کی وراثت کی امین
جس کے تھے برقیؔ علمبردار کیفی اعظمی

○○

بیادِ اسرارالحق مجازؔ

آبِ زر سے ثبت ہے تاریخ میں نامِ مجازؔ
آئیے ہم سب منائیں مل کے اب شامِ مجازؔ

نظمِ ''آوارہ'' میں ہے وہ شاعرِ آوارہ گرد
شہرۂ آفاق اُردو میں ہے یہ کامِ مجازؔ

پی کے جس کو آج تک مسحور ہیں اہلِ نظر
تھا نشاط و کیف سے سرشار وہ جامِ مجازؔ

اُس کی غزلوں اور نظموں میں حدیثِ دلبری
اہلِ اُردو کے لئے ہے ایک انعامِ مجازؔ

مطلعِ انوار ہے اُردو میں اس کی شاعری
ہے درخشاں آفتابِ حُسن بَر بامِ مجازؔ

لے گیا پیکِ اجل بے وقت اُس کو اپنے ساتھ
تھا ادب کے کارواں میں تیز تر گامِ مجازؔ

گلشنِ اُردو میں اُس کی ذات تھی مثلِ بہار
تھا شگفتہ باغ میں برقیؔ گُل اندامِ مجازؔ

○○

بیادِ مجروحؔ سلطانپوری

شخصیت مجروحؔ کی ہے نازشِ سلطانپور
جن کے گلہائے سخن ہیں باعثِ کیف و سرور

ہو گئی ادبی فضا ہموار اُن کی ذات سے
فلمی دُنیا کے اُفق پر جب ہوا اُن کا ظہور

فکری اور فنی روایت کے ادب میں تھے نقیب
جلوہ گر اشعار سے ہے اُن کا تخلیقی شعور

بیشتر نظمیں ہیں عصری آگہی سے ہمکنار
سوز و سازِ عشق کا غزلوں میں ہے اُن کی وفور

وہ سپہرِ فکروفن پر تھے درخشاں اس طرح
مطلعِ انوار ہے رنگِ سخن کا اُن کے نور

لوحِ دل پر مُرتسم ہیں اُن کی یادوں کے نقوش
یاد آئیں گے ہمیشہ اہلِ دل کو وہ ضرور

جنت الفردوس میں اُن کو ملے ابدی سکون
سایہ گستر ہو ہمیشہ فضلِ رحمٰن و غفور

فکروفن پر تھی اُنہیں برقیؔ مکمل دسترس
جملہ اصنافِ سخن پر تھا اُنہیں حاصل عبور

○○

بیادِ ناصرؔ کاظمی

(یومِ وفات: ۲/مارچ ۱۹۷۲ء)

گُل ہوئی دو مارچ کو بزمِ ادب کی روشنی
چل دئے سوئے جناں جس وقت ناصرؔ کاظمی

دِل کی دھڑکن تھی سبھی کے اُن کی اُردو شاعری
دامنِ دل کھینچتی ہے جس کی اب تک دلکشی

عہدِ حاضر میں تھے عصری آگہی کے وہ نقیب
اُن کی غزلوں میں ہے مضمرِ سوز وسازِ زندگی

مِٹ نہیں سکتے کبھی اُن کے نقشِ جاوداں
شہرۂ آفاق ہیں اُن کے سرودِ سرمدی

ہے مشامِ جاں معطر اُن کی غزلوں سے ابھی
اُن کے گُلہائے سُخن میں ہے ابھی تک تازگی

ہیں سبھی گرویدہ اُن کے فکروفن کے آج تک
ہے نشاطِ روح کا ساماں حدیثِ دلبری

''برگِ نے'' ہو''پہلی بارش'' یا ''نشاطِ خواب'' ہو
اُن کی عصری معنویت کم نہیں ہوگی کبھی

لوحِ دل پر مرتسم ہیں اُن کی یادوں کے نقوش
مرجعِ اہلِ نظر ہے اُن کی برقیؔ شاعری

○○

بیادِ نظیرؔ اکبرآبادی

تھے نظیرؔ اک شاعرِ جادو بیاں
جا بجا ہیں جن کی عظمت کے نشاں

اُن کی فکر و فن کا دلکش امتزاج
اُن کی اُردو شاعری سے ہے عیاں

اُن کی نظموں کے یہ دلکش شاہکار
ہیں سپہرِ فکر و فن پر ضوفشاں

تھے عوامی زندگی کے وہ نقیب
جن کے ہیں مداح سب پیروجواں

اب کہاں ہیں ایسے شاعر اور ادیب
جن کو حاصل ہے حیاتِ جاوداں

وہ تھے اقلیمِ سخن کے تاجدار
جو دلوں پر آج تک ہے حکمراں

مٹ نہیں سکتے کبھی احمد علی
اُن کی نظموں کے نقوشِ جاوداں

○○

بیادِ پروین شاکر

بجھی ناوقت شمعِ زندگی پروین شاکر کی
مگر باقی ہے اب تک روشنی پروین شاکر کی

غزل خواں ہے عروسِ فکر وفن اشعار میں اس کے
نہایت دلنشیں ہے شاعری پروین شاکر کی

غزل بن کر دھڑکتی ہے دلوں میں اہلِ دل کے وہ
نہ ہوگی کم کبھی یہ دلکشی پروین شاکر کی

بنا لیتی ہے اپنے فکرو فن کا سب کو گرویدہ
غزل میں ہے جو عصری آگہی پروین شاکر کی

تروتازہ ہیں گلہائے مضامیں آج بھی اُس کے
یوں ہی قائم رہے گی تازگی پروین شاکر کی

علمبردار تھی وہ جذبۂ احساسِ نسواں کی
نمایاں ہے کتابِ زندگی پروین شاکر کی

دلوں پر نقش ہیں برقیؔ نقوشِ جاوداں اس کے
ہے عصری معنویت آج بھی پروین شاکر کی

○○

بیادِ علی محمد شادؔ عظیم آبادی

قصرِ اُردو کے ستوں شادؔ عظیم آبادی
فکر و فن کے تھے فسوں شادؔ عظیم آبادی

خون کے گھونٹ وہ خود پیتے تھے لیکن ہم کو
دیتے رہتے تھے سکوں شادؔ عظیم آبادی

آج ہے نسلِ جواں اُردو سے کتنی مانوس
کون تھے کس سے کہوں شادؔ عظیم آبادی

پیروِ شادؔ ہوں خاکم بدہن میں لیکن
کیا کروں کیسے بنوں شادؔ عظیم آبادی

میر کے بعد تھے دُنیائے ادب میں برقیؔ
شاعرِ سوزِ دروں شادؔ عظیم آبادی

○○

بیادِ شکیلؔ بدایونی

رونقِ شہرِ بدایوں تھے شکیل
اُن کا فن ہے اُن کی عظمت کی دلیل
مجھ کو حقانیؔ نے دی اس کی خبر
آج ہے احمد علی یومِ شکیلؔ
اُن کی ہے مرہون اُردو شاعری
روح پرور اُن کی ہے فکرِ جمیل
اُن کی غزلیں ہیں حدیثِ دلبری
وہ ستم دیدہ دلوں کے تھے وکیل
اُن کے نغمے ہیں سرودِ سرمدی
فلمی دُنیا میں بشکلِ سلسبیل
عزم تھا اُن کا بہت کچھ وہ کریں
لے کے آئے تھے مگر عمرِ قلیل
دے جزائے خیر انہیں اس کی خدا
کارنامے ان کے ہیں برقیؔ جلیل

○○

بیادِ شبلیؔ نعمانی

دیارِ شرق کی ہیں آبرو شبلی نعمانی
جہانِ علم و دانش میں نہیں اُن کا کوئی ثانی

وہ شبلی جن کی عظمت کے نشاں ہیں ہر طرف ظاہر
سبھی ہیں قدرداں اُن کے وہ ہندی ہوں کہ ایرانی

رہے وہ عمر بھر کوشاں فلاحِ ملک و ملت میں
مثالی شبلی منزل کے لئے ہے اُن کی قربانی

نہ ہوں مرہونِ منّت کیوں نہ اُن کے اہلِ اعظم گڈھ
ہیں شبلی نیشنل کالج کے وہ اِس شہر میں بانی

نمایاں شخصیت تھی اُن کی سرسید کے رفقا میں
ہے جن کی آج یہ کالج یہاں میراثِ روحانی

چراغِ علم و دانش ہے اُنھیں کے فیض سے روشن
نمایاں سارے ہندوستان میں ہے جس کی تابانی

ادب تحقیق نقدِ شعر اور سیرت نگاری میں
نہیں ہے آج ہندو پاک میں اُن کا کوئی ثانی

ہے حامل عالمی شہرت کی اُن کی سیرتِ نبوی
ہے نقدِ شعر میں شعرالعجم اک نقشِ لافانی

جہاں جیسی ضرورت تھی وہاں وہ طرز اپنائی
مقالوں سے عیاں ہے جوہرِ حُسنِ زباں دانی

شعورِ آگہی ظاہر ہے المامون سے اُن کا
ہے الفاروق میں جوشِ عقیدت کی فراوانی

نہیں ہے اُن کو قدرت صرف اُردو شعرگوئی پر
ہے اُن کی فارسی غزلوں میں فکر وفن کی جولانی

ہے اُن کا صدق دل سے قدرداں احمد علی برقیؔ
اسے جو کچھ ہے حاصل ہے اُنھیں کا فیضِ روحانی

○○

اہلِ نظر کے تاثرات

ڈاکٹر احمد علی برقیؔ اعظمی برصغیر کے ایک ممتاز شاعر ہیں۔ اعظم گڑھ میں متولّد ڈاکٹر برقیؔ اعظمی نے دلی کو وطنِ ثانی بنا لیا ہے اور وہاں آل انڈیا ریڈیو کی فارسی نشریات کے سربراہ ہیں۔ ڈاکٹر برقیؔ اعظمی بے حد زود گو شاعر ہیں لیکن علمی استعداد، علم عروض اور زبان و بیان پر زبردست گرفت کے سبب ان کی برق رفتار شاعری میں تمام تر شعری محاسن بدرجۂ اتم پائے جاتے ہیں۔ وہ اب تک ۳۰۰/سے زائد شعراء و ادباء پر منظوم تاثرات قلمبند کر چکے ہیں۔ اگر گینیز بک آف رکارڈز میں ایسی کوئی کیٹے گری ہوتی تو یقیناً ڈاکٹر برقیؔ اعظمی ہی اس کے حقدار ہوتے۔ ایک اندازے کے مطابق ڈاکٹر احمد علی برقیؔ اعظمی اوسطاً ۱۰/ یا زیادہ طبعزاد، موضوعاتی اور طرحی غزلیں اور منظوم تراجم قلمبند کرتے ہیں۔ غزلیں بھی ۱۱/ سے زائد اشعار پر مشتمل ہوتی ہیں۔ اکثر طرحی مشاعروں تک میں دوغزلہ کہتے ہیں۔

ڈاکٹر احمد علی برقیؔ اعظمی کا کلام نہایت بصیرت افروز ہے۔ برقیؔ اعظمی صاحب ایک مخلص اور نایاب شاعر ہیں۔ ااُردو ادب کی تاریخ میں ایسے کم ہی شعرا ہونگے جو زود گوئی کے باوصف اتنا مرصع کلام کہتے ہونگے۔

ڈاکٹر احمد علی برقیؔ اعظمی کے والد جناب رحمت الٰہی برقؔ اعظمی بھی پرگو، کہنہ مشق

اور صاحبِ دیوان شاعر تھے۔

ڈاکٹر احمد علی برقیؔ اعظمی بہترین انسان بھی ہیں۔ وہ اپنے معاصرین کے حق میں بھی منظومات قلم بند کرتے ہیں اور کھلے دل سے کرتے ہیں۔ میری ان سے پہلی ملاقات ۳۰؍دسمبر ۲۰۱۲ء کو ہوئی جب وہ اُردو یوتھ فورم کے زیرِ اہتمام جشنِ مسلّم سلیم کی صدارت کرنے بھوپال تشریف لائے لیکن اس سے پہلے محض انٹرنیٹ پر میرا کلام اور میری ۱۴ بلاگس سے متعارف ہوکر آپ نے مجھ پر ۶ سے زائد منظومات قلمبند کر دی تھیں۔ یہاں تک کہ آپ نے جشنِ مسلّم سلیم کا صدارتی خطبہ بھی منظوم دیا جس نے جشن میں شریک بھوپال کے شعراء و ادباء کو ان کا گرویدہ بنا دیا۔ اسی دن ان کے اعزاز میں ''ایک شام برقیؔ اعظمی کے نام'' کا بھی انعقاد ہوا تھا۔ یہاں ان کی شاعری کی مزید تہیں کھلیں۔ اُردو یوتھ فورم کے اراکین میں ڈاکٹر احمد علی برقیؔ اعظمی کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ وہ دیر رات تک ان کا کلام سنتے اور دادِ تحسین دیتے رہے۔ بڑی تعداد میں یہ نوجوان ڈاکٹر احمد علی برقیؔ اعظمی کو بھوپال ریلوے اسٹیشن پر الوداع کہنے پہنچے اور تب تک ان کا کلام فرمائشیں کرکے سنتے رہے جب تک ٹرین روانہ نہیں ہوگئی۔

میرا ایک فی البدیہہ منظوم تبصرہ ڈاکٹر برقیؔ اعظمی کی قادرالکلامی کی نذر......

ہر قدم بکھریں گے برقیؔ تیرے قدموں کے نشاں
ایک دن مانے گا تیری عظمتیں سارا جہاں

میری دعا ہے کہ ڈاکٹر احمد علی برقیؔ اعظمی کا یہ مجموعہ منظرِ عام پر آکر ایسی ہی بے پناہ پذیرائی اور مقبولیت سے ہمکنار ہو۔

— مسلّم سلیم (بھوپال)

احمد علی برقیؔ کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں۔ آپ کا اندازِ بیان ندرت آمیز ہی نہیں بلکہ کمالِ جدت آفرینی سے لبریز۔ آپ کا کلام اُردو شعری سرمائے کو جلا بخشنے کے لئے کافی ہے۔ آپ کے شعری افکار، رفعتِ تخیل اور باریک بینی کو آپ کے کلام کا

ماحصل اور نچوڑ کہا جا سکتا ہے۔ آپ کا کلام ''سب کو دکھائے چہرۂ انور لئے ہوئے'' کے مصداق ہے اور آپ کا شعری سرمایہ گلہائے فکر وفن کا دفتر لئے ہوئے کے مثل ہے۔

— زیبا محمود

ایک ایسے عہد میں جب ہر کوئی ادبی چوراہے پر اپنی ڈفلی بجا رہا ہے۔ آنکھوں پر رنگین چشمہ لگا ہے۔ ''ادبی منڈی'' میں گھوم رہا ہے۔ سب کچھ رنگین نظر آرہا ہے۔ ایسے ماحول میں احمد علی برقیؔ اپنی بات کم کرتے ہیں، دوسروں کی زیادہ۔ اس معتبر ہوتے چہرے کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ احمد علی برقیؔ اعظمی کی غزلیہ شاعری کا نو ترقی پسند لہجہ مجھے متاثر کرتا ہے۔ ایک ایسا لہجہ جو کائنات کی دھڑکنوں سے ملتا جلتا لگے ہے مجھے۔ زندگی کی سچائیاں اُن کے اشعار میں پگھلتی رہتی ہیں۔ احمد علی برقی اعظمی نام ہے ایک ایسے شاعر کا جن کا بچپن ادب کے آنگن میں نکھرا، سنورا اور ایک سایہ دار شجر میں تبدیل ہوگیا۔ شجر بھی ایسا، جس کی مضبوط جڑیں دور تک پھیلی ہوئی ہیں۔ ''دیمک'' کچھ نہیں بگاڑ پاتے۔ لفظ احمد علی برقیؔ اعظمی کی انگلیوں پر بیٹھے رہتے ہیں۔۔۔ انگلیاں جب مچلتی ہیں، حرکت میں آتی ہیں، لفظ لفظ تحریریں شاعری میں ڈھل جاتی ہیں۔

— خورشید حیات

نظموں اور غزلوں کی فیکٹری احمد علی برقیؔ اعظمی جس طرح سے جھرنوں سے پانی نکلتا ہے، رکتا نہیں، برقیؔ صاحب کے قلم سے اشعار کا سلسلہ تھمتا نہیں۔

— سید فاضل حسین پرویز

ایڈیٹر ہفت روزہ ''گواہ''، حیدرآباد۔

برقیؔ اعظمی صاحب اسم بامسمیٰ ہیں، عظیم ہیں، ایک باکمال شخصیت ہیں اور زبان و بیان پر اس قدر قدرت رکھتے ہیں کہ تاریخِ سخن میں شاید ہی کوئی ان کی گرد تک پہنچ سکا

ہو، میں اپنے اس دعوے میں مبالغہ سے قطعی کام نہیں لے رہا ہوں، اُن کا ذہن ایک ایسی فعال مشین ہے کہ اِدھر آپ نے کسی کا ذکر کیا، یا انہوں نے کوئی مصرعہ سوچا، اور اُدھر مشین حرکت میں آ گئی اور اشعار ڈھلنے لگے اور کمال یہ ہے کہ اشعار فن کے تقاضوں پر نہ صرف پورے اُترتے ہیں بلکہ الفاظ کی درو بست، معنی آفرینی اور حسنِ بیان کے اعتبار سے ہر طرح اپنا جواب آپ ہوتے ہیں۔ ایسے نابغۂ روزگار شخص کو تو سرکاری سطح پر یا ادب کے فروغ کی انجمنوں کو ان کی عظمت تسلیم کرتے ہوئے انعام دینا چاہیے۔

ــ اویس جعفری

امریکہ۔